WWW.PAKSOCIETY.COM
خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب
ماہنامہ
آنچل
کراچی
WWW.PAKSOCIETY.COM

اس شمارے میں

افسانہ نمبر

ابتدائیہ

دانش کدہ

ہمارا آنچل

سروے

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

طویل افسانہ

افسانہ

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی
دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی

سرورق: طاہرہ ملک...... آرائش: ماہ روز بیوٹی پارلر...... عکاسی: منصور عرفان

افسانہ نمبر

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتا: ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون نمبرز 021-35620771/2
فیکس 021-35620773 نئے افق پبلی کیشنز کے زیر مطبوعات ای میل Info@aanchal.com.pk

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیث نبوی ﷺ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(بعض مرتبہ) شیطان ایک آدمی کی شکل میں آ کر لوگوں کو کوئی جھوٹی بات سنا دیتا ہے لوگ منتشر ہو جاتے ہیں اور بعد میں ان میں سے کوئی شخص (دوسرے سے) کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص سے ایک بات سنی ہے اور چہرہ تو پہچانتا ہوں مگر نام نہیں جانتا وہ فلاں فلاں بات کہہ رہا تھا اس طرح جھوٹی افواہیں پھیل جاتی ہیں اور فساد مچاتی ہیں۔'' (مسلم)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

فروری ۲۰۱۲ء کا آنچل حاضرِ مطالعہ ہے۔

امید ہے کہ موسم سرما سے لطف اندوز ہو رہی ہوں گی۔ ملک کے کئی علاقوں میں بارشیں اور برف باری بھی ہو رہی ہے۔ کراچی والے صرف ان خبروں سے ہی اپنے آپ کو گرما رہے ہیں یہاں تو معمول کی سردی بھی نہیں پڑ رہی ویسے موسم خوش گوار ہے۔ ملک کے سیاسی حالات میں ایک عجب سی بے چینی اتھل پتھل مچی ہوئی ہے اہل سیاست اپنی ڈفلی اپنا راگ الاپ رہے ہیں' کسی کو بھی ملک وقوم کے مسائل کی فکر نہیں بظاہر تو ہر سیاسی لیڈر قوم کے غم کا مارا معلوم ہو رہا ہے۔ جو ملک وقوم کو ان کے مطابق لوٹ رہے ہیں وہ بھی اور جو اس لوٹ مار میں ان کی معاونت کر رہے ہیں وہ بھی بظاہر قوم کی خدمت ہی کر رہے ہیں۔ اللہ ہمارے اس پیارے وطن کی حفاظت فرمائے اور ان تمام سیاسی عفریتوں سے ملک وقوم کو نجات عطا فرمائے۔ آمین

گزشتہ ماہ ہم نے آپ بہنوں سے نئے افق کو آنچل ثانی بنانے کے لیے مشورہ مانگا تھا اس میں بہت سی بہنوں نے حمایت کی اور حوصلہ افزائی فرمائی ان سب کا شکریہ لیکن اسی طرح بہت سی بہنوں نے حقیقت پسندی کا اظہار کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی نے پہلے ہی لوگوں کی کمر توڑ رکھی ہے اس سے تو بہتر ہے کہ آپ کچھ صفحات کا اضافہ کر کے اس کی قیمت میں بھی کچھ اضافہ کر دیں۔ ہر ماہ دو دو آنچل خریدنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوگا کیونکہ آنچل یا اس جیسے اور جرائد ذوق وشوق کی چیزیں ہیں جہاں ضروریاتِ زندگی کا حصول مشکل ہو وہاں شوق کہیں پیچھے رہ جاتا ہے۔ بہنوں کا مشورہ نہایت بروقت اور مناسب لگا ادارے نے ویسے بھی ابھی کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ جہاں تک قیمت میں اضافے کی بات ہے تو وہ ویسے بھی بڑھانی پڑے گی کیونکہ کاغذ جس پر آپ کا آنچل چھپتا ہے بیرون ملک سے منگانا پڑتا ہے جو ڈالر کے عوض آتا ہے اور ڈالر کا تو آپ کو پتا ہی ہے آسمان سے باتیں کرنے لگا ہے اور تو اور نہ صرف کاغذ بلکہ پرچے کو آپ تک پہنچانے کے لیے ڈاک خرچ اور ریلوے کے کرائے میں بھی کئی گنا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اب دیکھیے یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ میں اپنی تمام بہنوں کی تہہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے ڈھیروں مشوروں سے نوازا ہے۔

بہنوں کے بہت حد اصرار پر رائٹرز کے انٹرویوز کا سلسلہ ''بہنوں کی عدالت'' کے عنوان سے سال گرہ نمبر سے شروع کیا جائے گا اس سلسلے میں اسی شمارے میں لگے اشتہار کو پڑھ کر شمارہ اپریل و مئی کی رائیٹرز بہنوں کے لیے اپنے سوالات جلد از جلد ارسال کریں۔

اس ماہ کے ستارے

☆ قائم گنج کا پٹھان
بہن فرحت آرا کا یادگار روشاہکار افسانہ بطور خاص پیش خدمت ہے۔

☆ میرے بے خبر
بینا عالیہ کا طویل افسانہ جس میں انہوں نے بے حد خوبصورتی سے بے خبر کو باخبر کیا۔

☆ آگہی کے جگنو
عالیہ حرا کا افسانہ جس میں وہ جگنو کو آگہی سے روشناس کرا رہی ہیں۔

☆ شکست دل
سویرا فلک نے معاشرے میں پھیلی برائی کو نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

☆ غبار راہ
طویل غیر حاضری کے بعد ایک بار پھر شمیم ناز صدیقی آپ کی محفل میں شریک ہیں۔

☆ ہڑتال
اُم ثمامہ پہلی بار شریک محفل ہیں ایک بہت عمدہ اصلاحی افسانے کے ساتھ۔

☆ تتلیوں کے پر
رشک حبیبہ نے تتلیوں کے پروں کو خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو
قیصر آرا

حمد

جہاں جس کی نظر میں ہے
مری وہ چشمِ تر میں ہے

کہیں تاریکیوں میں وہ
کہیں رنگِ سحر میں ہے

کہیں اڑتی ہواؤں میں
کہیں وہ بحر و بَر میں ہے

کہیں خوشیوں کے آنگن میں
کہیں اشکوں کے گھر میں ہے

نظر آتا نہیں ہم کو
مگر سب کی نظر میں ہے

کہاں فکرِ رسا میری
کمال اُس کا ہنر میں ہے

نعت

مظہرِ لطف و وفا میرے نبی ﷺ کا شہر ہے
نازشِ ارض و سماء میرے نبی ﷺ کا شہر ہے

زندگی میں انقلاب آتا ہے اُس کی دید سے
منبعِ نورِ ھدیٰ میرے نبی ﷺ کا شہر ہے

اس مقدس شہر نے دیکھا ہے جلوۂ مصطفیٰ ﷺ
شان میں سب سے بڑا میرے نبی ﷺ کا شہر ہے

زندگی خود زندگی پہ ناز کرتی ہے وہاں
رحمتِ حق سے سجا میرے نبی ﷺ کا شہر ہے

جسم ہوتا ہے یہاں اور دل مدینے میں مرا
جب سے آنکھوں میں بسا میرے نبی ﷺ کا شہر ہے

ناز دنیا کی نگاہیں جس پہ کرتی ہیں حکیم
پُرکشش وہ خوش نما میرے نبی ﷺ کا شہر ہے

(حکیم خان حکیم)

درجواب آں

مدیرہ

شمیم ناز صدیقی...... کراچی

عزیزی شمیم! خوش رہو' دعاؤں کے لیے ربّ کریم آپ کو جزائے خیر عطا کرے' آمین۔ بلاشبہ آپ آنچل کی مصنفات کا قابل قدر اثاثہ ہیں۔ آنچل کی تبدیلیوں پر پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ آپ کی خواہش کے مطابق افسانہ شامل اشاعت ہے۔ امید ہے قلمی تعاون برقرار رہے گا۔

عفت سحر طاہر...... گجرات

پیاری عفت! جیتی رہو۔ عرصہ بعد آپ کی آمد نے دلی خوشی بخشی۔ قارئین کی طرح ہم بھی خلوص دل سے آپ کی آمد کے منتظر تھے۔ مکمل ناول ان شاء اللہ جلد ہی شامل اشاعت ہوگا۔ اب جلدی جلدی حاضری دیتی رہیے گا اب یہ سلسلہ رکنا نہیں چاہیے۔ آپ ہم سب کے دل کے بہت قریب ہیں۔ اللہ آپ کا حامی وناصر ہو۔

نازیہ کنول نازی...... ہارون آباد

ڈیئر نازی! سلامت رہو۔ کافی عرصہ بعد آپ کی کتاب ہم کسی کا خواب تھے دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ اللہ آپ کو مزید کامیابی اور ترقی عطا فرمائے اور آپ کی والدہ کو مکمل صحت وتندرستی عطا فرمائے آمین۔

راحت وفا...... ملتان

اچھی راحت وفا! خوش رہو' آباد رہو۔ بلاشبہ آپ کا نام آنچل کے دیرینہ قلمی معاونین میں شامل ہے۔ آپ کی ہر کامیابی ہمیں بھی دلی خوشی بخشتی ہے۔ لہٰذا یہ جان کر ازحد مسرت ہوئی کہ آنچل میں قسط وار شائع ہونے والا آپ کا ناول "جانِ جاں تو جو کہے" کتابی شکل میں چھپ کر مارکیٹ میں آچکا ہے۔ خدا آپ کو مزید کامیابیوں سے نوازے۔ آپ کی کتاب فرحت آپا کے نام ہے یہ آپ کی فرحت آپا اور ادارۂ آنچل سے دلی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ بھی ہمیں دل سے عزیز ہیں۔

افراء تاج...... دینہ

اچھی اقراء! سلامت رہو۔ آپ نے درست سمجھا کہ افسانہ نگاری ایک مشکل کام ہے۔ جو بظاہر آسان لگتی ہے مگر مسلسل محنت' لگن اور مطالعہ آپ کو ضرور کامیابی دے سکتا ہے کیونکہ آپ کا اندازِ تحریر بہتر ہے۔ مگر افسانہ کے دیگر قواعد سے آگاہی بھی لازمی ہے۔ مضبوط کہانی' بہتر مکالمے' منفرد اسلوب وغیرہ پر دھیان رکھیے یہ چیدہ چیدہ نکات ہیں۔ مطالعہ آپ کے لکھنے کے فن کو نکھار دے گا۔ اس پر ضرور توجہ رکھیے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ انتہائی مشکلات کے ساتھ تعلیمی مدارج طے کررہی ہو۔ اللہ آپ کو کامیابیاں عطا فرمائے اور آپ کا حامی وناصر ہو' آمین۔

ام ثمامہ...... جھڈو سندھ

ام ثمامہ! خوش رہو۔ ناراضگی بجا سہی مگر تحریر بھیجنے کے بعد کچھ انتظار تو لازمی ہوتا ہے نا! ہاں گزشتہ تحاریر کے انتظار میں تازہ تحریر نہ بھیجنا بھی مناسب نہیں۔ اس لیے دیر نہ کریں اور جلد بھیج دیں۔ اچھی مصنفات کی ہر تحریر ہم دل سے پڑھتے ہیں اور یہ کیسے ممکن ہے کہ از خود آپ سے افسانے کی فرمائش کرکے ہم آپ کو فراموش کردیں؟ اپنے دل سے تمام شکوے شکایت دھو ڈالیں۔ آنچل کی بہتری کے لیے آپ کی تجاویز نوٹ کرلی گئی ہیں اور دعاؤں کے لیے ربّ کریم آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

حفصہ بتول...... بہاولپور

پیاری حفصہ! سلامت رہو۔ فرحت آپا کے لیے ہمارا اور آپ کا غم یکساں ہے مگر کیا کیا جائے کہ ربّ کی مشیت پر سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔ آنچل کی تعریف پر ہم آپ کے مشکور ہیں۔ آنچل آپ کا اپنا پرچا ہے۔ مگر تجاویز پر عمل تب ہی کیا جاسکتا ہے جب ہمارے لیے ممکن بھی ہو' مصنفین کے انٹرویوز کا سلسلہ ان شاء اللہ جلد ہی شروع کیا جائے گا' اب خوش؟ آپ افسانے کے لیے یہی کاغذ استعمال کرسکتی ہیں دیگر شرائط آپ کو ان ہی صفحات کے آخر میں مل جائیں گی۔ دعاؤں کے لیے ربّ کریم آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے' آمین۔

فاطمہ عاشی...... جھنگ

عزیزی فاطمہ! سدا خوش رہو۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ نے ایم اے اردو پارٹ ون میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ جس کے لیے بے حد مبارک باد۔ ربّ کریم آپ کو مزید کامیابیوں سے نوازے اور آپ کے تمام خواب وخواہشات کو پورا فرمائے' آمین۔ ہماری حوصلہ افزائی کے بعد آپ اپنی تحریر نئے سرے سے لکھ رہی ہیں' امید ہے کہ یہ تحریر بھرپور ہوگی۔ جس کے لیے ہم منتظر رہیں گے اللہ آپ حامی وناصر ہو۔

صبا بشیر راجا...... بھوانہ۔ چنیوٹ

اچھی صبا! جیتی رہو۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ مطالعے سے آپ کو گہرا شغف ہے۔ ایک اچھے مصنف کے لیے مطالعہ شرط ہوتا ہے۔ تازہ ترین تحریر موصول ہوگئی ہے' ابھی پڑھی نہیں جاسکی ہے۔ دیگر تحاریر کا ارادہ ہے تو یاد رکھیں کہ اس میدان میں قدم جمانے کے لیے پہلے افسانے پر طبع آزمائی کریں پھر ناولٹ' ناول اور قسط وار کی جانب آئیں تو بہتر ہے۔ محنت ولگن کو اپنا شعار بنائے رکھیں گی تو ضرور کامیابی حاصل کریں گی مگر حوصلہ بھی برقرار رکھیں۔ ربّ کریم آپ کی تمام نیک تمنائیں پوری کرے' آمین۔

عظمیٰ رفیق...... جڑانوالہ

پیاری عظمیٰ! سلامت رہو۔ آنچل سے آپ کی دیرینہ رفاقت پر ہم آپ کے مشکور ہیں اور پہلی بار شرکت پر آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ دیگر رسائل میں چھپتی رہی ہیں۔ ان شاء اللہ امید ہے کہ آنچل کی مصنفات میں بھی آپ بہترین اضافہ ثابت ہوں گی۔ بہتر ہوتا کہ آپ پہلے افسانہ پر طبع آزمائی کرتیں۔ تحریر موصول ہوچکی ہے مگر طویل تحاریر پڑھ کر شائع ہونے میں وقت لگتا ہے۔ لہٰذا صبر کا دامن تھام رکھیں۔ اپنی مشق اور مطالعہ جاری رکھیں۔ ناکامی بھی رہی تو حوصلہ مت ہاریے۔ دعاؤں کے لیے ربّ کریم آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

آصفہ اسلم وٹو...... چک وٹو

اچھی آصفہ! سدا مسکراتی رہو۔ پہلی بار شرکت پر ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں ہمیں آنچل اور اس کی مصنفات وقارئین سے آپ کی محبت پر کوئی شبہ نہیں ہے' آپ سب ہماری اپنی ہیں اور ہمیں دل سے عزیز ہیں۔ افسانہ مل گیا ہے۔ افسانہ رد ہونے کی صورت میں ان صفحات کے آخر میں صرف افسانے کا نام دیا جاتا ہے' مصنفہ کا نام نہیں اور اسی لیے کہ دل آزاری کا سبکی کا باعث نہ بنے۔ اس لیے آپ بے فکر رہیں۔ اللہ آپ کا حامی وناصر ہو۔

جویریہ صدف...... حسن شاہ' جھنگ

پیاری جویریہ! سلامت رہو۔ آپ کا ارسال کردہ افسانہ مل گیا ہے' ابھی پڑھا نہیں گیا' پڑھنے کے بعد ان ہی صفحات میں رائے مل جائے گی۔ جوابی لفافے کے ہمراہ جواب دینا' ادارے کا اصول نہیں ہے اور کوئی بھی تحریر بھیجتے ہوئے مصنفہ کی تصویر بھی شرط نہیں ہے۔ اغلاط کی نشاندہی افسانہ پڑھنے کے بعد ہی کی جاسکتی ہے لہٰذا صبر کا دامن تھامے رکھیں۔ اللہ تمہارا حامی وناصر ہو۔

عارفہ کرامت...... راولپنڈی

اچھی عارفہ کرامت' شاد وآباد رہو۔ آپ کا انتہائی تلخ خط بغور پڑھا گیا۔ ہمیں افسوس ہے کہ آنچل کا معیار آپ کو مطمئن نہیں کرپا رہا تب بھی آپ نے اپنی تازہ ترین تحریر کے لیے آنچل ہی کا انتخاب کیا......؟ اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ آنچل کی مصنفات آپ کے خیال میں بہتر نہیں لکھ پارہی ہیں۔ آپ کی یہ رائے ہم تمام قارئین کے سامنے رکھ رہے ہیں۔ اگر وہ بھی اس سے متفق ہیں تو ہم بھی بہ سروچشم تسلیم کرلیں گے۔ ہماری ڈھیروں دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

رشک حبیبہ...... کراچی

پیاری رشک حبیبہ! جیتی رہو۔ آپ کی تازہ ترین تحریر موصول ہوگئی ہے اور گزشتہ تحریر شامل اشاعت ہے۔ تب بھی آپ کو شکوے ہیں؟ اچھی بہن! اشاعت کے لیے باری کا انتظار کرنا ہی پڑتا ہے۔ آپ ایسے مشاق قلمی معاونین تو ہمارا اثاثہ ہیں پھر ہماری مجبوریاں بھی تو سمجھیں کہ ہم باری پر نہ لگائیں تو کئی مصنفات کی

حق تلفی کا امکان ہو۔ لہٰذا صبر کا دامن تھام رکھیں۔ تحریر کی قبولیت کی سند تو ہم تحریر پڑھتے ہی بذریعہ فون دے دیا کرتے ہیں۔ اس لیے آپ تردد نہ کریں۔ دعاؤں کے لیے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

ام صباء الیاس...... کجناہ گجرات

عزیزی ام صباء! خوش رہو۔ آپ کی تحریر موصول ہوگئی ہے۔ مگر آپ اتنی دل برداشتہ کیوں ہیں؟

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان میں

ہمیں افسوس کے ساتھ بتانا پڑ رہا ہے کہ افسانہ نگاری کے لیے آپ کو سخت محنت کی ضرورت ہے۔ آپ یقین رکھیں آپ کی بھیجی گئی تمام تحاریر ہماری نظروں سے گزری ہیں۔ مگر ابھی آپ کا قلم اس مشقت کا بوجھ نہیں اٹھا پا رہا ہے۔ کہانی کا اچھا ہونا ہی کہانی چھپنے کا ضامن نہیں ہوتا کہانی پیش کرنے کا انداز بھی مستند و مشاق ہونا چاہیے۔ ابھی آپ اپنا مطالعہ وسیع رکھیں۔ تعلیم مکمل کریں۔ محنت لگن اور انتظار...... کچھ وقت لگے گا۔ ان شاء اللہ آپ اپنے مقصد کو پالیں گی۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

مہوش ملک...... گنگا پور

پیاری مہوش! سدا سلامت رہو۔ آپ کا ناولٹ ''ستارہ سحر'' آنچل میں شائع ہوا اور قارئین کی بے تحاشا داد و تحسین سمیٹی بلاشبہ آپ کی تحریر اس کی مستحق تھی۔ آپ کا شکوہ بجا ہے کہ سہواً آپ کے ناولٹ کے تعارف میں اسے آپ کی پہلی تحریر لکھ دیا گیا جب کہ ماہنامہ آنچل میں اس سے قبل آپ کی تحریر ''خواہشوں کے سورج تلے'' بھی شائع ہوچکی ہے۔ بلاشبہ آپ جیسی باصلاحیت قلم کار بہنیں ادارہ آنچل کے لیے سرمائے سے کم نہیں، دعاؤں کے لیے ربّ کریم آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

سمیرا نصیر...... شاہ کوٹ

پیاری سمیرا! جیتی رہو۔ آپ کی تحریر موصول ہوگئی ہے۔ ابھی پڑھی نہیں گئی، پڑھنے کے بعد ان ہی صفحات میں اس کے بارے میں اپنی رائے سے آگاہ کردیا جائے گا۔ اچھی بہن کسی بھی تحریر کے لیے ادارے کو پابند کرنا کہ یہ تحریر لازماً اس ماہ میں شائع کردیں مناسب نہیں ہے۔ ہماری اپنی کچھ مجبوریاں ہیں۔ تحریر موصول ہوکر ادارتی بورڈ کے باہمی اتفاق رائے سے منتخب ہو جائے تب بھی باری کا انتظار کرنا پڑتا ہے وگرنہ اس سے قبل جو مصنفات باری کی منتظر ہیں، حق تلفی کا شکار ہوں گی۔ آپ سب ہماری ساتھی ہو اور ہمیں دل سے عزیز ہو۔ دعاؤں کے لیے ربّ کریم آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

طیبہ سعدیہ سعدی...... سیالکوٹ

پیاری طیبہ! سلامت رہو۔ آپ کی نگارشات لائق اشاعت تھیں، تو شائع ہوئیں اس میں کمال آپ کے حسن انتخاب کا ہے ہمارا نہیں۔ اچھی تحریروں کے تو ہم دل سے منتظر رہتے ہیں۔ آپ لکھنا چاہتی ہیں تو شوق سے لکھیں اس کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں، تحریر معیاری رہی تو ضرور شامل اشاعت ہوگی مگر تمام شرائط کو بغور پڑھ کر ہی قلم اٹھانا تاکہ رد ہونے کا امکان نہ ہو۔ آپ کے حالات زندگی پڑھ کر دکھ ہوا پروردگار آپ کو ہمت و حوصلہ عطا فرمائے۔ ربّ سے ہمیشہ پرامید رہیں کہ وہ ہر رات کے بعد اک نیا دن ضرور طلوع کرتا ہے۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔

نگہت غفار...... کراچی

ادارہ آنچل، بہن نگہت غفار کے شوہر اور نزہت جبین ضیاء کے بہنوئی کے انتقال پر ان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے کہ اللہ رب العزت مرحوم کی مغفرت فرما کر ان کے درجات بلند فرمائے اور تمام لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ قارئین کرام سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست کی جاتی ہے۔

مشترکہ جوابات

سدرہ رحمٰن، بہاولپور۔ آپ کا جو دل چاہے ہمیں کہہ سکتی ہیں۔ آپ سب ہمیں دل سے عزیز ہیں۔ **حمیرا اکبر، میرپور خاص۔** آپ نے خود اعتراف کرلیا کہ آپ بے صبری ہیں مگر تحریر چھپوانے کے لیے تو انتظار کرنا پڑے گا۔ **کنزہ عتیق الرحمٰن، گاؤں رچھ بین۔** آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔ تعارف ضرور بھیجیں اور اسی پتے پر۔ **اریبہ شاہ، بہاولپور۔** آپ کی دوستوں ایمان بٹ، عفت قریشی، انزہ ایمان اور عافیہ چوہدری کی سالگرہ پر آپ کی نیک تمنائیں ان سطور کے ذریعے پہنچائی جارہی ہیں۔ **آسرا گل، چوہدری، تربیلا ڈیم۔** حوصلہ نہیں ہارتے، زندگی میں نشیب و فراز آیا ہی کرتے ہیں۔ اپنے ربّ سے پرامید رہا کریں۔ تعارف باری آنے پر شائع ہوگا۔ **عظمیٰ خان، ڈھیر موئڈ۔** آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔ تعارف ضرور بھیجیں کسی بھی مصنفہ کا رابطہ نمبر دینا ادارے کا اصول نہیں ہے۔ نازیہ کنول نازی تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جارہی ہے۔ **شگفتہ خان، بھلوال۔** آپ آنچل کی باقاعدہ قاری ہیں تو اس کے معیار کی بابت بھی آپ کو خوب آگاہی ہوگی پھر آپ کا نام تو اکثر و بیشتر سلسلوں میں شامل ہوتا ہی رہتا ہے۔ **الفت زہرا ہراج، تلمبہ۔** آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے سمیرا شریف طور اور عشناء کوثر سردار تک پہنچائی جارہی ہے۔ **کرن فہیم، مقام نامعلوم۔** افسانہ مل گیا ہے ابھی پڑھا نہیں گیا ہے۔ **فرح طاہر، ملتان۔** دیگر افسانے ضرور بھیجیں، گزشتہ افسانہ اپریل میں لگ جائے گا۔ **زیڈ این پاکیزہ سحر، سکھو۔** آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو زندگی کے ہر امتحان میں کامیابی عطا فرمائے، آمین۔ **حمیرا خالد، منڈی بہاؤالدین۔** آپ کی کاوش ہمیں وصول ہوچکی ہے۔ **نائلہ اشفاق، کوٹ غلام محمد۔** تعارف ضرور بھیجیں، آنچل آپ کا اپنا پرچا ہے۔ **سدرہ رانی، جہلم۔ رانی اسلام، گوجرانوالہ۔ رابعہ بصری ملک، واہ کینٹ۔** آپ سب کی تحاریر موصول ہوچکی ہیں۔ **ثمر کیانی، لاہور۔** خوش آمدید، آنچل کی پسندیدگی کے لیے شکریہ اور دعاؤں کے لیے ربّ کریم آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ **اسماء شکیل، جھنگ صدر۔** خط یا نگارشات بھیجنے کے لیے سادہ کاغذ پر ایک سطر کی جگہ چھوڑ کر لکھیں اپنا نام اور شہر کا نام ضرور لکھیں۔ **کرن آسمان تپش انصاری، شرقپور شریف۔** آپ کی نظم بہتر ہے باری آنے پر لگ جائے گی۔ **ارسہ عرفان، عارف والا۔** آپ کو آنچل کے حصول میں دشواری ہے تو زرسالانہ بھیج کر سالانہ خریدار بن جائیے۔ آنچل گھر بیٹھے آپ کو ملتا رہے گا۔ **جیا سلیم، ملتان۔** آنچل آپ کا اپنا پرچا ہے۔ تبصرے کا انتظار رہے گا۔ آپ کی تعریف سمیرا شریف طور تک ان سطور کے ذریعے پہنچائی جارہی ہے۔ **ساجدہ زید، ویرووالا چیمہ۔** جناب مشتاق احمد قریشی کی جملہ کتب اسلامی کتب خانہ لاہور سے دستی یا کتاب کی قیمت بھیج کر بذریعہ وی پی منگوا سکتی ہیں۔ **عاصمہ ساجد، نسیم بٹ، قلعہ دلدار سنگھ۔** آپ کی تحریر اور متعلقہ شعبے تک بھجوادی گئی ہے، یہی جواب **ارم الحق، ٹوبہ ٹیک سنگھ** اور **ثوبیہ رؤف، سرگودھا** کے لیے بھی ہے۔

ناقابل اشاعت

اک ملے تم نہیں، ابھی سورج نہیں ڈوبا، پردے میں رہنے دو، زندگی کی کڑی دھوپ، منتظر بہاریں، گگن کالا بھی ہوتا ہے، خلش، بہتری سالِ نو کی، تقدیر کا ملاپ، کانچ کے پیکر، کڑوا سچ، رت ملن کی، انوکھی رخصتی، بے جرم و سزا، آئی ہیٹ لو اسٹوری، خوشیاں لوٹ آئیں، میں وہ نہیں ہوں۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔
☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔
☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔
☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔
☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔
☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔
☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔

شیطان کی حقیقت قرآن کی روشنی میں

مولف: مشتاق احمد قریشی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ترجمہ:۔ جس وقت بھی کوئی جماعت (گروہ) دوزخ میں داخل ہوگی وہ اپنی دوسری جماعت کولعنت کرے گی۔
یہاں تک کہ جب اس میں سب جمع ہوجائیں گے تو ہر بعد والا گروہ پہلے والے گروہ کی نسبت کہیں گے' اے ہمارے پروردگار
ہم کو ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا۔ اب ان کو دوزخ کا دوگنا عذاب دے اللہ تعالیٰ فرمائے گا سب کے لئے ہی دوگنا عذاب ہے
کیا تم کو خبر نہیں' سورۃ حم السجدہ میں ایسے نافرمانوں اور ابلیس کے پھندوں میں پھنسنے والوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔
(الاعراف ۔ ۳۸)

ترجمہ:۔ اللہ کے دشمنوں کی سزا یہی دوزخ کی آگ ہے جس میں ان کا ہمیشگی (دائمی) گھر ہے (یہ) بدلہ ہے ہماری
آیتوں سے انکار کرنے کا۔ اور کافر لوگ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان جنوں اور انسانوں کو دکھا جنہوں نے ہمیں
گمراہ کیا (تا کہ) ہم انہیں اپنے پیروں تلے روند ڈالیں تا کہ وہ جہنم میں سب سے نیچے (سخت عذاب میں) ہوجائیں۔ (حم
السجدہ ۔ ۲۸ ۔ ۲۹)

یہی مضمون سورۃ الاحزاب میں ذرا مختلف انداز میں آیا ہے کہ کس طرح ہر دوزخی اپنے اختیار سے برے اعمال کے
لئے دوسروں کو ذمہ دار ٹھہرا کر ان کے لئے زیادہ سزا اور عذاب کی خواہش کرتا ہے کفر کرنے والوں اور اہل دوزخ کے لئے
اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ
ہمیشہ (کے لئے) رہیں گے۔ وہ (وہاں) کوئی حامی ومددگار نہیں پائیں گے۔ اس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ
کئے جائیں گے۔ (وہ حسرت وافسوس سے) کہیں گے' کہ کاش ہم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے۔ اور کہیں گے
اے ہمارے پروردگار! ہم نے تو اپنے سرداروں اور بڑوں کی بات مانی جنہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا۔ اے
پروردگار! تو انہیں دوگنا عذاب دے اور ان پر بہت بھاری لعنت نازل فرما۔ (الاحزاب ۔ ۶۴ تا ۶۸)

ترجمہ:۔ اور شیطان نے ان کے بارے میں اپنا گمان سچا کر دکھایا یہ لوگ سب کے سب اس کے تابع دار بن گئے
سوائے مومنوں کی ایک جماعت کے۔ شیطان کا اُن پر کوئی زور (دباؤ) نہیں تھا مگر جو کچھ ہوا وہ اس لئے کہ ہم ان لوگوں کو جو
آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ظاہر کر دیں ان لوگوں میں سے جو اس پر (آخرت پر) شک میں ہیں اور آپ کا رب ہر چیز پر
نگہبان ہے۔ (سبا ۔ ۲۰'۲۱)

آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے نافرمان بندوں کا ابلیس کے چنگل میں پھنسنے اور ابلیس نے جس کام کے لئے اللہ
سے قیامت تک کی مہلت مانگی تھی کے بارے میں باخبر کر رہا ہے اور یہ اطلاع دے رہا ہے کہ ابلیس کے تمام تر حربوں کے
باوجود اہل ایمان کو وہ ان کی جگہ سے نہیں ہٹا سکا صرف وہی لوگ اس کے بہکائے میں آ گئے جنہوں نے اپنے اختیار سے اس
کا کہا مانا اور اس کی اطاعت میں اپنی بھلائی سمجھی۔ کیونکہ شیطان کا کسی بھی انسان پر اس طرح کا قطعی زور دباؤ نہیں جیسا کہ
اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہے اور نہ ہی اسے یہ اختیار ہے کہ وہ کسی بھی انسان کو زبردستی اپنی فرمانبرداری پر اور اپنے کہے پر عمل کرنے
پر مجبور کر سکے اللہ نے اسے صرف اتنی ہی صلاحیت دی ہے کہ وہ انسان کو صرف بہکا سکے اس کے دل میں وسوسے ڈال سکے

بس اس کے بعد انسان کا اپنا اختیار ہے کہ وہ اس کی بات سنے یا نہ سنے' مانے یا نہ مانے۔ آیت مبارکہ میں یہی بات واضح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے انسانوں کو جو شیطان کی بات پر عمل کرتے ہیں اور ایسے انسانوں کو جو اللہ کی بات مانتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ الگ الگ نمایاں کر دے اور جو آخرت کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہیں یا اس کے بارے میں شیطان کے بہکائے میں آ کر یقین ہی نہیں کرتے انہیں الگ کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر وقت ہر ہر چیز وعمل سے پوری طرح باخبر رہتی ہے وہ اپنے ہر ہر بندے کی پوری طرح نہ صرف پرورش کر رہا ہے بلکہ اس کی دیکھ بھال بھی وہی کر رہا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں انتہائی حد تک باخبر رہتا ہے وہ ہماری نیتوں اور بدترین سوچوں تک سے پوری طرح آگاہ رہتا ہے۔ اس سے ہمارا کوئی عمل کوئی سوچ وفکر کسی بھی طرح پوشیدہ نہیں رہ سکتی نہ رہتی ہے یہ اور بات ہے کہ وہ رحیم وکریم اپنے رحمانیت اور کرم کے حوالے سے اپنے بندوں کو بہت سے مواقع فراہم کرتا ہے کہ شاید وہ کسی وقت خود اپنے اختیار سے اپنی اصلاح کر لے اور سیدھی راہ اپنا لے وہ تو بار بار نہ صرف موقع دیتا ہے بلکہ تنبیہہ کے ساتھ ساتھ اصلاح کے طریقے اور راستے بھی بتلاتا ہے تا کہ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات کا اعزاز بخشا ہے اور زمین پر اسے اپنا نائب اپنا خلیفہ بھی مقرر کیا ہے اگر وہ اپنی غلط کاریوں کی وجہ سے خود اپنے ہاتھوں اپنے پر ظلم کرنے والا کسی طرح بن بھی جاتا ہے تو جب اسے موقع ملے وہ اپنی فہم وفراست کو استعمال کر کے خود اپنے اختیار سے واپس سیدھی راہ حق پر چلا آئے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کے ساتھ بڑا ہی رحم وکرم کرنے والا بڑا ہی مہربان پرورش ونگہبانی کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ تو ہر طریقے سے ہر وقت اپنے بندوں کو ابلیس کی دھوکہ دہی اور فریب کاریوں سے بچانا چاہتا ہے۔

ترجمہ:۔ ہم نے آدم کو پہلے ہی تاکیدی حکم دے دیا تھا لیکن وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں کوئی عزم نہیں پایا۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے کیا' اس نے صاف انکار کر دیا۔ (طہٰ ۔ ۱۱۵'۱۱۶)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان آیات میں سب سے پہلے انسان (آدم) کی تین بڑی اہم کمزوریوں کی نشاندھی کی ہے پہلی بھول یا نسیان جو ہر انسان کی سرشت میں داخل ہے دوسری ارادے کی کمزوری یعنی عزم کا فقدان یہ انسانی طبائع میں بالعموم پائی جاتی ہے۔ تیسری لالچ یا طمع جسے ترغیب یا پھسلاوا بھی کہا جاتا ہے۔ یہ تینوں ہی کمزوریاں ایسی ہیں جن سے شیطان پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے اور انسان اپنی ان ہی فطری کمزوریوں کے باعث شیطان کے وسوسوں میں پھنس جاتا ہے۔ اور اگر ان کمزوریوں میں اللہ کے حکم سے بغاوت وسرکشی کا جذبہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا عزم مصمم شامل نہ ہو' تو بھول اور کمزور ارادے سے ہونے والی غلطی' عصمت وکمال نبوت کے منافی نہیں' کیونکہ اس کے بعد انسان فوراً ہی نادم وشرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھک جاتا ہے اور توبہ استغفار میں مصروف ہوجاتا ہے جیسا کہ خود حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سمجھایا تھا اور بتا دیا تھا کہ شیطان تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے' یہ تمہیں جنت سے نکلوا نہ دے۔ اس بات کو اللہ تبارک وتعالیٰ یہاں اپنے بندوں کو سمجھانے کے لئے بتا رہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اس تاکید وہدایت کو بھول گئے جس میں انہیں ایک درخت کے پاس جانے یعنی اس کا پھل کھانے سے منع فرمایا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام جانتے تھے کہ انہیں اس درخت کے پاس نہیں جانا اور نہ ہی اس کا پھل کھانا ہے۔ لیکن شیطان جسے خود خالق ومالک نے حضرت آدم کا دشمن کہہ کر اس سے بچنے اور دور رہنے کی ہدایت فرما دی تھی لیکن دشمن نے ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اور اللہ کی قسم کھا کر انہیں یہ یقین دلایا کہ اس درخت کا پھل یہ تاثیر رکھتا ہے کہ جو اسے کھا لیتا ہے اسے دائمی زندگی کی بادشاہت مل جاتی ہے۔ تو حضرت آدم علیہ السلام اس لمحے اللہ کی ہدایت کو بھول گئے اور اپنے عزم اور ارادے پر قائم نہ رہ سکے اور دائمی زندگی وطمع کی وجہ سے شیطانی وسوسے کا شکار ہو گئے۔

انسان کو وہ بھولا ہوا سبق جسے قرآن حکیم بار بار یاد دلا رہا ہے یہ وہی سبق ہے جو نوع انسانی کو اس کی پیدائش کے آغاز پر دیا گیا تھا اور جسے یاد دلاتے رہنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا اور جسے یاد دلانے کے لئے قرآن سے پہلے

بھی ”ذکر“ آتے رہے ہیں۔

انسان اس سبق الٰہی کو بار بار شیطان کے بہکانے کی وجہ سے بھولتا ہے اور یہ کمزوری اس میں آغاز آفرینش سے دکھائی دے رہی ہے۔ سب سے پہلی بھول اولین ماں باپ حضرت آدم علیہا السلام اور اماں حوا علیہ السلام کو لاحق ہوئی اور اس کے بعد یہ سلسلہ برابر جاری ہے اسی لئے انسان اس بات کا محتاج ہے کہ اسے احکام الٰہی کی مسلسل اور بار بار یاددہانی کرائی جاتی رہے اور یہ بات انسان کو روز اول ہی بتادی گئی تھی کہ شیطان تمہارا دشمن اولیں ہے اس کے بہکائے میں مت آنا ورنہ گمراہی و بدبختی سے محفوظ نہیں رہو گے جیسا کہ خود حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ انسان شیطان کے بہکائے میں اگر آجائے اور غلطی کر بیٹھے تو اس کی معافی ہوسکتی ہے بشرطیکہ انسان کو اپنی غلطی کا احساس ہو اور وہ اپنی غلطی کی اصلاح کرلے اور انحراف چھوڑ کر اطاعت و بندگی کی طرف لوٹ آئے۔ دوسری چیز وہ ہے جس میں انسان خوب سوچ سمجھ کر اللہ کے مقابلے میں شیطان کی بندگی اور پیروی کرے اور اسے اپنی غلط روش کا احساس تک نہ ہو جیسا کہ کفار کو ہوتا ہے اس کے لئے معافی کا کوئی امکان نہیں ہے ان کا انجام روز حشر ہر وہ شخص دیکھے گا جو شیطان کی روش پر چلے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ کئی جگہ قرآن حکیم میں دہرایا گیا ہے ہر جگہ مسلسل بیان سے اس کی مناسبت الگ ہے ہر جگہ اسی مناسبت کے لحاظ سے تفصیلات مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہیں۔ ہر جگہ طرز بیان مختلف رکھا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ابلیس کا ذکر کل گیارہ جگہ آیا ہے ان تمام مقامات پر باری تعالیٰ سے مکالمے کی شکل میں ہے جہاں اسے مایوسی اور نامرادی کا سامنا ہوا وہاں اسے ابلیس کہا گیا اور جہاں اس کی کارستانی کا ذکر آیا وہاں شیطان کہا گیا ہے۔

جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے کہ انہوں نے شیطان کے بہکائے میں آکر اس درخت کا پھل کھالیا جس کے لئے منع کیا گیا تھا۔ ایسا انہوں نے بھول سے کیا تھا یعنی ان کی نافرمانی کسی خاص عزم وارادے کا نتیجہ نہیں تھا جو کچھ کیا بھولے سے کیا اور غلطی کا احساس ہوتے ہی ندامت وشرمندگی کا اظہار کرنا عزم وارادے اور اختیار کا مظہر ہے۔ آیت مبارکہ میں یہی بات سکھائی بتائی جارہی ہے کہ آدم علیہ السلام نے جو کچھ کیا بشری کمزوری کی وجہ سے کیا اور یہی غلطی انسان اب بھی دہراتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ کی تمام تر پیشگی تنبیہات کے باوجود دشمن کے پھندے میں پھنس جاتا ہے اگر ایسا صرف بھول سے ہوتا ہے کہ انسان بھولے سے خطا کر گزرتا ہے اور فوراً ہی اپنی غلطی کو محسوس کرکے معافی تلافی کا طلبگار ہوجاتا ہے تو اس میں نافرمانی کا عزم نہیں پایا جائے گا اور اگر وہ دیدہ ودانستہ سب کچھ جانتے ہوئے احکام الٰہی سے انحراف کرتا ہے اور شیطان کی راہ لگتا ہے تو اس میں نافرمانی کا عزم پایا جائے گا اور ایسا انسان نافرمان گردانا جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو نہ صرف اپنا نائب اور اپنا خلیفہ فی الارض بنایا ہے بلکہ بڑی قوت کا مالک بھی بنایا ہے۔ انسان جس کا منصب حیات ہی یہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر ہر شعبے میں ابلیس کی ہر ہر قوت ہر ہر عمل کو اپنے ارادے اپنی عقل وفہم اور اختیار کو استعمال کرکے اس طرح شکست فاش دے کہ اس کی ہڈیاں تک چٹخنے لگیں۔ انسان میں ایسی قوت ایسی مضبوطی واستحکام صرف ایمان کی پختگی اور اعمال صالحہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی بالکل اسی طرح تعمیل کرنے سے پیدا ہوتی ہے جیسا کہ ان پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ عمل صالح ہی انسان میں وہ قوت وہ صلاحیت پیدا کرتے ہیں کہ اگر دنیا کی بڑی سے بڑی ابلیسی قوت بھی اس کے سامنے آجائے تو وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا مقابلہ کرسکتا ہے اور ایسے صاحب ایمان متقی پرہیزگار نیکوکاروں کے سامنے آنے سے وہ خود بھی کتراتا ہے۔ ابلیس اور تمام ابلیسی قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا انہیں شکست سے دوچار کرنا ہی ایک مرد مومن کی شان ومقام ہے۔

آج کا مسلمان اگر چاہے اور کوشش کرے تو یقیناً اس کا اہل ہوسکتا ہے اور وہ اعلیٰ منصب ومقام حاصل کرسکتا ہے کہ ابلیس اور اس کی ذریات اور تمام ابلیسی قوتیں اس کے قریب آنے سے کترائیں۔ لیکن آج ہم نام کے ہی مسلمان رہ گئے

ہیں، ابلیس کے تصور سے ہی ہماری روح کانپنے لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابلیسی نظام اپنے پورے جاہ وجلال اور دبدبہ کے ساتھ دنیا میں پھیلتا جارہا ہے جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمادیا ہے کہ جب بھی تمہارا ابلیس سے سامنا ہو تو فوراً اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت الٰہی کی پناہ میں لے آؤ جو صرف اس کے احکام کی اطاعت سے ہی حاصل ہوتی ہے جبکہ آج کے مسلمان کی پناہِ الٰہی ”اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم“ کے الفاظ تک محدود ہوکر رہ گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان جب چاہتا ہے جس طرح چاہتا ہے انسان کو اپنے وسوسہ اندوزی کے ذریعے اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے۔

ابلیس کے تمام تر حربوں اور چال بازیوں، جھوٹ فریب اور مکر سے انسان اگر چاہے تو اپنے اختیار سے اللہ کی احکام کی تعمیل کرکے بچ سکتا ہے کیونکہ اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں ہمیں وہ سارے طریقے وہ سارے اعمال بتادیئے ہیں، ساری ہدایات نبی برحق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم تک پہنچادی ہیں جن پر عمل کرکے نہ صرف شیطان کے حربوں، وسوسوں سے بچا جاسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی بھی حاصل کرکے اپنی آخرت کی دائمی زندگی کے لئے فوائد وانعامات الٰہی بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

دعائے تکمیل تالیف ہذا

اللہ تبارک وتعالیٰ کا جس قدر شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے میرے مالک وآقا کا بڑا ہی کرم ہے کہ اس کی دی ہوئی توفیق سے یہ تالیف مکمل کرسکا، بارگاہ الٰہی میں دست بہ دعا ہوں کہ میری اس ناچیز کوشش کو قبول فرما اور اسے اپنی مخلوق کے لئے نافع بنا! آمین۔

اے میرے مالک! میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔ مجھے مزید توفیق عطا فرما کہ میں اپنے دین حق کی بہتر خدمت کرنے والا بن سکوں۔

اے میرے خالق وآقا! تو بڑا ہی رحیم وکریم ہے میری، میری اولاد و میری آنے والی نسلوں پر اپنا کرم اپنا رحم خاص فرما اور ہمیں سچا مومن مسلمان بننا نصیب فرما۔

اے مالکِ دوجہاں! اے تمام جہانوں کے پالنے والے مجھے میری اولاد کو آخرت کا یقین کامل عطا فرما اور آخرت کی زندگی کی بھرپور اور درست تیاری کا اہل بنا اور ہمیں اس کی فکر نصیب فرما اور اس دنیا کی مختصر زندگی میں اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما تاکہ آخرت میں ہم ہر قسم کی ذلت ورسوائی سے بچ سکیں اور سرخرو ہوسکیں۔ اے اللہ اپنے کرم اپنے فضل سے اپنی بابرکت اور آخری کتاب قرآن حکیم کی تلاوت کی اور اس میں تدبر وتفکر کی توفیق عطا فرما تاکہ تیری تعلیمات وہدایات پر پوری طرح عمل پیرا ہوسکوں، اور صراط مستقیم پر چل سکوں۔

اے رب ذوالجلال! مجھے میری تمام نسلوں کو میرے دوست احباب میرے شیوخ واساتذہ کو اور ان تمام افراد کو جو ان تالیفات کی اشاعت وترسیل میں میری معاونت کررہے ہیں انہیں اپنی اطاعت گزاری، فرمانبرداری نصیب فرما اور دنیا کی زندگی کے جو اصل مقاصد ہیں انہیں پورا کرنے والا بنا۔ دنیا کے ہر قسم کے فتنہ وفساد سے بچا ان سے دور رکھ اپنے متقی اور پرہیزگار بندوں سے وابستہ فرما۔ شیطان کے تمام حربوں سے، وسواس سے، چالوں سے، اپنی پناہ عطا فرما۔

اسلام کو شوکت وغلبہ نصیب فرما، تمام عالم کے مسلمانوں کو اور خصوصاً وطن عزیز کے مسلمانوں کو استقامت عطا فرما، ہمارا مرنا جینا دین اسلام کے مطابق بنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں اور اپنے احکام پر عمل کرنے والا بنا، ہمارے ساتھ اپنے رحم وکرم کا معاملہ فرما، اے میرے رب! میری تمام کتب کو اپنے بندوں کے لئے نافع بنا آمین۔

(ختم شد)

سمیرا کنول

ملیحہ احمد

السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور آنچل قارئین! میرا نام سمیرا کنول ہے اور سب مجھے کنول کہتے ہیں۔ہم دو بہن بھائی ہیں۔پہلے نمبر پر میں ہوں۔ میں 10 جنوری 1992 کو ساہیوال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئی' ماہدولت B.Com کر رہی ہیں۔ اسی سال ایڈمیشن لیا ہے' میں پڑھائی میں بہت اچھی ہوں اور مجھے پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے۔میری فیورٹ شخصیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' مجھے جھوٹ سے سخت نفرت ہے۔ جو شخص جھوٹ بولتا ہے مجھے وہ بہت بُرا لگتا ہے کیونکہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جھوٹا شخص ہم میں سے نہیں' میری فیورٹ کتاب قرآن پاک ہے۔ مجھے دوست بنانا بہت پسند ہے۔ میں لڑائی جھگڑوں سے بہت گھبراتی ہوں۔ میں دوستوں کے خلاف کوئی بات نہیں سُن سکتی۔ مجھے کتابیں پڑھنے کا بہت شوق ہے' ہر وقت میرا دل کرتا ہے میں کتاب پڑھوں لیکن یہ ناممکن ہے۔ مجھے ہر وہ کتاب اچھی لگتی ہے جو اچھے موضوع پر ہو۔ مجھے خوشامد کرنے والے لوگ بالکل بھی پسند نہیں' مجھے صاف دل لوگ اچھے لگتے ہیں۔ میں جو سچ ہو وہی کہہ دیتی ہوں۔اس لیے لوگ منہ پھٹ بھی کہتے ہیں لیکن کیا کروں عادت سے مجبور ہوں۔ مجھے کھانوں میں سبزیاں اور چاول' بریانی بہت پسند ہے۔ مجھے سادہ لوگ بہت پسند ہیں۔ جو بہت سادہ ہو ایسے لوگ مجھے متاثر کرتے ہیں۔ رائٹرز میں مجھے ساری رائٹرز اچھی لگتی ہیں' شاعری مجھے بہت پسند ہے۔ مجھے وصی شاہ کی ایک غزل بہت اچھی لگتی ہے۔

تیرے فراق کے لمحے شمار کرتے ہوئے
بکھر گئے تیرا انتظار کرتے ہوئے
میں مسکراتا ہوا آئینے میں ابھروں گا
وہ رو پڑے گی اچانک سنگھار کرتے ہوئے

میں اپنے اللہ سے دعا کرتی ہوں میری زندگی میں کبھی ایسا کوئی لمحہ نہ آئے جب مجھے میرے ماں باپ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ میری دوستوں میں سائرہ مریم' نشاء' رباب اور میری آپی رابعہ انجم ہے۔اچھا جی! اب اجازت دیں' مجھے اتنا برداشت کرنے کا شکریہ۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اب آخر میں سب کے لیے ایک بات کہنا چاہوں گی' جو ایمان آپ کو بستر سے اٹھا کر مسجد یا مصلّے تک نہیں لے جاسکتا وہ آپ کو جنت میں کیا لے جائے گا' خدا حافظ۔

طیبہ نذیر

آنچل اسٹاف' قارئین اور رائٹرز کو میرا پیار بھرا' اُلفتوں بھرا' پھولوں بھرا' خوشیوں بھرا اور دعاؤں بھرا اسلام (قبول کیجیے)۔ میرا نام طیبہ ہے اور میں نے ایف اے کیا ہے اور میں پنجاب کے شہر شادیوال گجرات سے تعلق رکھتی ہوں۔ میں 23

جولائی کو پیدا ہوئی اور میرا برج سرطان ہے۔ اللہ پر [illegible] یقین ہے۔ہم سات بہن بھائی ہیں۔ میرے خیال میں انسان کا دنیا میں آنا ایک مقصد کے تحت ہے۔ اسی طرح میرے بھی بہت سارے مقاصد و عزائم ہیں' جن کو میں پورا ضرور کروں گی۔ میں سادگی بہت پسند کرتی ہوں اور خود بھی بہت سادہ ہوں۔ مجھے سبز اور نیلا رنگ پسند ہے۔ کھانے میں مجھے مٹر' قیمہ' بریانی' دال پالک بہت پسند ہے۔ میٹھے کی تو بے حد شوقین ہوں' میٹھے میں مجھے سویاں' کھیر' کیک' چاکلیٹ' آئسکریم بہت پسند ہے۔ میں میٹھے کے بغیر بالکل بھی نہیں رہ سکتی۔ پرفیوم مجھے ہیوک اور گلیمر بہت پسند ہے۔ موسم مجھے بہار کا پسند ہے بارش مجھے کبھی کبھی اچھی لگتی ہے۔ بقول سب لوگوں کے کہ دل کا موسم اچھا ہو تو سارے موسم ہی اچھے لگتے ہیں۔اب اپنی خوبیوں اور خامیوں کو بتاتی ہوں تو غصہ زیادہ نہیں کرتی' کبھی کبھی آتا ہے اور جلدی اتر جاتا ہے ہر کسی کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں (بے شک خود غم میں ہوں) ویسے مجھے ہر ایک کا خیال رکھنا بہت اچھا لگتا ہے' کسی کا دل نہیں دُکھاتی' کیونکہ دل میں خدا کی ذات بستی ہے۔ ویسے مجھے اگر کوئی بُرا لگے تو میں اسے بالکل بھی محسوس نہیں ہونے دیتی اور جھوٹے لوگ بالکل بھی نہیں پسند۔ میری بُری عادت یہ ہے کہ ٹی وی بہت زیادہ دیکھتی ہوں' جس سے گھر والے بہت تنگ ہیں (کی کراں وس دی گل نہیں اے!)۔ مجھے اسلامی کتابیں اور ناولز پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ عالم اور عالم پروگرام بہت پسند ہے۔ یہ پروگرام دیکھ کر زندگی کی حقیقت کا پتا چلتا ہے اور دل کو بہت سکون ملتا ہے۔ بے شک مجھ میں کافی ساری خامیاں ہیں لیکن نماز ضرور پڑھتی ہوں اور قران کی تلاوت بھی کرتی ہوں۔ ویسے میرے خیال سے اگر آپ کو کوئی بھی پریشانی ہو اور آپ پانچ وقت کی نماز ادا کریں گے تو کوئی بھی پریشانی نہیں رہے گی' دل کو سکون محسوس ہوگا۔ جیسے فرمایا گیا کہ تم اللہ کے گھر کو اپنی عبادت سے آباد رکھو' اللہ تمہارے گھر کو اپنی رحمتوں سے آباد رکھے گا۔'' ویسے ہر کوئی مجھ پر اعتماد کرسکتا ہے میں نے کبھی کسی کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی اور سب لوگ مجھے بڑی جلدی سمجھ جاتے ہیں۔ مجھے دوست بنانا بہت اچھا لگتا ہے۔ میں ہر ایک کے ساتھ بہت جلد بے تکلف ہو جاتی ہوں۔ میری بہترین دوست ایک ہی ہے جس کا نام راشدہ ہے اس کے ساتھ میں اپنی ہر بات شیئر کرسکتی ہوں۔ اب آتی ہوں رائٹرز کی طرف تو مجھے جی عشناء کوثر سردار بہت پسند ہیں (تہاڑی کی گل اے!)۔ سمیرا شریف طور اور نازیہ کنول نازی' سعدیہ امل کاشف بہت پسند ہیں۔ میرا آنچل سے بہت پُرانا تعلق تو نہیں لیکن لگتا ایسے ہے جیسے بہت عرصے سے پڑھ رہی ہوں۔ آنچل کی وجہ سے ہی زندگی کے کئی ڈھنگ آئے ہیں۔ میں تو خود کو کسی قابل نہیں سمجھتی لیکن میری زندگی کا مقصد ہے جیسے عبدالستار ایدھی اور بلقیس ایدھی ادارہ چلا رہے ہیں۔ میرے دل کی بھی یہی خواہش ہے کہ میں بھی ان کی طرح زندگی میں کوئی ایسا کام کروں کہ مرنے کے بعد بھی لوگ یاد رکھیں۔ میری زندگی کی خواہش اور مقصد یہی ہے آپ دعا کیجیے گا میرے لیے کہ میں اس

مقصد میں کامیاب ہوجاؤں۔ مجھے اپنی دعاؤں میں یادرکھیے گا‘ اجازت چاہتی ہوں خدا حافظ۔

میں اک انسان ہوں
جسے مٹی سے تراشا گیا ہے
مٹی! جس کی کوئی پہچان نہیں‘ کوئی اوقات نہیں
لیکن جب سے تیری آنکھوں میں خود کو دیکھا ہے
مجھے لگتا ہے میری ہے پہچان کوئی
میرا نام بھی ہے اوقات بھی ہے اور اجلی سی ذات بھی ہے
مٹی سے نہیں ہیرے سے تراشا ہے مجھ کو میرے ربّ نے!

غزل ناز

السلام علیکم! پیارے آنچل کی جگمگاتی پریوں‘ شہزادیوں اور خوب صورت الفاظ بکھیرنے والے ستاروں کو بہت بہت سلام۔ ارے ارے! آرام سے‘ ذرا پیار سے دیکھیے تھوڑی سی خدمت شدمت کیجیے۔ ہم ہیں جناب آپ تعارف اپنا یعنی غزل ناز! 8 جنوری 1993 کی خوب صورت صبح اس دنیا کو مزید خوب صورت بنانے کے لیے انٹری دی۔ کیپری کورن ہوں اور اپنے اسٹار کی بہت سی خوبیاں اور خامیاں مجھ میں ہیں۔ روشنیوں کے شہر کراچی سے تعلق ہے۔ چھ بھائی‘ بہنوں کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی (بقول زارا اور آپی کے)۔ شرارتی بہن ہوں۔ آنچل سے رابطہ بہت چھوٹی عمر‘ چھٹی کلاس میں ہوا۔ مجھے رشتوں میں ”ماں“ کا رشتہ بہت پسند ہے اور میں اپنی مما سے بہت پیار کرتی ہوں۔ مجھے فرینڈز بنانے کا بے پناہ شوق ہے اور میری کسی سے بھی دوستی بہت جلد ہوجاتی ہے‘ میری سب سے قریبی دوست زیتون‘ عینی‘ زارا‘ عاشی اور عذرا آپی ہیں۔ گھر میں میری سب سے زیادہ ذہنی ہم آہنگی مما‘ عذرا آپی اور ڈیئر زارا سے ہے۔ میری پسندیدہ کتاب قرآن پاک ہے اور کوشش کرتی ہوں کہ جب جب ذرا سا ٹائم ملے اس مبارک کلام کی تلاوت ضرور کروں۔ میری نہایت پسندیدہ شخصیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ مجھے رائٹرز میں نازیہ کنول نازی‘ عمیرہ احمد اور فرحت اشتیاق بہت پسند ہیں۔ میری تعریف تو جناب رہنے دیجیے ہاں برائیوں کا بتادیتی ہوں۔ بہت انا پرست ہوں‘ غصہ بہت آتا ہے پر بہت جلد ختم بھی ہوجاتا ہے اور کسی کو خود سے خفا نہیں دیکھ سکتی۔ ہر کسی پر خاص طور پر فرینڈز پر بہت جلد اعتبار کرلیتی ہوں جس کی وجہ سے کئی بار نقصان اٹھانا پڑا۔ مجھے کوکنگ بہت زیادہ نہیں آتی‘ ہاں بریانی امی کے بعد سب سے اچھی میں بناتی ہوں۔ مجھے کمپیوٹر پر گیمز کھیلنا‘ گانے سننا‘ فرینڈز سے باتیں کرنا اور اپنا ”آنچل“ پڑھنا بہت پسند ہے۔ رنگوں میں سیاہ‘ پھولوں میں گلاب‘ پھلوں میں آم اور کپڑوں میں فراک کے ساتھ چوڑی دار پاجامہ اور بڑا سا دوپٹہ بہت پسند ہے۔ میں بہت ہنس مکھ ہوں‘ ہنسنا ہنسانا یہ ہے میری زندگی...... جیولری بہت اچھی لگتی ہے خاص طور پر ہاتھ بھر کر چوڑیاں پہننا...... گھر کا کام......؟ بہت سگھڑ نہیں ہوں‘ کبھی کبھی کرتی ہوں پر جب کرتی ہوں تو بہت اچھے طریقے سے۔ مجھے سجنا سنورنا

نہیں پسند پر بالکل سادہ بھی نہیں رہتی۔ کسی سے الجھتی نہیں ہوں پر کوئی اجنبی میری ذاتی زندگی میں مداخلت کرے یا میرے قریبی رشتوں کے خلاف کچھ کہہ دے تو پنجے تیز ہوجاتے ہیں (ارے ارے آپ مت ڈریئے)۔ جذبوں کے اظہار کے لیے جو دل میں ہوتا ہے فوراً کہہ دیتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ حج کروں اور ان پیاری جالیوں کو چوم کے آنکھوں سے لگاؤں۔ میں نے آنچل سے بہت کچھ سیکھا ہے بلکہ یہ کہوں تو زیادہ بہتر ہے کہ میں آج جو بھی ہوں‘ آنچل کی وجہ سے ہوں۔ آنچل میرے لیے ماں کی طرح ہے کسی بھی دکھ‘ کسی بھی خوشی میں تنہا نہیں ہونے دیتا۔ مجھے میرے آنچل کے ہر قاری‘ رائٹرز اور ہر وہ شخص جس نے آنچل میں ایک لفظ بھی لکھا ہے بہت عقیدت ہے۔ (آپی جی اپنی قینچی کو سائڈ پر رکھیے نا)۔ جی تو ساتھیو! بہت آزمالیا آپ کا صبر‘ اب جلدی سے بتادیں کیسا لگا ہمارا ساتھ...... دنیا بہت خوب صورت ہے اتنی پیاری دنیا کے پیارے لوگو! خوش رہو‘ خوشیاں بانٹو‘ دکھوں کو گڈ بائے کہو اور اپنی دعاؤں میں ایک لمحہ کے لیے پیارے وطن کے مستقبل کے لیے درود پاک پڑھ کر دعا کرو‘ اجازت دیجیے...... آپ کی اپنی!

کوثر اعوان

ڈیئر آنچل قارئین‘ السلام علیکم! اجی کیا ہوا سلام کا جواب نہیں دیا اور کیا سوچنا شروع کردیا آپ لوگوں نے...... اوکے اوکے پہلے سے ہی جانتے ہیں نا مجھے! میں بھی کہوں ابھی میں نے نام لیا نہیں اور آپ کی آنکھوں میں میرا عکس آگیا؟ بھئی محبت چیز ہی ایسی ہے۔ جی ہاں! میں کوثر اعوان ہوں اور تمام فرینڈز مجھے مہک کے نام سے پکارتی ہیں۔ میرا تعلق پاکستان کے ایک نرالے شہر ”بورے بوالا“ سے ہے۔ جسے ایجوکیشن سٹی کا درجہ حاصل ہے۔ بہاؤ الدین ذکریا یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان پاس کیا ہے اور اب ماسٹرز کی تیاریاں ہورہی ہیں۔ میری تاریخ پیدائش 14 مئی ہے۔ گرمی کے موسم میں اس دنیا میں آکر ہم نے موسم گرما کو ٹھنڈا ٹھنڈا یعنی (کول) کردیا۔ ہم ماشاء اللہ نو بہن بھائی ہیں۔ آٹھ بہنیں‘ ایک بھائی اور مجھے ان سب کی آپی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مجھے اپنی سب بہنوں سے محبت ہے لیکن منظمہ اعوان‘ ایشاع سماول اور حلیمہ کی تو بات ہی الگ ہے۔ سدرہ‘ عاشی و مصباح اور مدیحہ ناراض ہونے کی ضرورت نہیں تم بھی سویٹ ہو اور علی (بھائی) تو ہم سب کی جان ہے۔ موسموں کی بات ہے تو خزاں اور موسم سرما بہت پسند ہے۔ بارش بہت متاثر کرتی ہے اور اکیلے انجوائے کرنے کا اپنا ہی مزا ہے۔ رنگوں کا ذکر کریں تو میرا پسندیدہ رنگ جامنی اور بھورا ہے لیکن میری سسٹرز اور مما کے

بقول تم پر ہر رنگ جچتا ہے۔ فلمیں بہت کم دیکھتی ہوں لیکن ''کچھ کچھ ہوتا ہے'' اور ''ہم ساتھ ساتھ ہیں'' میری فیورٹ موویز ہیں۔ میں ایف ایم بہت شوق سے اور باقاعدگی سے سنتی ہوں۔ ایف ایم 99 کے میزبان ''فیصل جاوید خان'' میرے موسٹ موسٹ فیورٹ ہیں۔ میں ان کا کبھی کوئی پروگرام مس نہیں کرتی۔ مجھے اچھا کھانے کا بہت شوق ہے یہ نہ سمجھیں کہ پکانے کا کوئی شوق نہیں' پکا لیتی ہوں سب مگر جب موڈ ہو پکانے کا یا گھر میں پکانے والا کوئی نہ ہو۔ حساس ہوں مگر دوسروں کی باتوں اور رویوں کو برداشت کرنا سیکھ چکی ہوں۔ تنہائی پسند ہوں اور تنہائی میں میوزک سننا پسند ہے۔ میری تمام فرینڈز جن میں بشریٰ باجوہ' عقیلہ اور نوریہ ملک' ایمان بٹ' ثناء اعوان' زاہدہ ملک' ذونیرہ طاہر' اریبہ شاہ' کرن وفا' عندلیب (جاناں)' عافیہ چوہدری اور شہنیلہ چوہدری شامل ہیں' مجھے بہت پیاری ہیں۔ ایسی فرینڈز قسمت والوں کو ملتی ہیں۔ سنگرز میں مجھے نصرت فتح علی خان' راحت فتح علی خان اور ابرارالحق پسند ہیں۔ پسندیدہ ممالک سعودی عربیہ اور آسٹریلیا ہیں۔ پرفیوم کی تو میں دیوانی ہوں بقول میری سسٹرز کے پرفیوم استعمال کرنا تو تم پر ختم ہیں۔ مجھے مہندی لگوانا اور چوڑیاں پہننا بہت بہت پسند ہے مگر یہ دونوں کام میں بہت کم کرتی ہوں' کپڑوں میں لانگ شرٹ ٹراؤزر کے ساتھ پسند ہے۔ مجھے اپنے اکیڈمی ٹیچر کے پڑھانے کا انداز بہت اچھا لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو سدا خوش رکھے اور علم بڑھائے (آمین) میں اپنی کزنز عاصمہ عمران راشدہ' آمنہ' اقصیٰ' فردوس' فرح' فرحت' عاصمہ شبانہ کو بہت بہت سلام کہوں گی کیونکہ وہ بہت دور ہیں ہم سے...... بہرحال اب سمجھ جائیں کہ کیوں کہا ہے ان کو ایسا...... آنچل رائٹرز میں نازیہ کنول نازی' عشنا کوثر سردار اور سمیرا شریف طور بہت پسند ہیں' ان کے کیا کہنے! بہت اچھا لکھتی ہیں۔ خاص طور پر سمیرا شریف کا ناول ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' میرا پسندیدہ ناول ہے۔ پسندیدہ شخصیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور آپی فرحت آراء کے لیے:

بچھڑا اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

اس پیاری سی بات کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اپنے ضمیر کو ہمیشہ زندہ رکھیں' کبھی مرنے نہ دیں اور دوسروں کے لیے مثبت سوچ رکھیں۔ میرا تعارف کیسا لگا ضرور بتائیے گا' اللہ حافظ۔

آنچل کے ہمراہ

ادارہ

امبر گل...... سندھ

۱:۔ السلام علیکم! سب سے پہلے تو سب کو نیا سال مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ نیا سال سب کی زندگی میں خوشیاں لائے۔ آمین

جہاں تک بات ہے پہلے سوال کے جواب کی تو جب تک لکھتی رہی تھی تب بھی ابو سب سے پہلے دیکھتے تھے کہ ان کی بیٹی کی کون کون سی چیزیں شائع ہوئی ہیں۔ پھر امی بہنیں اور میرا نمبر سب سے آخر میں ہی آتا تھا اور جب لکھنا چھوڑ دیا تب بھی کچھ اسی طرح کے حالات رہے۔ کبھی کبھار مجھے بھی سب سے پہلے لکھنے کا موقع مل جاتا تھا اور یہی خواہش ہوتی تھی کہ دیکھ لوں جلدی سے کہ میرے نام کوئی پیغام ہے دوستوں کا یا نہیں۔ کون کون مجھے یاد کرتا ہے اور کون نہیں مگر بھئی یہاں تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی اگر تھی بھی تو بہت کم ہاں جنہوں نے مجھے یاد رکھا ان سب دوستوں کی جن میں فرح طاہر' نوشین اقبال' ثمرین حبیب' کرن وفا' سدرہ سحر عمران' نادیہ جہانگیر' سائرہ کرن' ساجدہ کنول' آسیہ عروج فرام نوکوٹ شامل ہیں اور بابا جانی شبیر احمد دل بر صاحب کی بہت بہت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھ نا چیز کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھا۔

۲:۔ آنچل کا کوئی ایسا کردار نہیں بھئی تھوڑا بہت عکس تو ضرور مل جاتا ہے۔ کسی نہ کسی کردار میں مگر اگر مکمل عکس کی بات کی جائے تو بہت ہی ناممکن سی بات ہے۔ میرے مزاج اور شخصیت کے کتنے رنگ ہیں اس بات کا صحیح طرح سے خود مجھے بھی نہیں پتا۔

۳:۔ جی بالکل ہے ایک ایسی کہانی بلکہ ایک نہیں ہے۔ 2,3 کہانیاں ایسی ہیں کہ جو مجھے ابھی تک اچھی طرح سے یاد ہیں مگر افسوس کہ ان کے نام میں بھول گئی ہوں ہاں جو سب سے زیادہ پسند ہے۔ وہ عفت سحر پاشا کا مکمل ناول تھا۔ ''دل دریا سمندر رڈونگھے'' اور ان کی ہی ایک اور تحریر تھی ''پورا دکھ اور آدھا چاند'' بہت زبردست تحریر تھی انہیں میں کبھی نہیں بھول پاؤں گی۔

۴:۔ آنچل کی بہت سی تحریریں ایسی ہیں جن کو میں واقعتاً بار بار پڑھنا چاہتی ہوں۔ ویسے مجھے اس بات کا بہت افسوس ہے کہ جب میں نے آنچل کو باقاعدہ پڑھنا شروع کیا تو بہت سی رائٹرز نے تقریباً لکھنا چھوڑ دیا تھا جن میں سرفہرست آسیہ مرزا ہیں ان کے لکھے ہوئے تقریباً تمام ناولز میرے پاس موجود ہیں۔ ''کچھ مینوں مرن دا شوق وی سی'' اور عفت کی ''محبت دل پہ دستک'' جب یہ ناول اسٹارٹ ہوا تھا اس وقت سے میں نے آنچل لینا شروع کیا تھا اور آج آنچل سے رفاقت کو اتنے سال بیت گئے ہیں میرا ابھی آنچل سے ناتا نہیں ٹوٹا اور نا ہی ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی ٹوٹے گا اس کے علاوہ نئی رائٹرز میں سمیرا شریف طور کی ''جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا'' محبت یقین' اعتماد اور ایک لڑکی پاگل سی اور سب سے اسپیشل ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' ہیں۔ اور ایک بہت اچھی رائٹرز حنا ملک کی تحریر ''میں تیری جوگن'' تھی۔ جو کہ کئی مرتبہ پڑھی ہے۔ سیدہ گل بانو کی ''دھنک رنگ خواہش'' کو بھی کئی بار پڑھ چکی ہوں مگر ہر بار ہی نئی سی لگتی ہے۔

۵:۔ آنچل کے ٹائٹل ویسے تو تقریباً خوب صورت ہی ہوتے ہیں مگر جہاں تک بات ہے خصوصیت کی تو اس کے لیے تو میں آپ سے یہی کہنا چاہوں گی کہ پلیز بیک گراؤنڈ میں اگر کچھ اچھے مناظر ہوں تو پھر کوئی خاص بات لگے گی بھی اب خالی تصویروں میں بھلا کیا خاص بات لگے گی۔ اب مجھے اجازت دیں۔ آپ سب کے لیے اور آنچل کی ترقی کے لیے دعا گو ہوں۔

نبیلہ لیاقت...... سرگودھا

۱:۔ آنچل کھول کے سب سے پہلے یہ دیکھتی ہوں کہ اس شمارے میں کیا کچھ ہے۔ کون کون سے قسط وار ناول موجود ہیں اور کون سا غائب۔

۲:۔ نازی جی کے مکمل ناول ''وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا'' کی ہیروئن ''شافیہ خان'' میں اپنا عکس محسوس ہوا تھا۔

۳:۔ آنچل میں بہت پہلے شائع ہونے والے ''ام

مریم“ کے مکمل ناول ”بس ایک بجن ہرجائی“ کو میں کبھی بھلا نہیں پاؤں گی یہ ناول مجھے تمام جزئیات کے ساتھ ابھی بھی یاد ہے اور ہمیشہ یاد رہے گا۔

۴:۔ نازی جی کا ناول ”وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا“ بار بار پڑھنا چاہتی ہوں اور میری یہ خواہش ہے کہ یہ ناول دوبارہ آنچل میں شائع ہو۔

۵:۔ اگست 2009ء کے شمارے کا سرورق مجھے آج بھی یاد ہے۔ ماڈل نے سفید رنگ کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور بہت پیاری لگ رہی تھی۔ سفید رنگ میرا پسندیدہ رنگ ہے۔ اس لیے مجھے وہ سرورق یاد رہا۔

ساجدہ زید...... ویرو والہ چیمہ

۱:۔ آنچل کھول کر سب سے پہلے اپنا نام اور اپنی بھیجی ہوئی کوئی غزل اشعار وغیرہ سب سے پہلے ”بیاضِ دل“ دیکھتی ہوں۔

۲:۔ ارے اس کے لیے تو میں نے کئی کرداروں یعنی افسانوں میں پڑھا بلکہ کئی افسانے پڑھ ڈالے لیکن عکس تو کہیں نظر نہیں آیا۔ کیونکہ میرے خیال میں ہر شخص کو اللہ نے ایک دوسرے سے مختلف پیدا کیا ہے اور ہر ایک کی اپنی ہی خوبیاں خامیاں ہوتی ہیں۔ بہر حال مجھے تو کسی میں بھی اپنا عکس نہیں نظر آیا۔

۳:۔ شمارہ اگست 2011ء میں ایک افسانہ تھا۔ سندس جبیں کا ”مقامِ عبرت“ وہ میں نے جب بھی پڑھا ہے سیلاب زدگان کی ساری صورتِ حال ان کی مشکلات ان کے پیاروں کا ان سے بچھڑ جانا سب یاد آجاتا ہے اور اس کو میں نہیں بھول پائی ہوں۔ جب ایک شخص کی بیوی جس کو وہ بے پناہ چاہتا تھا۔ سیلاب میں بہہ جاتی ہے اور وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا۔

۴:۔ ہاں جی کئی تحریریں ایسی ہیں جن کو ہم نے بار بار پڑھا ہے لیکن جہاں تک بات دوبارہ شائع ہونے کی ہے میں ایسا نہیں چاہتی کیونکہ انسانی فطرت تغیر و تبدل چاہتی ہے اور ایک چیز کو ہی دوبارہ قبول کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس کی وہ قدر نہیں رہتی۔ کیوں ٹھیک ہے نا!

۵:۔ اگست 2011ء کا ہی سرورق مجھے سب سے زیادہ پسند آیا تھا اور جب بھی پرانے رسالے دیکھتی ہوں سب سے اچھا لگتا ہے۔ اس میں ماڈل نائیلہ رحمٰن بڑے معصوم سے انداز میں اور خوب صورت سفید لباس میں بڑی پیاری لگ رہی تھیں۔

مھناز نجم شھزاد...... سندہ

۱:۔ میں تو سب سے پہلے نئی کہانیوں کے نام پڑھتی ہوں۔

۲:۔ بہت سے ایسے کردار ہوتے ہیں جو حقیقت کے قریب لگتے ہیں یا اریب قریب کے لوگ بھی کسی کہانی کا کردار نظر آتے ہیں۔

۳:۔ ”محبت دل پہ دستک“ ایسی کہانی ہے جسے میں کبھی بھی بھول نہیں سکتی۔

۴:۔ ایک مکمل ناول تھا نام یاد نہیں ہے۔ بس ہیرو اور ہیروئن کا کردار اور ان کے نام یاد ہیں۔ شاہ ذر اور ذیشانہ اور میری گزارش اگر یہ پھر سے شائع ہو۔

۵:۔ عیدالضحیٰ کے موقع پر صائمہ کی دلہن بنی تصویر بہت خوب صورت تھی بہت پیارا سرورق تھا۔

سمیرا انور...... جھنگ

۱:۔ آنچل کے آنے سے نا صرف دماغ بلکہ ہاتھ بھی تیزی سے چلنا شروع ہوجاتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہفتِ اقلیم کی دولت ہاتھ لگ گئی ہو۔ آنچل کھول کر میں سب سے پہلے سروے ”آنچل کے ہمراہ“ میں اپنا نام دیکھتی ہوں۔ اس کے فوراً بعد میں اپنی فیورٹ رائٹرز کے سلسلہ وار ناول دیکھنا شروع کرتی ہوں آپ یقین کریں دل کرتا ہے ایک ہی سیکنڈ میں سارا آنچل پڑھ ڈالیں۔

۲:۔ اقرا صغیر احمد کا سلسلہ وار ناول ”بھیگی پلکوں پر“ میں پارس عرف پری میں اپنا عکس دکھائی دیتا ہے۔ اس کی اداس اور حساس طبیعت میں مجھے اپنا آپ نظر آتا ہے۔

۳:۔ آنچل میں شائع ہونے والے بہت سے ناول ایسے ہیں جو ذہن کے پردوں پر اپنا نقش چھوڑ گئے ہیں لیکن ”جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا“ سمیرا شریف طور کا ایک ناول تھا جسے میں تو کیا کوئی بھی بھول نہیں پایا۔

۴:۔ آنچل میں شائع ہونے والا ایک سلسلہ وار ناول ”محبت دل پہ دستک“ کو میں آنچل میں دوبارہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ عفت آپی اسے دوبارہ لکھیں مگر اس کی موت واقع نہ ہو۔ آپ کو پتا ہے اسی تحریر کی وجہ سے آنچل میری پسندیدگی کی وجہ بنا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے تحریریں جنہیں بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔

۵:۔ آنچل کے سارے سرورق بہت اچھے ہوتے ہیں۔ مگر اگست کے شمارے کا سرورق بہت اچھا ہوتا ہے۔

اقرا مھرین وشال...... عبدالحکیم

۱:۔ آنچل کھول کر میں سب سے پہلے قارئین کے تعارف پڑھنے کے لیے دوڑ لگاتی ہوں کیونکہ مجھے پیارے سے آنچل کی پیاری سی قارئین سے ملنے کا بہت شوق ہے۔

۲:۔ ہائے آپ نے کیسا سوال پوچھ لیا مجھ بچاری سے یار میں تو آج تک اپنے آپ کو پہچان ہی نہیں پائی ہاں سچ آنچل کی کوئی ایسی ہیروئن جسے زیادہ پڑھنے کا شوق ہو اس میں مجھے اپنا کردار نظر آتا ہے۔

۳:۔ ویسے تو آنچل میں شائع ہونے والی تمام کہانیاں میرے ذہن میں ہمیشہ تروتازہ رہتی ہیں مگر ایک ایسی کہانی جو میں کبھی نہیں بھول سکتی وہ سمیرا شریف طور کا ناول ”یہ چاہتیں یہ شدتیں“ ہے۔ یہ ناول میں کبھی نہیں بھلا سکتی۔

۴:۔ آنچل کی تو ہر تحریر بے مثال ہے، میں کس کس تحریر کے بارے میں لکھوں، ویسے محبت دل پہ دستک“ کو میں آنچل میں دوبارہ شائع ہوتے دیکھنا چاہتی ہوں۔

۵:۔ اگست کے سرورق کی ماڈل مجھے اپنی معصومیت کی بنا پر ہمیشہ یاد رہے گی، میں جب بھی اس ماڈل کو دیکھتی ہوں بے ساختہ مسکرا اٹھتی ہوں۔

کومل افضل...... لاھور

۱:۔ سب سے پہلے آنچل کھول کر سرگوشیاں میں قیصر آرا آپا سے ملتی ہوں۔ اس کے بعد فوراً اپنے پسندیدہ ناول ”پتھروں کی پلکوں پر“ دل تو کرتا ہے دونوں ایک دفعہ پڑھوں لیکن کیا کروں ایک چیز ہی پہلے پڑھی جاتی ہے۔

۲:۔ آنچل میں سمیرا شریف طور کے ناول ”یہ چاہتیں یہ شدتیں“ میں نوریا میں مجھے اپنا عکس محسوس ہوتا ہے۔

۳:۔ ویسے تو آنچل کی ہر کہانی یادگار اور نہ بھولنے والی ہوتی ہے۔ لیکن جو ناول مجھے سب سے اچھے لگتے ہیں اور نہ میں انہیں بھول سکی ہوں وہ یہ ہے ”یہ چاہتیں یہ شدتیں، جب وہ پتھر موم ہوا، شہر چارہ گراں، محبت دھنک رنگ اوڑھ کر، دل کے ایوان پر۔“

۴:۔ آنچل میں، میں رائٹرز کے تعارف پڑھنا چاہتی ہوں نازیہ کنول نازی، عشنا کوثر، اقرا جی، سعدیہ اہل سباس گل۔ میں ان کا تعارف نہیں پڑھ سکی اگر یہ چھپ چکے ہیں تو دوبارہ آنچل میں شائع کردیں۔ پلیز تا کہ میں پڑھ سکوں اور ”یادگار لمحے“ میں بہت سی باتیں ہیں۔ جنہیں میں بار بار پڑھنا اور آنچل میں دیکھنا چاہتی ہوں خاص کر دوستی کے عنوان پر۔

۵:۔ آنچل کے سرورق اور یادگار لمحے مجھے یاد رہتا ہے اور اس کے علاوہ غزل اس نے چھیڑی یہ اگر دوبارہ سے آجائے تو مزا دوبالا ہوجائے۔

فرح طاھر قریشی...... ملتان

۱:۔ آنچل کھول کر میں سب سے پہلے دوست کا پیغام آئے دیکھتی ہوں۔

۲:۔ عفت سحر کا سلسلہ وار ناول جو آنچل کا مقبول ترین ناول تھا۔ ”محبت دل پہ دستک“ اس میں ضحیٰ میں کبھی کبھی اپنا عکس محسوس ہوتا تھا۔

۳:۔ سمیرا شریف کا مکمل ناول جو اگست 2007ء میں لگا ”جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا“ یہ ایسی کہانی ہے جسے میں بھول ہی نہیں پائی۔

۴:۔ ایسی تو بہت سی تحریریں ہیں جو آنچل میں پسند آئیں۔ لیکن میں عفت سحر کا ناول ”محبت دل پہ دستک“ ہی بار بار پڑھنا چاہوں گی۔

۵:۔ اس دفعہ جنوری 2012ء کے آنچل کا سرورق پسند آیا۔ سال نو کا یہ پہلا سرورق یاد رہے گا۔

مھر گل...... اورنگی ٹائون

۱:۔ آنچل کھول کر سب سے پہلے تو فہرست اور پھر نظم و غزل کی طرف چھلانگ لگاتے ہیں تا کہ اپنا نام نظر آئے۔ (ہاہاہا) حمد و نعت پڑھتے ہیں اور پھر شیطان کی

عفت قرآن کی روشنی میں سے مستفید ہوتے ہیں اور پھر عفت سحر اور اقرأ صغیر کی تحریروں کی جانب لپکتے ہیں۔ اقرأ جی تو پھر بھی ہمارا خیال کر لیتی ہیں۔ مگر عفت آپی تو طاہر بھائی اور ننھے ریان کو ایسی پیاری ہوئی ہیں کہ نظر ہی نہیں آتیں۔

۲:۔ ہر دل عزیز مصنفہ عفت آپی کا ناول "محبت دل پہ دستک" کی ضحیٰ میر میں مجھے بارہا اپنی شباہت محسوس ہوئی۔ اقرأ آپی کی صبا (صبیرہ) کے روپ میں اپنے آپ کو دوبارہ کالج میں تقاریر کرتے پایا اور تمام یادیں از سر نو تازہ ہو گئیں۔

۳:۔ بہت سی ایسی تحریریں ہیں اب بھلا کس کا ذکر کریں۔ عشنا آپی کی "اے شمع کوئے جاناں" اقرأ آپی کی "سبز رتوں کی جھلمل میں" اور "تیری الفت میں صنم" آسیہ آپی کی "کجھ مینوں مرن دا شوق وی سی" اور اقرأ جی کی شانزل خان آفریدی والی کہانی (اف یہ یادداشت بھی نا! عین موقع پر غوطہ کھا جاتی ہے)۔ مگر سب سے زیادہ جس کہانی نے مجھے متاثر کیا اور آنچل کا باقاعدہ قاری بنایا وہ تھی "وہ سکندر ہے" یہ تمام تحریریں اور اس کے علاوہ بھی بے شمار تحریریں جنہوں نے آنچل کے معیار کو بلند کیا۔ ہمارے دل پر انمٹ نقوش کی مانند ثبت ہیں اور میری آپی سمیرا شریف طور کی "جیسے دھج سے کوئی مقتل کو چلا" کو پڑھ پڑھ کر بار بار روتی ہیں انہیں وہ بہت پسند ہے۔

۴:۔ اوپر ذکر کی ہوئی تمام تحریریں دوبارہ پڑھنا چاہتے ہیں مگر مکمل صورت میں (اور یہ کچھ پڑھ بھی چکے ہیں) ایک تحریر تھی جس میں بلوچ خان سے منسلک کہانی تھی اور ہیروئن کو ایک خواب ستاتا تھا غالباً "دھڑکن" اور اسے ادھورا چھوڑ کر بند کر دیا گیا تھا۔ بار بار دل میں تجسس جاگتا ہے کہ پتا نہیں اس کا انجام کیا ہوتا ہو سکے تو پلیز اسے مکمل شائع کروا دیں۔

۵:۔ جنوری 2012ء کے سرورق سمیت ہر وہ سرورق جس میں ماڈل سر پر آنچل رکھے نظر آئے کہ یہ نا صرف ماہنامے کا تقاضا ہے بلکہ مشرق کی روایت بھی ہے آج کل ہر لڑکی خود کو ماڈل اور ہیروئن تصور کرتی ہے اگر یہ ماڈلز گلے میں رسی کی طرح دوپٹا لٹکانے کے بجائے آنچل سے سر ڈھانپیں تو لامحالہ یہ روایت دوبارہ عام ہو جائے گی۔

سحر...... گوجرانوالہ

۱:۔ ویسے تو سارا آنچل ہی اتنا زبردست ہوتا ہے کہ دل کرتا ہے کہ ایک دم سارا دیکھ لوں۔ مگر سب سے پہلے "دوست کا پیغام آئے" کھولتی ہوں کہ ایک آس ہوتی ہے شاید کہ جس کے خط کا مجھے برسوں سے انتظار ہے وہ بھی شامل ہے کہ نہیں۔ یہ سلسلہ بہت شاندار ہے اپنوں سے جڑے رہنے کا سب سے اچھا ذریعہ ہے۔

۲:۔ ابھی تک ایسا نہیں ہوا کہ مجھے کسی کردار میں اپنا آپ محسوس ہو۔

۳:۔ یوں تو بہت سی کہانیاں ہیں جن کو میں نہیں بھول سکتی۔ مگر سب سے پسندیدہ کہانی "بہاروں کے سنگ سنگ" اقرأ صغیر احمد کی جو میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ ویل ڈن اقرأ جی۔

۴:۔ آنچل کی ہر تحریر میں نے دو دو بار پڑھی ہے۔ مگر سب سے زیادہ جس تحریر کو میں نے پڑھا "بہاروں کے سنگ سنگ" اور "محبت دل پہ دستک" ہے۔

۵:۔ مجھے آنچل کا کوئی ایک سرورق نہیں بلکہ پورا آنچل اپنی خصوصیات کی بنا پر مدتوں یاد رہتا ہے۔ آنچل بہت ہی سپر رسالہ ہے۔ اس کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔

صنم ناز...... گوجرانوالہ

۱:۔ سچ بتاؤں تو میں سب سے پہلے آنچل میں اپنا نام دیکھتی ہوں کہ کس سلسلے میں میرا نام شائع ہوا ہے اور جب اپنا نام آنچل کے صفحات پر چمکتا دمکتا دیکھتی ہوں تو ہونٹوں پر بڑی پیاری سی مسکان آ جاتی ہے اور پھر سارے گھر والوں کو دکھاتی ہوں مستقبل کی عظیم رائٹر کا نام (آہم)۔

۲:۔ "محبت دل پہ دستک" کے ناول کے کردار "ضحیٰ" اس کردار میں مجھے اپنا عکس تھوڑا سا محسوس ہوا وہی غصہ وہی پیار ویسے بھی مجھے ضحیٰ نام بہت پسند ہے۔

۳:۔ ایک نہیں کافی زیادہ ہیں سمجھ نہیں آ رہی کس کس کا نام لکھوں "یہ چاہتیں یہ شدتیں"، "محبت دل پہ دستک"، "دشت آرزو"، "پتھروں کی پلکوں پر" یہ تمام دل میں بھول نہیں پائی ان تمام ناولز نے آنچل کو چار چاند لگا دیے ہیں۔

۴:۔ "محبت دل پہ دستک" اس کہانی کو میں دوبارہ آنچل کے صفحات پر دیکھنا چاہتی ہوں۔ "مسافر لوٹ آئے ہیں" میری پسندیدہ رائٹر کا ناول اسے بھی میں آنچل میں دوبارہ دیکھنا چاہتی ہوں۔

۵:۔ جی بالکل جناب! چونکہ ہمارا اپنا پارلر ہے تو ہم نے صبح ایک دلہن تیار کرنی تھی اسی صبح مجھے اخبار والے آنچل دے کر گئے۔ دلہن کا میک اپ تھا سرورق پر دلہن کا آنکھوں کا میک اپ پسند آیا اور ہم نے وہی میک اپ شیڈز استعمال کیے اپنی دلہن کے لیے اس طرح ہمارے لیے یادگار رہے۔

کرن وفا

۱:۔ آنچل آتے ہی میں سب سے پہلے دوست کے نام پیغام پڑھتی ہوں۔

۲:۔ مجھے تو ابھی تک ایسا کوئی کردار نہیں محسوس ہوا جو مجھ سے ملتا جلتا ہو لیکن میری چاہت فرح کہتی ہے پچھلے مہینوں صائمہ قریشی کے ایک ناول میں ہیروئن کا نام بھی وفا تھا اور وہ کچھ کچھ نہیں بہت زیادہ مجھ سے ملتی تھی (ہاہاہاہا)۔

۳:۔ بہت سی کہانیاں ہیں ایسی لیکن سوری اس وقت کوئی یاد نہیں آ رہی۔

۴:۔ عفت سحر کا ناول "محبت دل پہ دستک" پڑھنا چاہوں گی۔

۵:۔ عید نمبر کا سرورق بہت خوب صورت تھا وہ یاد رہے گا۔

نامعلوم...... نامعلوم

۱:۔ میں آنچل کھول کر سب سے پہلے کہانیوں کے عنوان دیکھتی ہوں۔ پھر سیدھی "پتھروں کی پلکوں پر" آ جاتی ہوں۔ لیکن اس مرتبہ سب سے پہلے اپنا نام دیکھوں گی اگر آپ نے خط شائع کر دیا تو......!

۲:۔ ہائے کیا سوال پوچھ لیا! بالکل جی ایک کردار ہے جس میں مجھے اپنا عکس محسوس ہوتا ہے اور وہ کردار کہانی "محبت روگ ہوتی ہے" میں نیہا کا ہے۔ میں بھی بالکل ویسی ہی ہوں۔

۳:۔ جی ہاں بالکل! آنچل میں ایک کہانی شائع ہوئی تھی اور وہ کہانی تازیہ کنول نازی کی "اے محبت تیری خاطر" تھی۔ اس کہانی کو میں نہ بھول پائی ہوں اور نہ بھول پاؤں گی۔

۴:۔ آنچل ہی میں ایک کہانی شائع ہوئی تھی۔ "یوں آزمانا اچھا نہیں" یہ کہانی مجھے بہت پسند ہے اور اسے بار بار پڑھنا چاہوں گی اور چاہتی ہوں کہ آنچل میں دوبارہ شائع ہو۔

۵:۔ اس وقت کوئی خاص سرورق ذہن میں نہیں آ رہا۔ دسمبر 2011ء کا بھی اچھا تھا۔

شمع مسکان...... جام پور

۱:۔ واقعی سچ لکھوں! آنچل کھولتے ہی سب سے پہلے ہمارا آنچل میں اپنا نام روشن چمکتا ہوا دیکھنے کی خواہاں ہوتی ہوں مگر افسوس صد افسوس، یہ خواہش صرف خواہش ہی رہتی ہے۔ ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔

۲:۔ جی سمیرا شریف طور کا ناول "یہ چاہتیں یہ شدتیں" میں زرش کے کردار میں مجھے اپنی جھلک نظر آتی ہے۔ میں بھی تھوڑی جذباتی اور شدت پسند ہوں۔ جس رشتے سے بھی محبت کرتی ہوں تو تمام تر خلوص کے ساتھ اس کی ذرا سی بے اعتنائی اور بے رخی سے جان پر بن جاتی ہے۔

۳:۔ آنچل کی تقریباً ہر کہانی ہی ناقابلِ فراموش ہوتی ہے۔ لیکن کچھ کہانیوں کے نقوش اتنے گہرے اور انمٹ ہوتے ہیں کہ کوشش کے باوجود ذہن سے محو نہیں ہوتے۔ ایسے ہی ایک تحریر سعدیہ امل کاشف کی "شہر چارہ گراں" ہے۔ جس میں لائبہ، سبط اور صبا کے اردگرد گھومتی کہانی نے بہت متاثر کیا۔ تجل اور عدنان کی کہانی بھی متاثر کن تھی۔

۴:۔ ارے بھئی ہماری من پسند تحریر "یہ چاہتیں یہ شدتیں" جس نے ہمیں قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔ ہمارے خیالات و احساسات کو لفظوں کے موتیوں میں پرونے کی طاقت بخشی۔ سمیرا جی نے اس تحریر میں ایسے پر اثر اور دلوں کو چھو لینے والے الفاظ صفحہ قرطاس پر بکھیرے کہ بار بار پڑھنے کو دل مچلے۔ ہر بار پڑھنے پر پہلی بار پڑھنے کا سا تاثر قائم رہے۔ اسی تحریر کو دل ایک بار پھر

آنچل میں چمکتا و روشن دیکھنے کا متمنی ہے۔ واہ ایسا ہوجائے تو کیابات ہے۔

۵:۔نہیں ایسا تو کوئی خاص سرورق نہیں ہے۔بس سب اچھے ہی ہوتے ہیں۔ ہاں ایک سرورق ذہن کی اسکرین پرابھرکرسامنے آیا ہے وہ ہے ستمبر 2007 کا شمارہ جس کے سرورق پر براجمان ماڈل ریڈ اینڈ گولڈ کلر کے لباس میں ملبوس گولڈن کلر کا نیٹ کا دوپٹا سر پہ جمائے بہت خوب صورت لگ رہی تھیں جو چیزیں ذہن میں نقش ہیں وہ ہیں اس کی بڑی بڑی بلوریں آنکھیں سو یہی سرورق سب سے منفرد لگا ہے۔

رابعہ اکرم...... فیصل آباد

ا:۔آنچ کھول کرسب سے پہلے میں دوست کا پیغام آئے پڑھتی ہوں۔ ہاں اگرکوئی کہانی وغیرہ ہوجس کا انتظارسا ۱۵ ماہ کیا ہوتو پھر تو میں اس کہانی پر ہی جا کر سانس لیتی ہوں اوران سب سے پہلے حدیث یا جو بھی قرآنی آیات شائع ہوئی ہوں وہ پڑھتی ہوں۔

۲:۔آج کل جوناول جارہا ہے ''بھیگی پلکوں پر'' اس میں جو پری کا کردار ہے اس میں کچھ کچھ مجھے اپنا عکس نظرآتا ہے۔

۳:۔ نازی کی ''جب وہ پتھر موم ہوا'' کیا کہانی تھی۔کس طرح تعریف کروں نازی کی میں یہ کہانی پڑھ کربہت روئی۔بس جی ذرا احساس دل کی مالک ہوں۔

۴:۔ وہ ہی ناول کی ''جب وہ پتھر موم ہوا'' اور ''دشت آرزو'' ان دونوں کو میں آنچل میں دوبارہ دیکھنا چاہوں گی اور بار بار پڑھنا بھی اور ہاں ''گھر ہونے تک'' یہ کہانی بھی۔

۵:۔ہاں جی آپ کے سوال پر چار پانچ سال پیچھے جا کر دیکھا تو میرے خیال میں چارسال پہلے 2007 کا جنوری کا آنچل کا سرورق جس میں ماڈل نے سرخ رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے یاد ہے مجھے' یہ میری آنچل سے پہلی ملاقات تھی۔

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

ا:۔ بھاگ دوڑ میں سب سے پہلے میں آنچل میں اپنا نام ڈھونڈتی ہوں کہ کتنی دفعہ میرا نام آیا ہے۔ پھر فیورٹ ناول کی طرف دوڑ لگادیتی ہوں۔

۲:۔نہیں'جی !ایسا کوئی کردار نہیں ہے جس میں مجھے اپنا عکس محسوس ہو۔

۳:۔ ایک کہانی تو نہیں کہہ سکتی البتہ کہانیوں کے کرداروں کے نام یاد رہ گئے ہیں۔ ایک افسانہ تھا ''تم ملیں چاندنی مل گئی'' میں کردار رانیہ' مامون بہت پسند ہے اور ایک اور افسانہ تھا جس کے کردار تزین رضا' اعیان مصطفیٰ تھے۔ دیکھ لیں لکھنے بیٹھی ہوں تو کتنے کردار آرہے ہیں' اگر کہانیوں کے نام لکھنے بیٹھے تو سارے آنچل الٹ پلٹ کے نام ڈھونڈنے پڑیں گے۔

۴:۔ میں سمیرا شریف طور کا ناول ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' آپ کو ایک بات بتاؤں سمیرا شریف طور کے اسی ناول نے مجھے آنچل خریدنے اور پڑھنے پر مجبور کیا ہے اور میں بار بار اس ناول کو پڑھنا چاہتی ہوں۔

۵:۔کوئی ایک تو نہیں بہت سارے ایسے سرورق ہیں جو مجھے یاد رہ گئے۔آنچل میں ہمیشہ کی طرح مکمل اچھا لگتا ہے۔ہم پہلے ورق کے لفظ سے لے کرآخری ورق کے لفظ تک بہت پیار اور محبت سے پڑھتے ہیں اور آنچل کو سنبھال سنبھال کے رکھتے ہیں جب تک اگلے ماہ کا پرچہ نہ آجائے پچھلے کو پڑھ پڑھ کے گزارا کرتے ہیں۔

(ہمارے پیار کا اندازہ ہوگیا)

عروسہ شہوار

ا:۔ ہم سب سے پہلے اس صفحے کو دیکھتے ہیں جس کے لیے ہم نے کوئی تحریر کوئی شاعری' کوئی خط' کوئی اقتباس' کوئی مراسلۂ کوئی یادگار واقعہ لکھ کر پوسٹ کیا ہوتا ہے۔ اپنا نام دکھائی دے گیا تو سکون ہی سکون اطمینان ہی اطمینان۔ کیوں نہیں خوش تو ہوتے ہیں کہ آنچل نے اپنے آنچل کی ٹھنڈی میٹھی چھایا بخشی ہمارا مان بڑھایا اور مسکراتے' گنگناتے' جگمگاتے' لہراتے ہمیں اپنی بانہوں میں سمیٹا۔ شکریہ آنچل جگ جگ جیو ہزاروں سال۔آمین

۲:۔ سچ پوچھیے تو آنچل میں شامل ہر ہر افسانے پر ایک ناولٹ ہر ایک کردار میں کہیں نہ کہیں ہمیں اپنا عکس جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ کبھی اچھائی میں کبھی برائی میں کبھی کبھی [illegible] کبھی کسی خوبی میں کبھی کوئی فیصلہ کرتے ہوئے تو کبھی فرمانبرداری میں سر جھکاتے ہوئے کبھی [illegible] دکھاتے ہوئے کبھی ضد کرتے ہوئے کبھی روٹھتے [illegible] کبھی ہنستے کبھی روتے کبھی کمزور کا ساتھ دیتے تو کبھی کسی کو رعب دکھاتے کبھی قرض چکاتے تو کبھی انصاف بانٹتے۔ ہاں بس ہر حال ہر صورت کردار کی حرمت کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔

۳:۔ 2006ء میں ماہ دسمبر کے آنچل میں ناولٹ [illegible] الفاظ کا چناؤ تحریر پر مکمل گرفت [illegible] کا یہ ناولٹ ابھی تک میرے [illegible] یاد رہے گا۔ اللہ سے دعا [illegible] خوشیوں بھرا ہو۔ آمین

۴:۔ [illegible] آنچل کا بل ہو گیس کا یا پھر بازار سے سودا سلف لانے والی لسٹ ہو بازار سے آئی چیز والا لفافہ ہو یا پھر اخبار کے ٹکڑے میں لپٹا نان والا اخبار ہو اور یہ تو بات ہو رہی ہے آنچل پیارے آنچل کی تو جناب 2011ء ماہِ ستمبر عید نمبر میں ایک تحریر شامل تھی ناولٹ کی صورت اور ناولٹ کا نام تھا ''خواہش نا تمام'' مصنفہ تھیں ''حمیرا نگاہ'' واہ حمیرا جی! آپ نے اتنا خوب صورت ناولٹ لکھ کر ہمارا تو دل موہ لیا۔ سچ جتنی بار پڑھتی ہوں جب جب پڑھتی ہوں تب تب ہر بار نیا لگتا ہے۔ جب ذرا فرصت ملتی ہے یا کبھی کاموں سے جی اچاٹ ہوجاتا ہے تو ''خواہش نا تمام پڑھتی ہوں۔ بس میں تو یہی ناولٹ بار بار پڑھنا چاہتی ہوں۔

۵:۔آنچل تیری کیا تعریف کروں تیری ہر ایک تحریر قابلِ تعریف ہے۔ ہر ماہ کا ہر ایک سرورق خوب صورتی لیے ہوئے ہے۔اب کس کس کی بات کی جائے۔اب یہ دیکھیے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ماہِ نومبر 2010ء کا آنچل میرون لباس میں سجی سنوری خوب صورت معصوم سی دلہن مسکراتی کتنی حسین لگ رہی ہے اور یہ دیکھیں کتنا منفرد کتنی خصوصیت کا حامل ماہِ ستمبر 2011ء کا عید نمبر جو اپنی بہار دکھا رہا ہے۔ کتنی خوشبو' محبت' بھائی چارہ' روشنی امید اور خوشی کا پیغام دے رہا ہے۔ پیارے آنچل تادم مرگ رہے ساتھ تیرا' تیری گھنی چھاؤں میں گزریں ماہ وسال میرے تو ہی میرے دل میں بسا ہے۔ تیرا رنگ مجھ پر چڑھا ہے۔تو میری تمنا تو میرا رنگ خیال ہے۔

آنچل کے ہمراہ

بھولے ہوئے لوگوں کو صدا دے اے دل
تیری آواز پہ شاید کوئی مڑ کے دیکھے

۱) گزشتہ سال میں کوئی دوست جو اچانک بچھڑ گئی ہو اور آپ آنچل کے توسط سے اُسے صدا دینا چاہتی ہوں؟

۲) گزرے سال کا کوئی لمحہ جو یادگار بن کر دل کے دریچے میں اٹک گیا ہو؟

۳) سال 2011ء میں کیا کھویا' کیا پایا؟

۴) آنے والے سال میں آپ کا سب سے پہلا خواب؟

۵) اگر نئے سال میں آنچل کی کسی رائٹر سے ملنا چاہیں تو کس رائٹر سے ملنا پسند کریں گی اور انہیں کیا مشورہ دیں گی؟

آپ ان سوالات کے جوابات 08 فروری تک بذریعہ ڈاک یا ای میل ارسال کرسکتی ہیں۔

قائم گنج کا پٹھان

فرحت آرا

کس طرح گزری جدائی اور سفر کیسا لگا
اتنی مدت بعد آئے ہو تو گھر کیسا لگا
خواہشوں کا اور جذبوں کا اثر کیسا تھا
سچ بتاؤ خود کو تنہا جان کر کیسا لگا

قارئین کرام! افسانہ نمبر کے لیے یہ بہت ہی خصوصی تحریر آپ کے لیے پیش کی جارہی ہیں۔ یہ افسانہ بہن فرحت آرا (مرحومہ سابق مدیرہ آنچل) نے ۱۸ مئی ۱۹۸۹ء میں تحریر کیا تھا۔ جو ہمیں ان کے سامان سے ملا ہے افسانہ نمبر میں ان کے پرستاروں کو ہم یہ انمول تحفۂ خاص پہنچارہے ہیں۔ (مدیرہ)

ڈھولک کی تھاپ پر کنواری' بالی لڑکیوں کے گانے کی سریلی آوازیں دور' دور تک نشر ہورہی تھیں۔

وہ بڑی بوڑھیاں' جو ذرا سا دوپٹا ڈھلک جائے تو نظروں ہی نظروں میں کھانے لگتی ہیں' ہنسی کی آواز اونچی ہوجائے تو قہر آلود نظریں آگ برساتی دکھائی دیتیں' ڈیوڑھی کے باہر تک آواز کا پہنچنا گویا کہ کنوار پن کو ٹھیس پہنچانا تھا۔ اس وقت کانوں میں رس گھولے بیٹھی رہتی ہیں۔ جب' جوان جہاں کنواری لڑکیاں شادی کے موقعوں پر ڈھولک پے بیٹھ کے حلق پھاڑ' پھاڑ کر سہاگ کے گیت گاتی ہیں۔ اس وقت انہیں یہ خیال نہیں آتا کہ جوان لڑکیاں کیا گا رہی ہیں؟ اوران کی فطرت کی پکار کہاں کہاں تک پہنچ رہی ہے اوران بوڑھی' پوپلی عورتوں سے کیا فریاد کر رہی ہیں؟

آج بھی خاندان کی بڑی بوڑھیاں کانوں میں تیل ڈالے' لڑکیوں کے ساتھ مل کر سہاگ کے گیت گارہی تھیں۔

یہ حیدر آبادی عورتیں بھی خوب ہوتی ہیں۔ ایک کام میں لگادو تو دوسرے سے بے خبر' کسی تفریح یا کھیل تماشے میں لگ جائیں تو گھر بار شوہر بچوں سے بے نیاز۔

برات آنے ہی والی تھی۔ بھاری' بھاری ساڑھیوں اور پھائے برابر بلاوز میں ملبوس موٹے' موٹے بھدے زیورات سے لدی' پھندی عورتیں اِدھر اُدھر ڈولتی پھر رہی تھی۔

اچانک ہی غلغلہ اٹھا۔ ''برات آگئی......

"برات آ گئی۔"

لڑکیوں نے ڈھولک ایک طرف لڑھکائی اور بھرمار کے برات دیکھنے دوڑ گئیں۔ جوان عورتیں بھی ان کے پیچھے پیچھے لپکیں۔ بھلا بوڑھی خواتین کو کون روک سکتا تھا۔ بڑھاپے میں تو بس بچوں کی شادیاں کرنا ہی ان کا شغل رہ جاتا ہے۔

بوڑھی، جوان، بالیاں سب ہی دولہا کو ایک نظر دیکھنے کے لیے ایک دوسرے پر لدی پڑی تھیں۔ دولہا کو ایک نظر دیکھنے کی خواہش ہر عمر کی عورت میں موجود ہوتی ہے۔

شادی کی رسمیں شروع ہو چکی تھیں حیدر آباد میں دو ہی چیزوں کی بھرمار تھی۔ ایک نظام دکن کے ہیرے جواہرات اور دوسری عوام کی رسومات۔ اس کے سوا اس بنجر پتھریلے علاقے میں جنوبی پلیٹو کے درمیان رکھا ہی کیا ہے۔

ہاں تو رسمیں شروع ہو چکی تھیں۔ ان رسموں کی ادائیگی کے لیے منٹوں نہیں، گھنٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

پندرہ دن سے کونے میں بیٹھے بیٹھے دلہن بے چاری کے پیر جڑ سے گئے تھے۔ ہلدی ملا ابٹن اتنا رگڑا گیا تھا کہ خزاں رسید پتے کی طرح چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ کھانا پینا تو مارے شرم و حیا کے چھوٹ ہی گیا تھا۔ صرف دودھ جلیبیوں پر گزارہ ہو رہا تھا کہ نکاح کے وقت کپکپاتی نظر آئے اور لوگ سمجھیں کہ دلہن پر شیریں چڑھ رہی ہے۔

دولہا کے آ جانے سے دولہن کی اہمیت گھٹ کر صفر برابر رہ گئی تھی۔ سب عورتیں اسے تنہا چھوڑ کر اس کے دولہا کو دیکھنے چلی گئی تھیں۔

دلہن نے جب سے سنا تھا کہ برات آ گئی اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے تھے اور کان گرم ہو کر لو دینے لگے تھے۔ دل کی دھڑکن اتنی بڑھی کہ پورا وجود لرزنے لگا۔ خوف و شوق کی اس ملی جلی کیفیت کو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا بھی ضروری تھا ورنہ بے شرمی کا ٹھپا لگنے میں دیر نہ ہوتی۔

اچانک دلہن کی بہن دوڑی، دوڑی آئی اور دلہن سے لپٹ گئی۔

"ہائے آپاں! میں اُنوں کو دیکھ لیے دولہا پاشا تو بڑے اچ خوب صورت ہیں بول کے......!"

دلہن بے چاری نے گردن اور نیچی کر لی۔ مگر بہن کے ایک ہی جملے نے بند آنکھوں میں اجالے بھر دیے۔ وہ چاہتی تھی کہ بہن، دولہا کے بارے میں کچھ اور کہے مگر وہ ایک ہی جملہ سنا کر جس تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

دلہن، دولہا کی خوب صورتی کا سن کر کچھ پریشان سی ہو گئی تھی۔ وہ سانولی، سلونی جنوبی ہندوستان کے نقوش سمیٹے بیٹھی تھی۔ جانے دولہا کو پسند آئے کہ نہیں جب کہ دولہا غیر حیدر آبادی بھی تھا۔ نہ جانے کس مزاج کا شخص ہو۔ اپنے یہاں کے مرد تو بس اللہ میاں کی گائے تھے۔ عورتوں نے بچہ ان کی بغل میں دبا دیا تو گھنٹوں اسے ہاتھ پہ بیڑ کی طرح رکھے گھومتے رہتے۔

بیسیوں اندیشے سانپ بن کر دماغ میں سر سرانے لگے تھے۔

بالآخر رخصتی کا رقت آمیز وقت بھی آ پہنچا تو اپنوں کی آنکھوں میں آنسو اور پرایوں کی نظروں میں شوق ابھر آیا۔

دلہن ماں، باپ اور پانچ عدد بھائیوں کی دعائیں اور اچھی یادیں سمیٹے نئی منزل کو چل دی۔

❁ ❁ ❁

خان صاحب نام کے ہی نہیں مزاج کے بھی خان صاحب تھے اور اعمال کے اعتبار سے تو خان صاحبی ان کے گھر کی لونڈی تھی۔ گھر کی اس لونڈی سے انہوں نے وہ، وہ کام لیے کہ بے چاری مر، مر گئی۔

خان صاحب خود کو ڈال کا ٹوٹا پٹھان کہتے تھے اور یہ سچ بھی تھا۔

کہتے ہیں خان صاحب قائم گنج سے چلے تو حیدر آباد دکن آ کر رک گئے تھے۔

اصل میں بات یہ تھی کہ بسلسلۂ ملازمت، قائم گنج سے ترک وطن کر کے حیدر آباد دکن میں آباد ہو گئے تھے۔ نظام دکن اور انگریزوں کی مشترکہ حکومت کا زمانہ تھا۔ دکن کی ریاست مرکز علم ادب ہی نہیں مرکز بے روزگاراں بھی بنی ہوئی تھی۔ ملک کے مختلف علاقوں سے لوگ آ آ کر نظام دکن کے جبے میں پناہ لے رہے تھے۔ زیادہ تر وہی با کمال لوگ آ رہے تھے جو انگریزوں کی تحویل میں اپنا علم وادب اور کمال وفن دینا نہیں چاہتے تھے۔

ہاں تو ہوا یہ کہ خان صاحب، حیدر آباد دکن آ کر پولیس میں ملازم ہو گئے۔ چونکہ تھانے دار بھرتی ہوئے تھے اس لیے حکومت کی خو، بو نے ابتدا ہی سے دماغ میں قدم جمانا شروع کر دیے۔

اس زمانے میں، آدھی ریاست کا مالک تو کوتوال ہوتا تھا، باقی کی بچی آدھی ریاست تو پاؤ حصہ والی ریاست کا اور پاؤ حصہ تھانے دار صاحب کا۔

خان صاحب تو یوں بھی پٹھانی مزاج کے آدمی تھے اور اوپر سے اتنی بڑی اسٹیٹ کی تھانے داری ملی تو آپے سے باہر ہو گئے۔

بظاہر خان صاحب لمبے، تڑنگے آدمی نہیں بلکہ انہیں متوسط قامت کہا جا سکتا تھا۔ کاٹھ، کاٹھی بڑی مضبوط پائی تھی۔ پوری شخصیت پر ان کی پاٹ دار آواز بھاری تھی۔ جس وقت ملزموں پر گرجتے تو کمزور دل ملزم تو صرف ان کی گرج سے ہی لرز کر اقرار جرم کر لیتے۔ تھرڈ ڈگری تو شاذ و نادر ہی آزمانے کی ضرورت پڑتی تھی۔

خان صاحب کی سرخ و سپید رنگت، بڑی بڑی ذہین آنکھیں اور سر بڑا تھا۔ یقیناً اندر بھیجا بھی بڑا ہو گا۔ جاڑوں میں گرم شیروانی، گرمیوں میں ٹھنڈی، علی گڑھ کا پاجاما، پمپ شوز، کھلا سر۔ جدید رجحانات کے منکر، قدیم روایتوں کے امین۔

خان صاحب بڑے اچھے خاندان کے فرد تھے۔ ان کو اپنی خاندانی نجابت پر بجا طور پر فخر تھا۔ انہوں نے خود بھی زندگی بھر خاندانی روایتوں کا بھرم رکھنے کی کوشش کی اور بقیہ رشتہ داروں سے بھی اسی کے خواہاں تھے۔ مگر اس دل کو کیا کریں جو بڑا امن چلا واقع ہوا تھا۔

سچے، کھرے اور با اصول آدمی تھے۔ خاص طور پر پیسے کے معاملے میں بہت با اصول آدمی تھے۔ قرض نہ دینے، نہ لینے میں بہت پکے اصول پرست تھے۔ تھانے داری کے ذریعے رشوت لینا بھی ان کے اصول کے خلاف تھا۔ جب تک تھانے دار رہے اپنا یہ اصول نہ توڑا۔

خان صاحب کی والدہ ماجدہ چونکہ انہی کی والدہ تھیں لہٰذا تنک مزاجی میں ان سے بھی چار ہاتھ آگے تھیں۔ ان کے سامنے خان صاحب کی

خان صاحبی بھی دم توڑ جایا کرتی۔

خان صاحب کی والدہ نے ان کے ترک وطن کرنے کی پاداش میں ان کی بیوی روک لی۔ جو کہ ان کی پھپھیری بھی تھیں۔ خان صاحب نے بہت زور لگایا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ ہی لے جائیں مگر ان کی والدہ نے یہ کہہ کر صاف انکار کردیا کہ وہ اپنی بہو کو پردیس نہیں بھیج سکتیں۔ یہ ان کے خاندانی وقار کے منافی ہے۔ آج تک ان کے خاندان کی کوئی بہو پردیس نہیں گئی۔

خان صاحب ماں کے آگے مجبور ہوگئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اپنی ماں کی نہ کو ہاں میں تبدیل کرنا ان کے بس کی بات نہیں۔

خان صاحب حیدر آباد آگئے۔ تھانے کے اندر سرکاری مکان ملا ہوا تھا۔ اسی میں تنہا رہنے لگے۔ سال پیچھے ماں اور بیوی سے ملنے جاتے۔ ماں کی دعائیں اور بیوی کی گود ہری کر کے واپس چلے آتے۔

تین سال تک ان کا یہی ورد رہا اور تین بار وہ بیوی کی گود ہری کر کے آگئے۔

موسم بدلتے رہے' رات و دن کا چکر چلتا رہا۔ اندھیری راتیں ان کو ڈستی رہیں اور پٹھانی خون رگوں میں کھولتا رہا۔ کہاں تک برداشت کرتے؟ آخر ان کا تھانے داری دماغ چٹخنے لگا۔ کچھ غیظ و غضب کچھ حیدر آبادی دوستوں کا مشورہ دوسری شادی کرنے کا فیصلہ کر بیٹھے۔

حیدر آباد کے ایک معزز گھرانے میں دوستوں نے پیام وسلام کا سلسلہ شروع کردیا اور پھر خان صاحب ایک دن اپنے دوستوں کے جھرمٹ اور ماتحت سپاہیوں کی جاں نثاری کی بدولت نئی دلہن بیاہ لائے۔

نئی دلہن کے دلہا کو جس نے دیکھا اس کی قسمت پر رشک کیا۔ دلہا طرح دار' تھانے دار اور خاندانی تھا۔ اس کی شان ہی نرالی تھی۔

خان صاحب نے جب دلہن کا گھونگٹ الٹا تو وہاں ایک دکنی نقوش کی سانولی سی سیدھی' سادھی لڑکی نظر آئی۔ خان صاحب کو وہ پسند آئی یا نہیں؟ گو دلہن کو یہ سرخ و سپید دلہا اتنا بھایا کہ اسی وقت زندگی بھر نثار ہوتے رہنے کا دل ہی دل میں عہد کر ڈالا۔

خان صاحب کو عورتوں کی خوب صورتی سے نہیں' خدمت گزاری سے پیار تھا۔ نئی نویلی دلہن نے کچھ ایسے والہانہ انداز میں ان کی خدمت شروع کی کہ خان صاحب نے اپنی والدہ کو لکھ بھیجا کہ اب آپ اپنی خاندانی بہو کو اپنے پاس سینت کر رکھیں۔ مجھے ضرورت نہیں' میں نے دوسری شادی کرلی ہے۔

ان کی والدہ نے غضب ناک ہو کر انہیں جواب میں لکھ بھیجا اب قائم گنج آنے کی ضرورت نہیں۔ خان صاحب کی پہلی بیوی بھی انہی کے خاندان کی تھیں اور پوری پکی پٹھانی بھی۔ لہٰذا انہوں نے بھی ساس کے نقش قدم پر قدم جماتے ہوئے شوہر کو لکھ دیا کہ آج سے میرا اور آپ کا واسطہ ختم۔

خان صاحب والدہ' اور بیوی سے نجات پا کے اپنی نئی نویلی دلہن کی والہانہ خدمتوں سے لطف اندوز ہونے لگے۔ دوسری بیوی بے چاری اللہ میاں کی گائے ثابت ہوئی۔ پہلے تو وہ ان سے بے حد محبت کرتیں۔ دوسرے پہلی بیوی کا دھڑکا تیسرے خان صاحب کا پل پل بگڑتا مزاج

سہم سہم کر زندگی گزار رہی تھیں۔

اسی طرح دس سال گزر گئے۔ نہ تو خان صاحب ہی قائم گنج گئے اور نہ ادھر سے بیوی یا ماں نے خیر خبر لی۔

اچانک ایک دن خان صاحب کو ایک لفافہ موصول ہوا۔ لفافہ قائم گنج سے آیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک تو بے یقینی سے اس لفافے کو تکتے رہے پھر عجلت کے ساتھ لفافہ چاک کر ڈالا۔ ان کی والدہ کا خط تھا۔ لکھا تھا کہ اب میرا آخری وقت ہے۔ اپنی امانتیں مجھ سے وصول کرلو۔

خان صاحب خط پڑھ کر کچھ دیر تلک گم صم بیٹھے رہے۔ پھر اچانک نظروں کے سامنے ماں' بیوی کے چہرے گھوم گئے۔ ان چہروں کے درمیان تین معصوم چہرے اور بھی شامل ہوگئے۔ خان صاحب گویا کہ خواب سے بیدار ہوگئے۔ اچانک رشتا جڑتا ہوا محسوس ہوا جو دس سال سے ٹوٹا ہوا تھا۔ انہیں اپنی کوتاہیوں اور زیادتیوں کا خیال آنے لگا۔

خان صاحب نے فوراً قائم گنج پہنچنے کا فیصلہ کیا۔ اب انہیں کوئی طاقت وہاں جانے سے نہیں روک سکتی تھی۔ جس ہستی نے قائم گنج نہ آنے کا حکم دیا تھا اسی ہستی نے اب حاضر ہونے کا پروانہ بھیجا تھا۔

خان صاحب نے اپنی چھوٹی دلہن سے صورت حال بیان کی تو ان کی آنکھوں میں تشویش کے سائے ابھرنے لگے۔ وہ تو اب تک بڑے مزے سے زندگی گزارتی رہی تھیں۔ اچانک یہ جمود کیسے ٹوٹنے لگا۔ خان صاحب نے تو کبھی بڑی دلہن اور بچوں کا ان کے سامنے نام بھی نہیں لیا تھا اور وہ یہ سمجھ کر مطمئن ہوگئی تھیں کہ سدا ایسے ہی حالات رہیں گے مگر اب......!

بہر طور' وہ حقیقتوں کو کتنا بھی بھولے رہیں۔ کبھی نہ کبھی تو سامنے آ کر اپنے آپ کو منوا کر رہتی ہیں۔ خاتون سمجھدار تھیں۔ خان صاحب پر اپنی تشویش کا اظہار کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ جانتی تھیں کہ اب خان صاحب کے فیصلے کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ دس سال وہ بڑی دلہن کی شرکت کے بغیر خان صاحب کی زندگی اور وجود سے فیض یاب ہوتی رہی تھیں۔ اب دوسرے حق دار بھی اپنا حق وصول کرنے آرہے تھے۔ بڑی دلہن اور بچے ایک اٹل حقیقت تھی۔ انہوں نے آنے والے حالات سے سمجھوتا کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

خط آنے کے دوسرے ہی دن خان صاحب عازم سفر ہوئے۔

قائم گنج پہنچے تو ان کی والدہ بس ان ہی کی منتظر تھیں۔ سانس تو کئی دن سے اکھڑی' اکھڑی تھی صرف نکلنا باقی تھا اور وہ خان صاحب کے انتظار میں اٹکی پڑی تھی۔

بیٹے کو دیکھ کر ماں کے تن مردہ میں کچھ جان پڑتی محسوس ہوئی تھی۔ خان صاحب ماں کے قدموں پر سر رکھ کر اپنے قصور معاف کراتے رہے اور ان کے جاتے' جاتے بھی دودھ بخشوا لیا تھا۔

دوسرے دن' ان کی والدہ ان کی بیوی بچوں کو بیٹے کے سپرد کر کے دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ خان صاحب ماں کا دسواں کر کے' بیوی بچوں سمیت حیدر آباد واپس آگئے تھے۔

بڑی دلہن نے بھی کاندھے ڈال دیے تھے یہ سوچ کر ان کے ساتھ آگئی تھیں کہ اب بچوں کو باپ کے سائے سے محروم نہیں رکھنا چاہیے۔

ساس کی موجودگی میں اور بات تھی۔

آنے کو تو خان صاحب کے ساتھ آ گئی تھیں۔ مگر طمطراق میں فرق نہیں آیا تھا۔ وہ بدستور شوہر سے لاتعلق ہی رہیں۔ وہ رشتا جو انہوں نے غیظ و غضب کے عالم میں توڑا تھا۔ وہ نہیں جڑ سکا۔

اگلے ہی دن بے شمار اندیشوں کے ساتھ چھوٹی دلہن میکے سے آ گئی تھیں۔ خان صاحب جاتے وقت انہیں میکے چھوڑ گئے تھے۔ خان صاحب دونوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرا کے اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے۔

دونوں عورتیں عقل مند تھیں۔ بڑی دلہن تو بڑی عجیب و غریب فطرت کی مالک تھیں۔ انہوں نے خان صاحب سے تو ترک تعلق ہی رکھا مگر اپنے تینوں بچے (دو بیٹے' ایک بیٹی) چھوٹی دلہن کی گود میں ڈال دیے کہ آج سے وہ بھی ان بچوں کی ماں ہیں کیونکہ چھوٹی دلہن بے اولاد تھیں۔

چھوٹی دلہن کے دل سے تمام اندیشے ایک ایک کر کے ختم ہو گئے۔ انہوں نے تینوں بچوں کو اپنی گود میں سمیٹ لیا۔ بڑی دلہن' بچوں اور شوہر کو ان کے سپرد کر کے خود تمام جھمیلوں سے آزاد ہو گئیں۔

دونوں بیویوں کی عقل مندی اور معاملہ فہمی سے گھر کا ماحول سوکنوں کا نہیں دو بہنوں کا سا خوش گوار تھا۔ جس پر خان صاحب کی حاکمیت قائم تھی۔

......☆☆☆......

اس طرح پانچ سال گزر گئے۔

خان صاحب کی گھریلو زندگی قابل رشک تھی۔ دوست احباب' ان کے گھریلو معاملات و حالات کی مثالیں دینے لگے تھے۔

خان صاحب نے ابھی تک اپنے بچوں کی کوئی خوشی نہیں کی تھی۔ وہ خوشی کے نام پر دعوتیں کرنے کے قائل ہی نہیں تھے۔

چھوٹی دلہن کو نہ جانے کیا ارمان اٹھا کہ بچوں کی خوشی کرنے کے لیے خان صاحب کے سر ہو گئیں۔ عذر یہ تھا کہ اب تک کھاتے چلے آئے ہیں اس بہانے دوسروں کو کھلا بھی دیں گے۔

خان صاحب جز رسی کے ماہر' تیار نہ ہوتے تھے۔ مگر جب چھوٹی دلہن کا اصرار بڑھا تو ان کی خدمات کے صلے میں بچوں کی خوشی کرنے پر راضی ہو گئے۔

دوست احباب' رشتے دار' خاندان برادری الغرض سب کو ایک ہی بار مدعو کر ڈالا۔

دعوت والے دن خان صاحب کے ایک دوست کی بیوی بھی تشریف لائی تھیں۔ زیورات سے لدی پھندی' شوخ ساڑھی میں لپٹی اچھی خاصی صورت شکل کی تھیں۔ گود میں ایک سال کا بچہ بھی دبا ہوا تھا۔ خان صاحب نے اپنی دونوں بیویوں سے ان کا تعارف کروایا کہ یہ خاتون ان کے انتہائی جگری دوست کی بیوی ہیں۔ دونوں نے ان سے مل کر خوشی کا اظہار کیا تھا اور انہیں آرام سے بٹھا دیا تھا۔

چھوٹی دلہن آج ایک خاص بات نوٹ کر رہی تھیں۔ خان صاحب بار بار زنان خانے میں آتے اور کسی نہ کسی بہانے ادھر سے ضرور گزرتے۔ جدھر ان کے دوست کی بیوی بیٹھی تھیں۔ وہ بھی خان صاحب کے قریب سے گزرنے پر انہیں کن انکھیوں سے دیکھ لیتیں۔ چھوٹی دلہن کو ذرا بھی خیال نہ آتا اگر خان صاحب کی [illegible] مزاجی اور با اصول ہونے سے واقف نہ ہوتیں۔ انہوں نے بار بار اپنے خیال کو سر سے جھٹکا کہ دوست کی بیوی آئی ہے۔ اس کا خیال رکھنا اخلاقی فرض ہے اور یہ اخلاقی فرض وہ کچھ زیادہ نبھا رہے ہیں کہ کہیں دوست یا اس کی بیوی کو شکایت نہ ہو۔

کھٹکی تو وہ اس وقت تھیں جب اچانک ان کی نظر خان صاحب کی طرف اٹھ گئی تھی۔ وہ دوست کی بیوی سے اشاروں میں کچھ کہہ رہے تھے اور شاید وہ سمجھ نہیں رہی تھیں۔ پھر وہ قریب جا کر بچے کو گود میں لینے کے بہانے ان کی طرف جھک کر کچھ کہتے رہے تھے۔

چھوٹی دلہن کو یہ بات عجیب سی لگی تھی۔ ان کے ذہن میں آندھیاں سی اٹھنے لگی تھیں۔ وہ بڑی عجیب سی سوچ کا شکار ہو گئی تھیں۔ شک کرتے بن نہیں رہا تھا کہ خان صاحب کوئی غلط قدم اٹھا سکتے ہیں۔ انہوں نے تو کبھی چوری ہی نہیں کی۔ پھر یہ ہیرا پھیری کیسی؟ یہی ایک سوال ان کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔

چھوٹی دلہن تقریب نمٹاتی رہی مگر کھوئے کھوئے انداز میں اندیشوں کو بھی سمیٹتی رہیں۔ دماغ غبار آلود ہوتا جا رہا تھا۔ پہلی بار خان صاحب کے خلاف ذرا سا شکوہ پیدا ہو رہا تھا۔

تقریب ختم ہوئی تو خان صاحب دوست کی بیوی کو پہنچانے خود گئے کیونکہ ان کا دوست تقریب میں نہیں آ سکا تھا۔

خان صاحب رات کے بارہ بجے لوٹے۔

جب تک چھوٹی دلہن کانٹوں پر لوٹتی رہیں۔ انہوں نے بڑی دلہن سے اپنی تشویش کا ذکر نہیں کیا تھا۔ جانتی تھیں کہ انہیں خان صاحب کے کسی

معاملے سے کوئی غرض نہ تھی انہوں نے خان صاحب کا جادو سر سے مدت ہوئی اتار پھینکا تھا وہ جنت میں جائیں یا جہنم میں۔

خان صاحب واپس آئے تو چھوٹی دلہن کو جاگتے پایا۔ مگر آج چھوٹی دلہن نے مسکرا کر ان کی پزیرائی نہیں کی تھی۔ خان صاحب نے چونک کر ان کے ماتھے کی شکنوں کو گننا شروع کر دیا تھا۔

چھوٹی دلہن نے ان کی جانب سے رخ موڑ لیا۔

''ایں، تمہارے کو کیا ہوا؟ بہت تھک گئیں؟''

خان صاحب نے ان کی ناراضگی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''میرے کو نہیں آپ کو کچھ ہوا ہے؟'' چھوٹی دلہن اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''میرے کو کیا ہوا؟''

''یہ اتی راتاں گئے واپسی؟ آپ کا دوست کیا کہیں گا دوست کی بیوی سے اتی بے تکلفی کائیں کو؟'' چھوٹی دلہن نے بگڑی حیدر آبادی میں پوچھا۔ خان صاحب کی صحبت میں ان کی زبان خالص حیدر آبادی نہیں رہی تھی۔

ان کے بگڑے تیور اور سوال در سوال پر خان صاحب حسب عادت بھڑک اٹھے۔ دوست کی بیوی والی بات ان کی عزت پر تازیانہ ثابت ہوئی۔ تیز آواز اور کرخت لہجے میں بولے۔

''دوست کی بیوی کائیں کو؟ میری اپنی بیوی ہے۔''

''کک...... کیا...... کیا......!'' چھوٹی بیگم کی ایک چیخ نما آواز نکلی اور پھر اچانک وہ گنگ ہو کر رہ گئیں اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے خان صاحب کو دیکھنے لگیں۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر خان صاحب گڑبڑا گئے۔ پھر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بہت نرم لہجے میں بولے۔

''آج میں، اسے تمہارے سے ملانے لایا تھا تم سب ایک دوسرے سے مل لو۔'' وہ بچہ بھی میرا ہی ہے۔''

''مگر...... مگر......!'' چھوٹی دلہن سے صدمے کی زیادتی کی وجہ سے کچھ کہا ہی نہیں جا رہا تھا۔

''نیک بخت! تیرے کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''پر کیوں؟'' چھوٹی دلہن آنکھوں میں آنسو بھر کر بولیں۔ ''کس چیز ان کی کمی تھی آپ کو؟''

خان صاحب ان کے سوال پر پھر تیخ گئے۔ انہوں نے اپنے معاملات میں کبھی ''کیوں؟'' کی مداخلت برداشت ہی نہیں کی۔ ایک دم وہ اپنی سرشت پر لوٹ آئے آواز کی نرمی، کرختگی میں بدل گئی۔ اکڑ کر بولے۔

''نیکی کیا ہوں، جوان بیوہ کو سہارا دیا ہوں، سنت کیا ہوں حرام نہیں کیا۔''

''آج پہلی بار، میرے کو آپ سے شکایت ہوئیں ہے؟'' چھوٹی دلہن روتی ہوئی بولیں۔

''شکایت کائیں کو؟ تمہاری حق تلفی تو نہیں کیا ہوں۔'' خان صاحب ترخ کر بولے۔

چھوٹی دلہن بڑی مشکل سے اپنے امڈتے جذبات پر بند باندھ رہی تھیں۔ جانتی تھیں کہ اگر زیادہ بگڑیں تو خان صاحب ابھی تیسری بیوی کو لا کر ان کے سر پر بٹھا دیں گے۔

اچانک وہ اٹھیں اور تیر کی طرح کمرے سے نکل کر بڑی دلہن کے کمرے میں پہنچ گئیں۔

بڑی دلہن سو چکی تھیں۔ چھوٹی دلہن نے انہیں جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ بے چاری اس افتاد پر گھبرا کے جاگ پڑیں اور چھوٹی دلہن کے چہرے پر وحشت کے بادل چھائے دیکھ کر بولیں۔

''کیا ہوا ہے چھوٹی دلہن؟''

''ہائے...... بڑی دلہن...... یہ پوچھو کیا نہیں ہوا۔ اب چھوٹی دلہن متی کہو آن کی آن میں، میں چھوٹی دلہن سے منجھلی دلہن ہو گئی۔'' وہ زار و قطار روتی ہوئی بولیں۔

''لو...... سنبھل کے بیٹھو، ٹھیک سے بتاؤ میری سمجھ میں بات نہیں آئی۔'' وہ انہیں تسلی دیتی ہوئی بولیں۔

''وہ...... وہ...... جو آج خان صاحب کے دوست کی بیوی آئی تھی وہ دوست کی نہیں ان کی خود کی بیوی ہے۔'' وہ آنسوؤں کو روکتی ہوئی بولیں۔

''اوہ...... اچھا...... تو تمہیں خبر ہو گئی۔'' بڑی دلہن سر ہلا کر بولیں۔

''ابھی، ابھی خان صاحب بتائے۔''

''تو تم کیوں رو رہی ہو، مجھے تو بہت دنوں سے خبر تھی۔ تمہارے دکھ کی وجہ سے میں نے تمہیں نہیں بتایا تھا۔'' بڑی دلہن نے انکشاف کیا تو وہ ان کا منہ حیرت سے دیکھتی رہیں۔

''نہ راتاں کو کبھی غائب ہوئے، نہ دناں میں کہیں وخت گزارے۔ ہائے اماں! پھر یہ بیوی کہاں سے آ گئے بڑی دلہن؟'' وہ دوبارہ رونے لگیں۔

''صبر کرو۔ وہ تو چار کی سنت پوری کر کے مریں گے۔ تم کہاں تک غم کرو گی اور بچے کا کیا ہے۔ وہ تو کھڑے کھڑے آ جاتا ہے۔ تم تو میرے سے نصیحت پکڑو۔''

چھوٹی دلہن، بڑی دلہن کے آخری جملے پر چونک پڑیں اور پھر بڑے غور سے اس عورت کو دیکھنے لگیں جس پر دو دو سوکنیں آئی تھیں مگر پھر بھی وہ سمندر کی طرح پرسکون تھیں۔

یہی ساعت ان کے ذہن کو جگا گئی۔ انہیں ایسا لگا جیسے ان کے دل پر کسی نے ٹیک لگا دی ہو۔ وہ خاموشی سے اٹھیں اور اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔

❀......❀......❀

اس واقعہ کو پچیس سال گزر گئے۔ تینوں بیویاں ہم نوالہ، ہم پیالہ ہیں۔ خان صاحب ماشاء اللہ پچھتر سال سے تجاوز کر چکے ہیں۔ مگر اس عمر میں گھن گرج اور بیویوں پر رعب کا وہی عالم ہے جو جوانی میں تھا۔ دو حج کر چکے ہیں۔ حالانکہ وہ کہتے تو یہی ہیں کہ یوں بھی جنتی ہوں تین تین بیویوں کا رکھوالا ہوں۔

یار دوست بار بار پوچھتے ہیں کہ وہ کیا راز ہے کہ انہوں نے تین عورتوں کو نہ صرف قابو میں رکھا ہے بلکہ وہ آپس میں مل جل کر رہتی ہیں۔ کبھی ان میں لڑائی نہیں ہوتی۔

خان صاحب تو ہنس کر یہی کہتے ہیں کہ کمال ان کی گھن گرج کا ہے۔ مجرموں کا پتا پانی ہوتا ہے عورتیں بے چاری کیا حقیقت رکھتی ہیں۔ مگر ان کے دوست احباب ان کی اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔

اور یہ راز ''عصمت چغتائی'' کے ''لحاف'' (افسانہ) کی طرح ابھی تک آشکار نہیں ہو سکا۔ خان صاحب بتانے پر تیار ہی نہیں۔

❀

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

والدین کی اموات کے بعد دونوں بہنیں لائبہ اور ضوفشاں اپنے گھر میں تنہا رہتی ہیں تاہم ان کا کزن شہود اور اس کی بیوی مہ جبین ان کے پڑوس میں مقیم ہیں اور ان سے بے حد محبت بھی کرتے ہیں۔ فوزان صدیقی ماضی کے حوالے سے اس کا محسن رہا ہے۔ اس کے ذہن و دل میں لائبہ کے لیے اس وقت کی چاہت ابھی تک زندہ ہے۔ تاہم ماضی کے اس اندوہناک حادثے نے نا صرف ان دونوں کے والدین کو چھین لیا تھا بلکہ ان کی حالیہ زندگی میں بھی زہر گھول رکھا تھا۔ واردات کی جانچ پڑتال کے سلسلے میں فوزان صدیقی کو بار بار لائبہ کے گھر آنا پڑتا ہے۔ جس کے سبب لائبہ اور ضوفشاں جن کا کردار پہلے ہی لوگوں کے نشانے پر ہے۔ مزید افواہوں کی زد میں آتا ہے۔ ماضی کے حوالے سے لائبہ بار بار فرسٹریشن کا شکار ہوجاتی ہے۔ اک روز لائبہ فوزان صدیقی سے ضوفشاں سے شادی کرنے کی درخواست کرتی ہے۔ فوزان صدیقی گہرے دکھ و تحیر کا شکار ہو کر اسے بتاتا ہے کہ ضوفشاں کا رشتہ اپنے چھوٹے بھائی زبیر سے چاہتے ہیں۔ لائبہ کا ماضی کھلتا ہے جس میں لائبہ کے پھوپی زاد مبشر سے اس کا نکاح ہوتا ہے جو کینیڈا میں فیملی سمیت رہائش پزیر ہے۔ لائبہ کے والد سول سروس میں تھے ان دنوں ان سے کوئی شخص کروڑوں کے گھپلے کا متقاضی تھا۔ اچانک لائبہ پر نظر پڑتے ہی وہ اس کے اغواء کی دھمکیاں دینے لگا آخر کار ایک روز جب لائبہ کسی دوست کی شادی سے واپس آرہی ہوتی ہے لائبہ کی والدہ اور ڈرائیور کو قتل کرکے کچھ لوگ اسے اغواء کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ مگر اس سے پہلے کہ لائبہ کو کوئی نقصان پہنچتا اچانک پولیس کی ریڈ ہوجاتی ہے۔ فوزان صدیقی کی مدد سے لائبہ بچ نکلتی ہے مگر لائبہ کے والد کے مخالفین اس کے اغواء کی خبر میڈیا تک پہنچا کر اسے بدنام کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ بیوی کے قتل اور لائبہ کے اغواء سے دل برداشتہ ہو کر لائبہ کے والد اپنے عہدے سے ریٹائرمنٹ لے لیتے ہیں لیکن لائبہ کی رسوائی سے متاثر ہو کر مبشر اسے طلاق کے کاغذات بھیج دیتا ہے اس صدمے نے لائبہ کے والد کی جان لے لی جس پر لائبہ اور بکھر جاتی ہے۔ فوزان صدیقی کے گھر والے ضوفشاں کے لیے باقاعدہ زبیر صدیقی کا رشتہ لے کر آتے ہیں تو ضوفشاں سب کے سامنے انتہائی بدتمیزی سے انکار کردیتی ہے۔ جس پر وہ لائبہ کے شدید غم و غصے کا شکار رہتی ہے۔ ضوفشاں ان افواہوں کے سبب خائف ہے۔ جو فوزان صدیقی کی ان کے گھر آمد کے بعد محلے میں گردش کررہی تھیں اور جن کی زد میں ان دونوں بہنوں کا کردار آتا رہا ہے۔ زبیر صدیقی ضوفشاں کے انکار پر مایوس ہو کر امریکا چلا جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

زرد موسم کے دکھ

سمیرا شریف طور

اک نام کی اڑتی خوشبو اک خواب سفر میں رہتا ہے
اک بستی آنکھیں ملتی ہے اک شہر نظر میں رہتا ہے
پانی میں روز بہاتا ہے اک شخص دیے امیدوں کے
اور اگلے دن تک پھر ان کے ہمراہ بھنور میں رہتا ہے

وہ بے یقینی سے کاغذ کے ٹکڑے کو تھامے کھڑی رہی۔ زبیر چھ ماہ کے لیے امریکا بزنس کورس کرنے گیا ہوا تھا۔ یہ بات اسے شہود بھائی سے ہی پتا لگی تھی۔ جب وہ فوزان صدیقی سے ہر تعلق ناتا توڑ کر آرام سے ہوگئی تھی۔ ابھی تو اسے زندگی کو پرسکون بنانا تھا کہ یہ اب اچانک ایک ساکن جھیل میں کیسا پتھر آگرا تھا۔ سوئی یادیں، کربناک باتیں، انگڑائی لے کر تہہ دل میں تلاطم برپا کرگئیں۔ وہ ضوفشاں کی خاطر سب تعلق توڑائی اور ضوفشاں نے ہی اس سے ہر بات چھپائے رکھی۔ اسے حقیقی معنوں میں ایک گہرے دکھ نے آلیا۔ یہ سلسلہ کب سے چل رہا تھا اسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ وہ کوئی تنگ نظر غاصب سوچ والی قدامت پرست لڑکی نہیں تھی۔ بہتر سوچ اور بلند شعور رکھتی تھی پھر بھی یہ خط اس کے اعصاب پر

سخت گراں گزرا تھا۔ جو بات اسے سب سے زیادہ گراں گزر رہی تھی وہ یہ تھی کہ ضوفشاں نے اس سے یہ سب کیوں چھپایا کیوں...... کیا دونوں بہنوں کے تعلقات اب اس سطح پر پہنچ چکے ہیں کہ ضوفی اس سے کچھ چھپانے کی کوشش کرتی' جبکہ اس نے تو خود اس سے کوئی بات نہیں چھپائی تھی۔ چھوٹی بہن ہونے کے باوجود اسے ہر بات بتائی اور سمجھائی رہی تھی پھر غلطی کہاں ہوئی تھی۔ وہ مسلسل سوچ رہی تھی۔

"ضوفی! یہ کیا ہے؟" بڑی مشکل سے اس نے باقی ماندہ کام نمٹایا تھا۔ ضوفی سینٹر سے لوٹی تو وہ لفافہ لیے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ پہلے تو ضوفشاں کا رنگ متغیر ہوا پھر وہ نظریں جھکا گئی۔ اس کے یوں مجرموں کی طرح گردن جھکا لینے پر لائبہ کو اپنے اندر اضطراب کا گہرا سمندر ٹھاٹیں مارتا محسوس ہوا۔ وہ دکھ سے اسے دیکھتی رہی۔

"کب سے چل رہا ہے یہ سلسلہ......؟" اس دفعہ لائبہ کا انداز کافی بپھرا ہوا تھا۔ ضوفی نے کافی اچھنبے سے سر اٹھا کر لائبہ کو دیکھا۔

"یہ کوئی سلسلہ ولسلہ نہیں ہے۔ آپ کو میں نے بتایا تھا کہ زبیر صدیقی مجھے اکثر کالج کے گیٹ پر ملتا ہے۔ پہلے پہل تو میں اس سے اجتناب کرتی رہی پہلی ملاقات میں نے آپ کو حرف بہ حرف بتادی تھی۔ بعد میں اس کے مسلسل آنے پر میں نے جان بوجھ کر آپ کو کچھ نہ بتایا کہ آپ پریشان نہ ہوں...... وہ ایک سلجھا ہوا مہذب شخص ہے' اس کا کہنا تھا کہ وہ اس طرح مجھے راضی کرلے گا' اسی لیے میں تنگ آ کر صرف اسے منع کرنے کی خاطر دوبارہ ملی تھی۔ اس کی ایک ہی ضد تھی کسی نہ کسی طرح میں مان جاؤں اور یہ کسی بھی طرح ممکن نہ تھا۔ پھر وہ کچھ دن بعد امریکا چلا گیا۔ تب بھی وہ مجھے ملا تھا۔ بہت اصرار پر میں نے اسے ای میل ایڈریس دے دیا تھا۔ وہ اکثر میسج بھیج دیتا تھا۔ میں صرف پڑھ لیتی تھی' خود کبھی بھی پیش رفت نہیں کی تھی جب وہ بے حد اصرار کرنے لگا تو میں ہلکی پھلکی چیٹنگ بھی کرنے لگی۔ پھر یہ خط آ گیا۔ آپ نجانے کیا سمجھتیں' اسی لیے میں نے غلط بیانی کی۔ میرا مقصد آپ کو دکھی نہیں کرنا تھا بلکہ تکلیف اور اذیت سے بچانا تھا۔ وہ پچھلے دو تین ماہ سے مجھے مسلسل قائل کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ اب دو ڈھائی ماہ ہوگئے ہیں میری اس سے کوئی چیٹنگ نہیں ہوئی۔ نہ ہی اس کی ای میل مجھ تک پہنچی ہے۔ اب تو شاید ایک ماہ بعد وہ واپس بھی آنے والا ہوگا اور بس...... یہی سارا سلسلہ ہے۔" ضوفی نے بہت سکون اور آرام سے بتایا۔ وہ صرف دیکھتی رہی' یہ اتنی نامعقول بات نہیں تھی۔ دونوں نے ہی اخلاقی حدود کا خیال رکھا تھا۔ وہ کچھ خائف سی ہوگئی۔ ضوفشاں نے اس کی طرف دیکھتے لائبہ کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھالیا۔ "بس میں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ زبیر صدیقی کی ان تمام پیش رفت کے باوجود بدل نہیں سکتا۔ آپ کو میری طرف سے جو جو بھی خدشات لاحق ہیں انہیں پلیز ذہن سے نکال دیں۔ ہمارا رشتہ اتنا کمزور نہیں کہ صرف ایک معمولی سے شک کی بھینٹ چڑھ جائے۔" لائبہ نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"ضوفی! تمہیں اب زبیر صدیقی کیسا لگتا ہے؟" کافی دیر تک ضوفی کی ادھر ادھر کی ڈھیر ساری باتوں سے جب وہ پرسکون ہوئی تو کھانے کی ٹیبل پر اس سے پوچھنے لگی۔

"سچ سچ بتادوں؟" کھانا کھاتے ہوئے اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اس نے گردن ہلادی۔

"وہ فوزان صدیقی کا بھائی ہے ان سے بہت مختلف بھی ہے لیکن بہت سی خوبیاں انہی جیسی ہیں۔ وہ اپنے بھائی کی طرح بہت ہی اچھا شخص ہے۔ بہت خیال رکھنے والا اور محبت کرنے والا۔ وہ واقعی اس قابل ہے کہ کوئی بھی لڑکی اس سے محبت کرسکتی ہے۔ اس کے خواب دیکھ سکتی ہے۔ اس کی خاطر اپنی زندگی دان کرسکتی ہے۔" وہ پرسوچ لہجے میں آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ لائبہ بس اسے دیکھتی رہی۔

"ضوفی کہیں تم اس سے متاثر تو نہیں ہوگئی' محبت تو نہیں کرنے لگی ہو؟" عجیب سے خدشے میں گھرتے وحشت بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ بہت آسودگی سے مسکرا رہی تھی۔

"پتا نہیں پری! میں اپنے احساسات کو خود بھی نہیں سمجھ پارہی۔ وہ عجیب شخص ہے۔ جب وہ بار بار میرے راستوں میں آتا تھا تو مجھے اس پر بہت غصہ آتا تھا' بہت چاہنے کے باوجود بھی میں اس کے لیے کوئی غلط سوچ اپنے ذہن میں پیدا نہ کرپائی۔ مجھے شروع ہی سے لڑکیوں کا کالج سے باہر لڑکوں سے یوں چوری چھپے ملنا بہت زہر لگتا تھا اور اب بھی لگتا ہے مگر میں اس کی بے پناہ ضد پر خود کو اس سے ملنے پر روک نہ پائی۔ وہ میری کوئی تعریف کرتا تو ہزار ہا چاہنے کے باوجود میں اسے غلط القابات سے نہیں نواز سکی۔ اس نے مجھ سے میرا ای میل ایڈریس مانگا تو اپنے اندر ایک جنگ چھڑنے کے باوجود اسے اپنا ای میل ایڈریس دینے سے خود کو نہ منع کرپائی۔ وہ اس میلز پر ای میلز بھیجتا رہتا تھا اور میں خود کو اس کی بھیجی ہوئی ای میلز پڑھنے پر مجبور پاتی۔ اس نے مجھے دل لکھا میں بہت چاہنے کے باوجود اس سے خفگی کا اظہار نہ کرپائی اور اب جب وہ دو ماہ سے مسلسل میرے رابطے میں نہیں تھا تو اس نے چیٹنگ کی ہے اور نہ کوئی میلز بھیجی ہیں' اس کے باوجود میں ہر وقت میلنگ باکس کھولے صرف اس کے پیغام کی منتظر رہتی ہوں۔ ہر روز گھر آنے کے بعد چوکیدار بابا سے کسی خط کے بارے میں پوچھتی ہوں' اور ہر دفعہ نفی میں جواب سن کر اندر تک ادھڑتی چلی جاتی ہوں۔ مجھے ہر وقت عجیب سی بے چینی اپنے حصار میں گھیرے رکھتی ہے اور چاہنے کے باوجود اپنے ذہن سے اس کی سوچوں کو نہیں نکال پاتی۔ پتا نہیں ان احساسات کو کیا کہتے ہیں...... اور محبت کیا ہے' مجھے نہیں معلوم......؟" کتنا مفصل جواب ملا تھا اسے لفظ بہ لفظ وہ صرف ضوفی کو دیکھتی رہی۔ کتنے خوب صورت رنگ تھے جو ضوفی کی آنکھوں میں رقصاں تھے۔ ایک مرد سے اس نے خود دھوکا کھایا تھا اور ایک مرد پر ضوفی اعتبار کرکے اک نئی دنیا کی سیر کرنے چلی تھی۔ وہ اسے کچھ کہہ بھی نہ سکی۔ ایک حرف تاکید بھی...... اور اب جبکہ وہ خود اس شخص کے لیے انکار کرچکی تھی' واپسی کا راستہ ممکن تھا مگر عزت نفس کی دیوار کو گرانا بہت ضروری تھا ورنہ کچھ بھی لاحاصل تھا۔ وہ بے چارگی سے اسے مسلسل دیکھے گئی۔

"ضوفی! میں تمہیں ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ لوگوں کا کیا ہے وہ تو باتیں کرتے ہی ہیں۔ اب اگر تم شادی نہیں کروگی تو وہ لوگ تمہیں تمغہ پہنانے نہیں آئیں گے۔ میں فوزان صدیقی سے رابطہ کرنے پر تیار ہوں۔ تم کچھ سوچ لو۔"

"نہیں پری...... بالکل نہیں۔ میں اس بند گلی میں کھڑی ہوں جہاں آگے کوئی راستہ نہیں اور پیچھے لوگ پتھر لیے کھڑے ہیں۔ میں سنگسار نہیں ہونا چاہتی اور مرنا بھی مجھے گوارا نہیں۔ میں پوری عزت کے ساتھ جینا چاہتی ہوں۔ محبت کے بغیر زندگی گزار سکتی ہوں مگر عزت کے بغیر نہیں...... جب ایک دفعہ انکار کردیا تو پھر کردیا۔ اور آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں اپنی زبان سے کبھی نہیں پھرا کرتی۔ آپ فوزان صدیقی

سے کوئی رابطہ نہیں کریں گی نہ آج نہ کبھی...... ایک دم سرد لہجے میں اور دوٹوک الفاظ میں انکار کرتے ہوئے میز سے اٹھ گئی۔ وہ عجیب وغریب سے ڈر میں گھرتے اسے دیکھتی رہی۔ یہ ضوفشاں کن راستوں کی راہی بن رہی تھی۔ اسے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ایک ایسا ہی تجربہ وہ خود بھی جھیل چکی تھی۔ رمیز نے اس کا ہاتھ تھام کر جذبوں کو رشتوں کا خوب صورت پیرہن اوڑھا کر احساس کی ڈور سے لپیٹ کر اسے ایسے ہی راستوں کا راہی بنا دیا تھا' جہاں سے وہ آج تک نہیں پلٹ سکی تھی اور نہ ہی اپنا دامن بچا سکی تھی۔ وہ تو ٹھیک سے اس شخص سے نفرت بھی نہیں کرسکی تھی' وہ جو بغیر کوئی ثبوت مانگے سچائی پرکھے اسے طلاق دے گیا تھا' ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسے اذیت کی بھٹی میں تنہا جلنے کے لیے چھوڑ گیا تھا۔ اس کی روح تب سے لے کر اب تک کانٹوں پر چل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں رمیز جو کنکر جما گیا تھا وہ صرف اور صرف اسے دیکھ کر ہی ختم ہوسکتا تھا۔ وہ اس سے ملنے اور خود پر لگائے گئے بہتان کا بدلہ لینے کی دعائیں برسوں سے کرتی آرہی تھی۔ اس کی سوچیں محبتیں' احساسات اور جذبے سب اس ایک شخص کے احساس سے ابھی تک لپٹے ہوئے تھے۔ جس نے پہلی دفعہ دل کی تاروں کو چھوا تھا۔ اسے ابھی اس شخص سے ان سب جذبوں کو واپس لینا تھا۔ ان احساسات' جذبوں' محبتوں اور سوچوں کے بغیر تو وہ بالکل ادھوری تھی اسے ابھی خود کو مکمل کرنا تھا کہ اب ضوفی اسے درد کے کسی نئے صحرا میں دھکیل گئی تھی۔ اس کی سوچوں کو اک نیا تفکر دے گئی تھی۔ وہ اسے نہ آگے بڑھنے سے روک سکتی تھی اور نہ پیچھے پلٹنے پر آمادہ کرسکتی تھی۔ وہ جس مقام پر کھڑی تھی وہاں واپسی کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔ سوائے درد کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ وہ جھلملاتی آنکھوں سمیت برتن سمیٹنے لگی۔

......❀......

بھابی کے بھائی کوما میں چلے گئے تھے۔ ان کی حالت بہت نازک تھی۔ دماغ پر چوٹ لگنے کی وجہ سے ڈاکٹرز ناامید تھے۔ شہود بھیا دو ہفتے ہوگئے تھے اور ابھی نہیں آسکے تھے۔ دونوں بہنوں کو بھابی کے اس دکھ پر بہت دلی صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے بھابی کے بھائی کی صحت یابی کی شدت سے دعا مانگتیں۔ اتوار کے روز اسے کچن کے لیے سودا سلف اور فریج کے لیے ضروری سامان خریدنا تھا اس نے ضوفی کو ساتھ چلنے کو کہا تو اس کا موڈ نہیں تھا۔ اسی لیے وہ چوکیدار کی بیوی چندا کو لے کر چلی گئی تھی۔ شاپنگ کے دوران بھی اسے ضوفی کی کمی محسوس ہوتی رہی تھی۔ وہ گھر آئی تو ضوفی لاؤنج میں بیٹھی ہی ملی۔ چوکیدار کی بیوی سامان رکھ کے اپنے کوارٹر میں چلی گئی۔

''توبہ ہے ایسے موسم میں شاپنگ کرنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ ہر چیز کی قیمت آسمان کو چھو رہی ہے۔ دکانداروں سے سر کھپاتے سر کھپاتے میرا اپنا سر کھپ گیا ہے۔'' چادر اتار کر صوفے پر ڈالتے وہ بھی دھپ سے ضوفی کے برابر ہی گر گئی۔ آنکھیں بند کرکے گہرے گہرے سانس لیے مگر جب نگاہ ضوفی کے چہرے پر اٹھی تو اندر غیر معمولی پن کا احساس جاگا۔ ضوفی کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ نجانے کب سے رو رہی تھی۔ لال انگارہ آنکھیں عجیب سی کہانی سنا رہی تھیں اور وہ خود ساکت سی بیٹھی ہوئی تھی۔

''کیا ہوا ضوفی......! کیا بات ہے؟'' ضوفی کو اس پریشان کن انداز میں بیٹھے دیکھ کر اس نے فوراً [illegible] کر اس کا کندھا چھوا۔ وہ نظریں چرا کر لائبہ کو دیکھنے لگی۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی مسکراہی دی تھی پھر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ''ضوفی! میرا دل بند ہونے والا ہے' بتاؤ کیا ہوا؟ شہود بھائی تو ٹھیک ہیں' کہیں بھابی کے بھیا تو......'' پہلا خیال یہی آیا ضوفی نے گردن نفی میں ہلائی۔ وہ مزید متوحش ہوگئی۔ فوراً روتی ہوئی ضوفی کے بلکتے وجود کو بانہوں میں بھرلیا۔ ''میری جان' بتاؤ کیا ہوا' کیوں رو رہی ہو؟'' اسے روتے دیکھ کر وہ خود بھی روہانسی ہوگئی۔ ضوفی کچھ بھی بتائے بغیر روتی رہی۔ کافی دیر بعد وہ سنبھلی تو اسے خود سے جدا کیا۔ ''اب بتاؤ! کیا بات ہے؟'' اسے پانی پلا کر اس کا چہرہ اپنے دوپٹے سے صاف کیا۔ ضوفی نے خاموشی سے کشن تلے رکھا لفافہ نکال کر اسے تھما دیا۔ لائبہ ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھتے ہوئے لفافے کو دیکھنے لگی۔ لفافے نے درحقیقت چونکا دیا تھا۔ امریکا سے آیا ہوا یہ لفافہ وہ کھولے بغیر ہی بھیجنے والے کا نام جان گئی تھی مگر اندر کیا درج تھا یہی جاننے کو وہ جلدی سے لفافے میں موجود کاغذ کا ٹکڑا نکال کر پڑھنے لگی۔

''السلام علیکم!

کیسی ہو ضوفشاں! اللہ کرے تم دونوں بہنیں سدا خوش رہو۔ پچھلے دو اڑھائی ماہ اس قدر مصروف رہا کہ رابطہ ہی نہ ہوسکا۔ اب بھی خط لکھنے کی نوبت اس لیے آئی ہے کہ مجھے تمہیں ایک بہت بڑی خبر سے آگاہ کرنا تھا۔ میں اپنے دل اور اپنے بھائی کی خواہش پر بہت خلوص اور محبت سے تمہاری طرف بڑھا تھا' میں نے کہا تھا نا میں تمہارے راضی ہونے کا منتظر رہوں گا' میں نے بہت خلوص سے اپنی تمام کوششیں بھی کی تھیں' اپنی سطح سے نیچے اتر کر تمہیں مسلسل تنگ بھی کیا تھا' کیونکہ مجھے یقین تھا ایک نہ ایک دن تم ضرور راضی ہوجاؤ گی' مگر میرے تمام مفروضے غلط ثابت ہوگئے۔ میری پیش قدمیاں' میرے جذبات اور میری پسند یک طرفہ تھی' تمہیں کوئی الزام نہیں دیتا۔ میرے بابا جان کی انتہائی خواہش ہے کہ فوزان بھائی شادی کرلیں۔ تمہاری طرف سے انکار کے بعد انہوں نے تو شادی کا تصور ہی ذہن سے کھرچ دیا ہے۔ برسوں تک وہ جس کی جستجو میں رہے تھے' اسے سامنے پاکر اپنے تمام

جذبات کا اظہار کرکے پھر کسی اور سے شادی کرکے وہ نہ خود سے زیادتی کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی اس وجود کے ساتھ جوان کے نام سے منسوب ہوگا۔ بہنوں اور بابا کے بہت سمجھانے کے باوجود وہ نہیں مانے ان کی طرف سے ناامید ہونے کے بعد بابا اور بہنوں نے مجھ پر زور دینا شروع کردیا تھا اور میں شاید اپنے موقف پر کچھ عرصہ مزید ڈٹا رہتا اگر بابا جان نے یہ نہ کہا ہوتا۔

''زبیر! اگر فوزان نہیں مان رہا تو تم مجھے یہ خوشی دیکھنے دو۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں تم اسے ایک باپ کا حکم سمجھ لو میں آج زندہ ہوں کل کو آنکھیں بند کرلیں تو تم دونوں بھائی یونہی زندگی گزار دو گے۔''

''ضوفشاں! ہمارے بابا ہم سے بہت محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے کبھی ہم پر اپنا حکم نہیں چلایا' ہماری خاطر انہوں نے بہت کچھ سہا ہے۔ اور عمر کے اس دور میں جب وہ آسودہ ہوئے ہیں تو انہیں ہماری فکر ستانے لگی ہے۔ میں بابا کی بات سن کر شش و پنج میں گرفتار ہوگیا تھا اور پھر میں نے ہاں کہہ دی۔ بہنیں پہلے ہی تیار بیٹھی تھیں' مجھ سے چھوٹی زیبا کی نند ہے وہ لڑکی جسے میرے لیے منتخب کیا گیا۔ یہ اس قدر آناً فاناً ہوا کہ مجھے خود بھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ ایک ہفتہ پہلے میرا نکاح زنیرہ سے کردیا گیا ہے۔ نکاح سے دو دن پہلے میں پاکستان آیا تھا اور پھر تین دن بعد واپس امریکا آ گیا۔ میں جانتا ہوں تمہاری مجھ سے کوئی کمٹ منٹ نہیں' تم نے کبھی بھی اس انداز میں نہیں سوچا جس انداز میں تمہارے متعلق میں سوچتا تھا پھر بھی نجانے کیوں میں احساس جرم میں مبتلا ہوگیا ہوں۔ میرے تمام دعوے جھوٹے ثابت ہوئے۔ میں متاثر ہونے کے چکر میں بہت آگے نکل گیا تھا' تمہیں شاید میرے نکاح کی خبر سے بھی کوئی فرق نہ پڑے مگر میں ہر معاملے میں صاف گوئی کا قائل ہوں' جہاں فوراً اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا' وہاں لاتعلقی اختیار کرنے سے پہلے بھی تمہیں آگاہ کردینا چاہتا ہوں۔ میں جس لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کرچکا ہوں' اسے اپنے دل کی پوری آمادگی سے اپنانا بھی چاہتا ہوں۔ ابھی مجھے سنبھلنے میں کچھ وقت لگے گا' اسی لیے یہاں میں نے مزید چھ ماہ رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ میری شادی میری واپسی کے بعد ہی ممکن ہے۔ کبھی اپنی ذات سے ہٹ کر اوروں کے لیے جینا بہت آسودگی بخشتا ہے۔ فوزان بھائی برسوں ہم بہن بھائیوں کے لیے جیتے آرہے ہیں۔ لیکن اس مقام پر انہیں اپنے جذبوں میں خیانت گوارا نہیں۔ یہ سب قدرت کا چکر ہے۔ اگر یہاں ہر ایک کو اس کی حسب منشاء ملنے لگے تو دنیا میں دکھ نام کی چیز کا شائبہ تک نہ ہو۔ بھائی اپنی جگہ پر برحق ہیں اور بابا کی خواہش اپنی جگہ پر' مگر تم نے جو فیصلہ کیا تھا وہ بھی ٹھیک تھا۔ تمہاری جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی تو اس کی پہلی ترجیح ''عزت'' ہی ہوتی۔ تم جیسی صاف ستھری اور کھری لڑکی کا فیصلہ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ میں خود کو اپنی کہی ہر بات' ہر سوچ اور جذبے سے آزاد کروانا چاہتا ہوں اور یقیناً تمہیں اعتراض نہیں ہوگا۔

فقط......!

زبیر صدیقی

اتنا طویل خط وہ پڑھ کر بھونچکا رہ گئی۔ یہ بات تو شروع سے ہی طے تھی تو پھر دونوں کو اتنا دکھ کیوں پہنچ رہا تھا۔ اس نے آہستگی سے ضوفی کو اپنے سینے سے لگالیا۔

''پری! متاثر ہونے کے چکر میں مجھے بھی اس شخص سے محبت ہوگئی تھی۔ محبت اپنا آپ منوالیتی ہے' بس کچھ وقت درکار تھا مجھے سنبھلنے میں' اپنا فیصلہ بدلنے میں ...... جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا ہے وہ اتنی جلدی فراموش کردیتی؟ اس کے نشاں مٹاتے ہی مٹتے ہیں۔ جب میں نے یہ سوچ لیا تھا کہ مجھے اس سے کبھی بھی شادی نہیں کرنی تو پھر میری سوچوں میں وہ کیوں آسمایا۔ قطرہ قطرہ میرے دل کو پگھلاتا رہا جب میں بالکل موم بن گئی کسی فیصلے پر پہنچنے والی تھی تو اس نے راہیں بدل لیں۔ سچ کہتا ہے وہ یہ سب تقدیر کا چکر ہے۔ وہ کہتا ہے کسی کے لیے جینا بہت آسودگی بخشتا ہے تو میں بھی شاید آپ کی خاطر' آپ کی خوشیوں کی خاطر یا فوزان بھائی کی محبت کی خاطر مان ہی جاتی۔ مگر یہ کیا ہوگیا ہے پری! وقت نے مجھے اپنا فیصلہ سنانے کی مہلت ہی نہیں دی۔'' وہ بس روئے جارہی تھی۔ لائبہ نے اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ اس کا اپنا دل قطرہ قطرہ پگھل رہا تھا وہ کسے الزام دیتی۔ نہ تو اس میں زبیر صدیقی کا قصور تھا اور نہ ضوفی کا۔ شاید قسمت میں یہ ملن تھا ہی نہیں۔ وہ آہستہ آہستہ اسے تھپتھپاتی رہی۔

❀

ہفتہ یونہی گزر گیا۔ ضوفشاں کو بالکل ہی چپ لگ گئی وہ نہ لائبہ سے کوئی بات کرتی تھی اور نہ اس کے ساتھ گفتگو میں شریک ہوتی تھی۔ عجیب گونگے بہروں والی حالت ہوگئی تھی۔ وہ اسے دیکھ دیکھ کر کڑھتی رہتی۔ اندر باہر آتے جاتے ضوفی کے لیے آنسو بہاتی رہتی۔ ضوفی تو اس دن کے بعد روئی بھی نہیں نہ اس کے سامنے اور نہ ہی اس سے چھپ کر۔ وہ ہمہ وقت اس کے ساتھ ہی لگی رہتی اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتی مگر وہ کسی بھی طرح سنبھل نہیں رہی تھی۔ نہ جبین بھابی کے بھائی کی وای حالت تھی۔ شہود بھائی ایک دن کے لیے آئے تھے اپنے منیجر کو فیکٹری اور مل کے تمام ضروری امور سونپ کر انہیں خصوصی ہدایات جاری کرکے واپس چلے گئے تھے۔ چوکیدار کی فیملی کی وجہ سے وہ کافی مطمئن تھے۔

اس دن ضوفی سینٹر سے واپس لوٹی تو اس کا چہرہ سرخ اور جسم آگ کی طرح تپ رہا تھا۔ آتے ہی بے سدھ ہوکر صوفے پر گرگئی۔ لائبہ اسے اس حالت میں دیکھ کر بہت پریشان ہوگئی۔ سہارا دے کر اسے کمرے میں لے جاکر اس کی تیمارداری میں جت گئی' بخار کا زور توڑنے کے لیے وہ جو بھی حفاظتی اقدامات کرسکتی تھی' کرلیے تھے' رات گئے تک ضوفی کا بخار اترنے کی بجائے بڑھتا ہی جارہا تھا۔ وہ ساری رات غشی میں الٹا سیدھا بولتی رہی تھی۔ لائبہ کے لیے یہ رات بہت کٹھن تھی۔ آس پاس کوئی اپنا نہ تھا جو اس حالت میں اس کا ساتھ نبھاتا اور جو تھے وہ اس سے کوسوں دور تھے۔ وہ اگر ایک دفعہ انہیں آواز دیتی تو شہود بھائی' دوڑے چلے آتے مگر ان کی بھی اپنی کچھ مجبوریاں تھیں۔ رات اس نے چندانی کو اپنے پاس ہی ٹھہرا لیا تھا۔ رات ساری یخ پانی کی پٹیاں رکھتے دعائیں مانگتے وہ اپنے حوصلے آزماتی رہی۔ صبح ہوئی تو اس نے شہود بھائی کے فیملی ڈاکٹر کو فون کرکے بلوایا۔ آتے ہی انہوں نے ضوفشاں کا ٹریٹمنٹ شروع کردیا تھا۔

''انکل! اس کا بخار تو اتر جائے گا نا!'' ڈاکٹر نے دوائیں لکھ کردیں تو اس نے بے تابی سے پوچھا۔

''بظاہر فکر کی کوئی بات نہیں' دوائیں دیں' رات تک حالت سنبھل جائے گی۔''

''شکریہ۔'' وہ ڈاکٹر کو باہر تک چھوڑنے آئی تھی۔

چوکیدار کی بیوی نے اپنے بیٹے کو بھیج کر دوائیں منگوادی تھیں۔ اس کے کہنے پر دلیہ بھی بنالائی۔ دوائیں لیتے ہی ضوفشاں نیم غنودگی کی کیفیت میں چلی گئی تھی۔ دوپہر تک بخار کا تھوڑا سا زور ٹوٹا تھا۔

لائبہ نے جائے نماز بچھا کر شکرانے کے نوافل ادا کیے۔ شام کے وقت شہود بھائی کا فون آیا تھا۔ وہ ہر دوسرے روز فون کر کے خیریت پوچھتے رہتے تھے۔ اس نے انہیں ضوفی کے متعلق بتانے سے قصداً گریز کیا۔ یہ دکھ تو جیسے اس کی جان سے لگ کر رہ گئے تھے، وہ انہیں کیا پریشان کرتی۔ رات تک ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق ضوفی کی طبیعت سنبھلی تھی مگر نقاہت اتنی تھی کہ اٹھ کر بیٹھنے اور آنکھیں کھول کر دیکھنے کی اس کے اندر ہمت نہیں تھی۔ رات کو اس نے چندابی کو اس کے کوارٹر میں بھیج دیا تھا۔ وہ خود ہی رات کافی دیر تک ضوفشاں کے سرہانے بیٹھی اس کا سر دباتی رہی۔ کل رات وہ سو نہیں سکی تھی اچانک ہی آنکھ لگ گئی۔ اس کا سر دباتے دباتے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ غافل ہو گئی تھی۔

نجانے وہ رات کا کون سا پہر تھا جب ضوفی کی کراہوں سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ پہلی نگاہ ڈالتے ہی وہ اصل صورت حال کا کچھ اندازہ ہی نہیں کر پائی تھی مگر جب منظر واضح ہوا تو اس کے رونگھٹے کھڑے ہو گئے۔ ضوفشاں کی طبیعت کے خیال سے اس نے رات کو ہی ٹب لا کر بیڈ کے نیچے رکھ دیا تھا، اس میں وہ اس کا ہاتھ منہ دھلواتی رہی تھی۔ ایک دو دفعہ قے آنے پر بھی ضوفی نے یہی ٹب استعمال کیا تھا۔ اب بھی ضوفی نے اسی ٹب میں پھر قے کی تھی۔ مگر اس بار ٹب کی تہہ گہرے سیال خون سے بھر گئی تھی۔ خون دیکھ کر لائبہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ سب احتیاطی تدابیر بھول گئی، پتھرائی آنکھوں سے مسلسل سسکتی، اذیت اور تکلیف سے اپنا سر مارتی ضوفی کو دیکھے گئی۔ ذہن بالکل خالی تھا۔ کچھ یاد ہی نہ رہا۔ کچھ فکر مندی، اذیت، پریشانی، کم ہمتی اور لاچاری نے اس کی رہی سہی عقل کو بھی زائل کر دیا تھا۔ ضوفی کی آواز حلق سے برآمد نہیں ہو رہی تھی سوائے کراہوں کے وہ سخت تکلیف میں تھی۔ اشارے سے لائبہ کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ وہ فوراً ہمت کرتے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنی کمزوری کو نظر انداز کیے وہ ڈاکٹر کے نمبر پش کرنے لگی مگر نمبر زمل کے ہی نہیں دے رہے تھے۔ اس نے کئی بار ٹرائی کیا تھا۔ اس وقت صبح کے چار بج رہے تھے، اس نے ہمت کر کے ایک دفعہ پھر نمبرز ملائے، دوسری طرف مسلسل بیل جا رہی تھی کوئی فون ہی نہیں اٹھا رہا تھا۔ انتہائی بے بسی پر پیچ کر روتے ہوئے غصے سے فون اٹھا کر دور پھینک دیا۔ ضوفی ابھی بھی ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ وہ شدت کرب تنہائی اور آفت ناگہانی سے رو پڑی۔ فوراً باتھ روم میں گھس گئی۔ اب صرف اس وقت ایک ہی در تھا جو کھلا ہوا تھا وضو کر کے وہ جائے نماز پر گر گئی۔ پتا نہیں اذانیں ہو چکی تھیں یا نہیں، اسے کسی بھی بات کا ہوش نہیں تھا۔ رو رو کر ضوفی کی زندگی کی دعائیں مانگتے اسے کچھ اور نہیں سوجھ رہا تھا۔ جائے نماز لپیٹ کر اس نے بیگ میں سے کچھ رقم نکالی اور چپل اڑس کر باہر نکل آئی۔ چندابی اور اس کے چودہ سالہ بیٹے کو ساتھ لیے ان کی مدد سے ضوفی کو گاڑی میں ڈالا تھا۔ چوکیدار کو گھر کی حفاظت کی تاکید کر کے ان دونوں کو ساتھ لیے وہ بہت تیزی سے گاڑی چلا رہی تھی۔ لائبہ نے اپنی پوری زندگی میں اس سے زیادہ تیز رفتاری سے گاڑی نہیں چلائی تھی۔ سڑکیں سنسان تھیں وہ بہت تیزی سے اسپتال کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ راستے میں بھی ضوفی نے ایک دفعہ پھر خون آلود قے کی تھی۔ اسپتال میں اس وقت اسے کوئی ڈاکٹر نہیں مل رہا تھا اور جو مل رہا تھا اس کا ٹریٹمنٹ اسے مطمئن نہیں کر پا رہا تھا۔ فون کروا کر اس نے اسپشلسٹ ڈاکٹرز بلوائے تھے۔ ضوفی آئی سی یو میں تھی اور وہ باہر روتی، دعائیں مانگتی بے چینی و بے قراری سے ٹہلتی رہی۔ زندگی اس سے امتحان در امتحان لے رہی تھی اب اس مقام پر اسے اپنا حوصلہ کمزور دکھائی دیا۔ ایک عرصے سے وہ یہ سارے دکھ، سارے امتحان سہہ رہی تھی اب تو وجود آبلہ پائی کے سبب نڈھال تھا۔ نرم و نازک وجود بے جان مٹی میں ڈھل چکا تھا۔ ٹانگوں میں کھڑے رہنے کی سکت نہیں تھی، وہ وہیں کونے میں گر گئی۔ گھٹنوں میں منہ چھپا کر باآواز بلند روتی رہی۔ چوکیدار کی بیوی اس کا برابر حوصلہ بڑھا رہی تھی، تسلیاں دے رہی تھی مگر وہ تو کچھ سن ہی نہیں رہی تھی، بس آنکھوں کے سامنے سرخ گہرا سیال خون گردش کر رہا تھا۔ کان ضوفی کی کراہوں، سسکیوں سے گونج رہے تھے۔ اس کے اعصاب چٹخنے لگے مگر وہ ضوفی کو دیکھے بغیر ابھی ہمت نہیں ہارنا چاہتی تھی، اگر وہ خود ہار گئی تو ضوفی بھی مر جائے گی، وہ خود کو ضوفی کے لیے سنبھال کر رکھنا چاہتی تھی۔ اس کی قوت ارادی نے اس کے اندر اک جان ٹھہرا دی۔ ڈاکٹر باہر نکلے تو انہوں نے خون کا بندوبست کرنے کو کہا۔ بار بار خون کی قے کرنے سے اسے خون کی اشد ضرورت تھی لیکن اس وقت وہ کہاں سے بندوبست کرتی، وہ کس کو کہتی، کہاں جاتی، سب راستے دھندلائے ہوئے تھے۔ وہ ایک دم رو پڑی۔

''ڈاکٹر پلیز! میرے جسم سے سارا خون نکال لیں، مجھے یہ خون نہیں چاہیے یہ زندگی بھی نہیں چاہیے، پلیز میری بہن کو بچا لیں۔ میری گڑیا ضوفی کو بچا لیں۔ میرا اور اس کا بلڈ گروپ ایک ہی ہے، ایک دو کیا، جتنی بھی بوتلیں چاہیے میرے جسم سے نکال لیں۔'' وہ بہن کی محبت میں چور اس وقت پاگل دیوانی بنی ڈاکٹر کے سامنے ہاتھ جوڑے روئے جا رہی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے بغور دیکھا پھر سر ہلاتے نرس کو کچھ کہتے وہ چلا گیا تھا۔ نرس کے ہمراہ آئی سی یو روم تک جاتے لائبہ ایک دم بہت پرامید ہو گئی تھی۔ اس کے جسم سے نکلا خون قطرہ قطرہ ضوفی کے جسم میں منتقل ہوتا جا رہا تھا۔ اسے قطرہ قطرہ زندگی ملتی جا رہی تھی مگر اس کی اپنی آنکھیں رفتہ رفتہ بند ہوتی جا رہی تھیں۔

خون دینے کے بعد ڈاکٹر نے اسے کافی گھنٹوں تک دوائیوں کے زیر اثر سونے پر مجبور کر دیا تھا۔ اگلے دن آٹھ بجے کے قریب اس کی دوبارہ آنکھ کھلی تھی۔ نرس کو اپنے قریب دیکھ کر اس نے بے تابی سے پوچھا۔

''میری بہن ضوفی کیسی ہے؟''

''وہ ڈاکٹر ذوالقرنین کی نگہداشت میں ہیں۔ آپ بھی اس وقت ان کی مریضہ ہیں۔ آپ کی بہن بہت بہتر ہیں، خون نے کام دکھایا ہے۔ آدھی رات کے قریب انہیں ہوش آیا تھا۔ ڈاکٹر نے پھر بے ہوش کر دیا، اب شام کے قریب ہی دوبارہ ہوش میں آئیں گی۔ آپ بتائیں آپ اب کیسا محسوس کر رہی ہیں؟''

''میں ٹھیک ہوں۔ کیا میں ضوفی کو دیکھ سکتی ہوں؟'' بستر پر بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا تو نرس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ابھی نہیں...... آپ یہ پھل لیں اور کچھ کھائیں جب آپ پرسکون ہو جائیں گی تب آپ کو اجازت ہوگی۔'' سیب کی قاشیں کاٹ کر اس کی طرف بڑھاتے نرس نے مزید کہا۔ چندابی بھی وہیں آ گئی تھیں۔ وہ مطمئن ہو کر نرس کی ہدایات پر عمل کرنے لگی۔ دو گھنٹوں بعد ڈاکٹر ذوالقرنین بھی اس کی خیریت دریافت کرنے آئے تھے۔

''کیسی ہیں اب آپ آپ تو اپنی بہن سے زیادہ بیمار لگ رہی ہیں؟'' اس کی کلائی تھام کر نبض چیک کر کے اس نے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ اس

ریمارکس پرہنس دی۔ ''ان کو تین عدد خون کی بوتلیں لگی ہیں۔ اگر سارا خون آپ کے جسم سے نکالنا پڑ جاتا تو اس وقت آئی سی یو روم میں آپ ہوتیں اور آپ کی بہن آپ کی جگہ پر اس بستر پر ہوتیں۔'' ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے مزید کہا۔ اس کے مسکراتے لب ایکدم ساکت ہوگئے۔

''تین بوتلیں؟'' لائبہ کا انداز حیرت کے ساتھ ساتھ استفہامیہ تھا۔

''جی ہاں! جس وقت آپ ان کو لے کر آئی تھیں تو فوراً خون کا بندوبست کرنے میں مسئلہ ہوگیا تھا۔ میری بہن اور میرا بلڈ گروپ بھی آپ کی بہن سے ملتا تھا۔ ایک ایک بوتل دینے کے بعد ہمیں مزید خون کی ضرورت تھی۔ وہ آپ نے پوری کردی۔ ویسے خون دینا عطیہ ہے۔'' وہ آخر میں پھر مسکرایا۔ وہ ابھی تک حیرت میں تھی۔

''آپ کی سسٹر؟''

''ڈاکٹر عطیہ جو میرے ساتھ تھیں' وہ میری سسٹر ہیں۔''

''تھینک یو سو مچ...... اتنا بڑا احسان! میں ساری زندگی بھی گروی رکھ دوں تو یہ احسان نہیں اتار پاؤں گی۔'' وہ کہتے کہتے پھر رو پڑی تو ڈاکٹر مسکرایا تھا۔

''کوئی بات نہیں' یہ زندگی ہے' یہاں یہ سب چلتا رہتا ہے۔ کبھی آپ ہماری مدد کردیجیے گا' فی الحال تو آپ یہ کریں' آپ کی بہن کو شام تک ہوش آجائے گا تب تک آپ اپنے گھر جا کر آرام کریں۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں وہ اب ٹھیک ہیں۔'' جواب میں وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ ڈاکٹر چلا گیا تھا اس کا دل گھر جانے کو بالکل نہ چاہا۔ دوپہر کے بعد اس نے استقبالیہ سے فون کر کے چندا بی بی کو جلد کھانا لانے کی تاکید کی۔

......❀......

ڈاکٹر ذوالقرنین نے اسے اپنے آفس میں بلوایا تھا۔ اندر داخل ہوئی تو وہ منتظر تھا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' لائبہ کے سلام کرنے پر اس نے پوچھا وہ سر ہلاتی سامنے دھری کرسی پر بیٹھ گئی۔ ''دراصل مجھے آپ کی سسٹر کی کیس ہسٹری درکار ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں وہ اس حالت تک کیسے پہنچیں اور کب سے تھیں؟''

ان گزرتے چار دنوں میں اصل وجہ بتانے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی' اور کچھ وہ خود اس قدر مضطرب رہی تھی کہ ڈاکٹر نے اس سے کچھ پوچھا ہی نہیں تھا۔ اب ڈاکٹر کی بات پر سوچ میں پڑ گئی کہ کیا بتائے' کسی کے سامنے اپنا آپ عیاں کرنا کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔ پھر صوفی کی زندگی کا سوچ کر اس نے الف سے یے کرے تک ساری حکایت کہہ سنائی' اپنی ذات سمیت۔ ساری بات سن کر ڈاکٹر نے کوئی سوال نہیں اٹھایا تھا اور نہ کوئی دل آزار تبصرہ کیا تھا۔ بس ساری گفتگو سن کر صوفی کے کیس پر تبصرہ کرتا رہا' پھر وہ ڈاکٹر کی اجازت سے باہر آ گئی۔ اس وقت عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ سب کچھ کہہ دینے سے اپنا دل تو ہلکا ہوگیا تھا مگر اب سارا بوجھ دماغ پر آ کر ٹھہر گیا تھا۔ ڈاکٹر کی بار بار تسلی دینے کے باوجود وہ صرف ایک دفعہ گھر گئی تھی' وہ بھی مزید رقم کا بندوبست کرنے...... چوکیدار کی بیوی تینوں وقت اپنے بیٹے کے ساتھ کھانا لے کر آجاتی تھی۔ آج کل گھر کی ساری ذمہ داری اسی کے کندھوں پر تھی۔ شہود بھائی کا کئی دفعہ فون آچکا تھا جو چندا بی بی نے ہی ریسیو کیا تھا۔ اس نے اسے سختی سے بھیا کو پریشان کرنے سے منع کردیا تھا۔ اسی کے ذریعے اسے علم ہوا تھا کہ بھابی کے بھائی کو مے سے

باہر آگئے ہیں' اب ان کی حالت کافی بہتر ہے اور بھیا اسی ہفتے واپس آنے کی کوشش کریں گے۔

''اوہ......آہ......ی'' سر جھکائے چلتے ہوئے وہ اپنے خیالوں میں اس قدر مگن تھی کہ کسی بت کی طرح ایستادہ سنگلاخ ستون سے ٹکرائی تھی۔ بے اختیار پیشانی سہلاتے اس نے سر اٹھا کر ساکن مگر سانس لیتے وجود کو دیکھا۔ ایک نظر ڈال کر وہ بھی سامنے والی شخصیت کی طرح ساکن و جامد ہوگئی تھی۔ ایک لمحہ پہلے جاگنے والا درد بالکل بھول بھال گیا تھا۔ ''اے ایس پی فوزان صدیقی......!'' اس کے لبوں نے جنبش کی تھی مگر آواز کہیں اندر ہی دب گئی۔ وہ بھی شاید یوں اچانک سر راہ مل جانے پر انہی لمحوں کا اسیر تھا۔ پلکیں جھپکائے بغیر متواتر دیکھے گیا۔ دونوں ساڑھے چھ ماہ بعد آمنے سامنے ہوئے تھے۔ لائبہ کو یقین نہیں آرہا تھا وہ ابھی ڈاکٹر ذوالقرنین سے اس شخص کا ذکر کررہی تھی' اس کے بھائی کے متعلق بتارہی تھی۔ اب وہ سامنے تھا۔ اسے یہ اپنا کوئی وہم ہی لگا۔ بے اختیار آنکھیں بند کرکے دوبارہ کھولیں تو وہ وہی تھا۔ جیتا جاگتا فوزان صدیقی' ایک دوسرے کے سامنے کھڑے بہت قریب' وہ دونوں ہی جیسے ہوش میں نہیں تھے۔ پھر فوزان صدیقی نے ہی ایک دو قدم پیچھے کی طرف بڑھاتے حال میں لوٹتے اس خاموش تاثر کو زائل کرنے کی کوشش کی۔

''لائبہ! آپ یہاں......؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ لائبہ افتخار کی آنکھوں میں آنسو بننے کا عمل بہت تیزی سے جاری ہوا۔ وہ اتنے دنوں سے بالکل تنہا قسمت سے لڑ رہی تھی۔ یہ سب جھیل رہی تھی۔ اور اب جب دکھ ختم ہونے والا تھا تو وہ پھر سامنے آگیا تھا۔ جس نے اس کی ہمیشہ بروقت مدد کی تھی۔ لائبہ کو لگا اگر وہ ایک منٹ مزید اس کے سامنے جمی رہی تو پانی بن کر بہہ جائے گی۔ اتنے دنوں کا سنبھال سنبھال کر رکھا جانے والا حوصلہ و عزم اس وقت بھربھری مٹی میں ڈھلتا جارہا تھا۔ وہ کوئی بھی جواب دیئے بغیر ایک دم رخ موڑ کر اس سے کنی کترا کر بہت عجلت میں ایک جانب سے ہو کر تقریباً بھاگتے ہوئے راہداری عبور کرآئی۔ وہ اپنی یہ کیفیت بالکل نہیں سمجھ پارہی تھی۔ ضوفی کے کمرے میں داخل ہو کر اس نے فوراً دروازہ بند کیا پھر دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھتی چلی گئی۔ ضوفی اس وقت سو رہی تھی۔ نرس بھی کمرے میں نہیں تھی وہ گھٹنوں میں منہ چھپا کر رو تی گئی۔ سارا عزم و حوصلہ آنسوؤں کی نذر ہوتا بہتا چلا گیا۔ ضوفی زبیر صدیقی سے کس قدر محبت کرتی تھی۔ صرف اسی وجہ سے وہ اس حال تک پہنچی تھی۔ اس دن جب وہ فوزان صدیقی کے ہمراہ آخری بار کھڑی تھی اور اس نے اسے اپنا ایڈریس دیا تھا۔ گھر کا فون نمبر بھی تھا۔ اس نے وہ صفحہ وہیں کہیں راستے میں ہی پھینک دیا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ اب اسے اس شخص سے کبھی نہیں ملنا' کبھی رابطہ نہیں کرنا۔ اس کے دفتر کا فون نمبر اور ایڈریس بھی اس کے پاس تھا اس نے وہ فون نمبر بھی جلا دیا تھا مگر آفس کا ایڈریس اکثر یاد آجاتا تھا۔ وہ رات کتنی اذیت ناک تھی' قیامت جیسی جب اس نے ضوفی کی خون آلود قے دیکھی تھی۔ بے اختیاری میں شہود بھائی کی ڈائری سے ڈاکٹر کے نمبرز ملانے کی بجائے وہاں موجود اس شخص کے گھر کے نمبرز بار بار پش کرتی رہی تھی مگر دوسری طرف کوئی رسپانس ہی نہیں دیا گیا تھا۔ کتنا دکھ ہوا تھا اسے اس وقت' کتنے کرب میں ڈھل کر اس نے جائے نماز بچھائی تھی۔ وہ خود کو کمزور' کم ہمت اور بے حوصلہ سمجھتی تھی اللہ سے مدد مانگتے ہی وہ ایک دم نڈر ہوگئی تھی۔ اس کا اب یوں آنا سخت تکلیف پہنچا رہا تھا۔ اتنے دنوں کی بے آرامی ٹینشن اور نیند کی

[illegible] نے اس پر ایک ساتھ حملہ کیا تھا۔ وہ ابھی بھی آنکھوں سے رو رہی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔ بے اختیار لائبہ نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ ضوفی ابھی بھی سو رہی تھی اس نے دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کرکے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ اس وقت جس کیفیت سے گزر رہی تھی اس کے چہرے پر جو لکھا تھا وہ کسی کو بھی نہیں دکھانا چاہتی تھی تیزی سے پلٹ کر آنے والے کی طرف دیکھے بغیر وہ اٹیجڈ باتھ روم میں گھس گئی۔ بہت اچھی طرح منہ دھو کر دوپٹا درست کرکے اپنے آپ کو سنبھالتی جب وہ کمرے میں لوٹی تو ایک دفعہ پھر ساکت ہوگئی۔ ڈاکٹر ذوالقرنین کے ہمراہ وہی تھا۔ پولیس وردی میں ملبوس اپنے دراز قد وقامت اور وجیہہ جسامت کے باعث وہ ڈاکٹر ذوالقرنین کے پہلو میں کھڑا بہت پروقار اور بارعب لگ رہا تھا۔ لائبہ کے اندر داخل ہونے پر اس نے اسے دیکھا۔ اس وقت وہ کتنی شکست و ریخت کا شکار لگ رہی تھی' اس کی ساری حسیات آنکھوں میں سمٹ آئیں۔ وہ گن گن کر قدم اٹھاتے ضوفی کے پاس بیڈ پر ٹک گئی۔ ڈاکٹر ذوالقرنین نے لائبہ کو دیکھا اور اس نے دونوں کو۔ لب بالکل ساکت تھے۔

''میں انہیں چیک کرنے آیا تھا' یہ ٹھیک ہیں' میں شام کو پھر آؤں گا۔'' ڈاکٹر ذوالقرنین نے ضوفی کی کلائی تھام کر نبض چیک کی اور پھر باہر نکل گیا۔

''لائبہ! یہ کب سے بیمار ہیں۔ آپ نے مجھے اطلاع دی ہوتی۔ آپ یہاں تنہا کیوں ہیں اور یہ شہود علوی کہاں ہیں؟''

''شہود بھائی یہاں نہیں ہیں۔ میں پھر بھی کبھی تنہا نہیں رہی' اگر کبھی کوئی میرے ساتھ نہیں ہوتا تو اللہ کی ذات مجھے کبھی نہیں بھولتی۔ اس نے کبھی بھی میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔'' بہت تلخی سے جواب ملا تھا۔ فوزان نے بہت چونک کر اس کی آنکھوں سے چھلکتی ناگواری اور چہرے پر چھائی تلخی محسوس کی۔

''کیا بات ہے اور ضوفشاں کو کیا ہوا تھا؟'' وہ پھر اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔ لائبہ چپ رہی۔

''لائبہ پلیز بتائیں شہود علوی اور ان کی بیگم نظر نہیں آرہیں' کہاں ہیں وہ......؟'' وہی انداز تھا۔

''بھابی کے بھائی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا' سب وہاں گئے ہوئے ہیں۔'' اس نے مختصراً بتایا۔

''آئی ایم سوری! ایک عرصے سے شہود سے بھی ملاقات نہیں ہوئی ورنہ مجھے ضرور علم ہوتا۔ آپ نے مجھے خبر کی ہوتی۔ ٹھیک ہے ہمارے درمیان ایسا کوئی خاص تعلق نہیں ہے پھر بھی انسانیت کے ہی ناتے سہی......''

''کیا کرلیتے آپ آکر......؟'' اس نے پھر تلخی سے کہا۔

''لائبہ......'' اس نے فہمائشی نظروں سے دیکھا تھا۔ ''بعض اوقات کسی کے نہ ہونے سے کسی کا ہونا بہتر ہوتا ہے۔ اگر کچھ بھی نہ کرسکتا تو کم از کم تسلی و تشفی تو کرسکتا تھا۔ یا آپ نے مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا؟'' شکوہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں سے پھسل پڑا تھا۔

''بہت بہت شکریہ آپ کے مجھ پر پہلے ہی بہت سے عظیم احسانات ہیں۔ ابھی وہ ہی نہیں اتار پائی' نئے احسان کیا لوں؟ اللہ کا شکر ہے' یہ بچ گئی۔ وہ مشکل گھڑی خود بخود ٹل گئی۔'' فوزان خاموش ہوگیا تھا۔ وہ اس سے اس کے اس رویے کی وجہ پوچھ سکتا تھا مگر پھر بھی چپ ہوگیا۔ تھوڑی دیر وہ مزید رکا تھا' ضوفی کے متعلق چھوٹے چھوٹے سوال کرتا رہا' پھر اٹھ کر جانے کے لیے باہر نکلا تو لائبہ نے روک لیا۔

''بہت بہت شکریہ آپ کا...... آپ نے خواہ مخواہ زحمت کی۔ دنیا کی نظروں میں میں تنہا ضرور ہوں مگر بے یارومددگار نہیں۔ آج کل میں شہود بھائی آجائیں گے۔ دوبارہ ایسی زحمت کی ضرورت نہیں۔'' بہت ہی سرد الفاظ میں کہتے اس نے آرام سے دروازہ بھی بند کرلیا تھا۔

......❀......

وہ اسٹیشن اپنے آفس جانے کی بجائے دوبارہ ڈاکٹر ذوالقرنین کے آفس میں چلا گیا۔ اس نے لائبہ کو اسی آفس سے نکلتے دیکھا تھا پھر اسی سے اپنا نام بتا کر لائبہ افتخار کے متعلق دریافت کیا تو وہ بغور دیکھنے لگا پھر اسے ضوفی کے کمرے میں لے گیا تھا۔ اب دوبارہ وہ اس سے ضوفی کی بیماری کی وجہ پوچھ رہا تھا۔ ڈاکٹر ذوالقرنین نے اسے ساری صورت حال بتادی۔ یہ سب جان کر اسے سخت شاک پہنچا تھا۔ ڈاکٹر ذوالقرنین کے آفس سے نکل کر وہ پہلے اپنے آفس گیا تھا پھر وہاں کے ضروری امور نبٹا کر انیقہ آپی کے گھر چلا آیا۔ وہ کچن میں مصروف تھیں انہیں لائبہ اور ضوفی کے متعلق ساری صورت حال بتا کر ساتھ چلنے کی درخواست کی تو وہ فوراً تیار ہوگئیں۔ پہلی دفعہ جب وہ ضوفی کے انکار کے بعد گھر لوٹی تھیں تو بہت ناراض تھیں' اس رات جب زبیر نے انہیں لائبہ' ضوفی اور ان کی فیملی پر بیتنے والی قیامت کے متعلق بتایا تو سب کو اصل صورت حال جان کر دلی صدمہ پہنچا۔ اس کے بعد ماما سمیت سب دوبارہ لائبہ کے ہاں آنے پر بضد تھے مگر وہ اصل وجہ جانے بغیر انہیں دوبارہ وہاں لانے پر راضی نہیں ہوا تھا۔ پھر اس کے بعد جو ہوا اس سے سب کچھ ختم ہوگیا تھا اور اب جو ہوا تھا' وہ سب قدرت کی طرف سے تھا۔ اسے خود بہت تکلیف پہنچ رہی تھی۔ وہ دونوں جب اسپتال پہنچے تو لائبہ' ضوفشاں کو سوپ پلا رہی تھی۔ دونوں بہنیں فوزان کے ہمراہ انیقہ کو دیکھ کر چونک گئیں۔ ضوفی' فوزان کے آکر چلے جانے سے بے خبر تھی۔ فوزان کو دیکھ کر اس نے لائبہ کو دیکھا۔ وہ مشکل میں پڑ گئی۔ اس نے اسے دوبارہ آنے سے منع بھی کیا تھا پھر بھی

...... اور اب جبکہ وہ اپنی بہن سمیت دوبارہ یہاں موجود تھا تو وہ انہیں کمرے سے باہر نہیں نکال سکتی تھی اور نا ہی وہ اتنی بدتمیز تھی۔ وہ پیالہ ایک طرف رکھ کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیسی ہو تم دونوں......؟'' انیقہ نے آگے بڑھ کر بہت پیار سے گلے لگالیا وہ صرف گردن ہی ہلاسکی وہ پھر ضوفی کے پاس بیٹھ کر حال چال دریافت کرنے لگیں۔ اس ساری صورت حال میں فوزان صدیقی کھڑا رہا تھا۔ لائبہ نے اسے بیٹھنے کی پیشکش نہیں کی تھی نہ ہی وہ خود بیٹھا تھا۔

''لائبہ! تم گھر چلی جاؤ۔ بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔ ضوفی سے زیادہ تو مجھے تم قابل علاج محسوس ہورہی ہو۔'' اچانک ہی انیقہ نے کہا تو وہ ہلکے سے ہنس دی۔

''ہاں پری! آپ گھر چلی جائیں۔ کئی راتوں سے آپ سو نہیں سکیں' اس طرح تو بیمار پڑ جائیں گی۔''

''نہیں...... میں ٹھیک ہوں' میں گھر چلی گئی تو ضوفی یہاں تنہا رہ جائے گی۔'' اس نے نفی میں کہا۔

''تم ضوفی کی فکر مت کرو۔ میں اس کے پاس ہوں۔ تم گھر جاؤ۔'' انیقہ نے کہا تو وہ اس عنایت پر حیرانی سے دیکھنے لگی۔

''جی...... آپ؟''

''سنو' ہم مانتے ہیں ہمارا تم سے کوئی خونی رشتہ نہیں' پھر بھی سب سے بڑا رشتہ خلوص کا ہے انسانیت کا ہے۔ پہلے جو کچھ بھی ہوا وہ حالات کا پیدا کردہ تھا۔

اس میں ہمارا یا تمہارا کوئی دوش نہیں' تم ہماری محبت اور خلوص پر شک نہیں کرنا۔ اگر ہمیں علم ہوتا کہ تم یہ سب تنہا جھیل رہی ہو' تمہارے بھائی بھابی بھی یہاں نہیں ہیں تو فوراً آجاتے۔''

''آپ......!'' اس کی آواز رندھ گئی۔ مشکل گھڑی تو گزر گئی تھی مگر اس کے اثرات اور خوف ابھی بھی دریچہ دل پر دستک دیتے رہتے تھے۔ وہ انیقہ کی بات پر قطرہ قطرہ آنسو بہانے لگی۔ ''میں نے تو کتنی مرتبہ فوزان سے کہا کہ ہم دوبارہ تم لوگوں کے گھر ہوآئے ہیں مگر پھر تم لوگوں کی مجبوری جان کر چپ ہوگئے جو کچھ تم لوگوں نے جھیلا' اس کا ہمیں اندازہ ہے اسی لیے ہم نے خاموشی اختیار کرلی تھی۔ فوزان مجھے اسی لیے یہاں لے کر آیا ہے کہ ضوفی کے پاس ٹھہر جاؤں تم گھر چلی جاؤ اور جا کر کھانا کھاؤ' آرام کرو۔'' اس کے لرزتے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت سے کہا۔

''میں ضوفی کے لیے اتنی پریشان تھی کہ کچھ سمجھ ہی نہ آئی' یکدم اس کی حالت بگڑی تھی میں نے آپ کے گھر کتنی مرتبہ فون کیا مگر کوئی رسپانس ہی نہ ملا۔'' انیقہ نے تو دیکھا ہی فوزان جو اتنی دیر سے بالکل خاموش تھا وہ بھی چونکا۔

''کب......؟'' یہ فوزان صدیقی ہی تھا جو اب بولا تھا۔ اس نے فوزان کو دیکھا۔

''جس رات ضوفی کی حالت بہت خراب تھی۔ میرا خیال تھا کہ ضوفی کو ہاسپٹل لے جاؤں یا ڈاکٹر کو بلالوں۔ صبح چار بجے کے قریب' میں نے بار بار رنگ کیا تھا' مگر......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہوگئی۔

''آپ کہیں سوموار اور منگل کی درمیانی شب کی بات تو نہیں کررہیں؟'' اس نے پوچھا تو اس نے سر ہلادیا۔ ''آئی ایم سوری...... اس رات میں گھر پر نہیں تھا' کہیں ڈیڈ کے لیے گیا ہوا تھا۔ میرے بابا آپ کو علم ہوگا چل پھر نہیں سکتے' اس لیے وہ فون بھی نہیں اٹینڈ کرسکے ہوں گے۔''

''آئی ایم سوری لائبہ......!'' انیقہ نے ہاتھ پکڑ کر کہا تو وہ مسکرادی۔ ساری تلخی تو جیسے انہیں دیکھتے ہی ختم ہوگئی تھی' اب یہ گرہ کھلی تو وہ بہت ہلکی پھلکی ہوگئی۔

''فوزان! تم لائبہ کو گھر لے جاؤ اور لائبہ! تمہیں اب ضوفی کی طرف سے فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب تک شہود نہیں آجاتے میں یہیں رہوں گی اور فوزان بھی تو ضوفی کا بھائی ہے فکر کیوں کرتی ہو؟ اب ہم آگئے ہیں انشاء اللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ تم بس گھر جاؤ۔'' وہ ان دونوں کے خلوص کو دیکھتی رہی۔

''کیا دنیا میں ان جیسے بے غرض لوگ بھی ہوتے ہیں۔'' ان کے چہروں کو کھوجتی رہی۔ اسے ضوفی کے بار بار اصرار کرنے اور انیقہ آپی کے مطمئن کرانے پر گھر آنا پڑا تھا۔ فوزان صدیقی کی گاڑی میں اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھتے اسے گھر آنے تک خوف گھیرے ہوئے تھا مگر اس خوف میں پہلے والی شدت نہیں تھی۔ بلکہ اس دفعہ دانستہ ایک جھجک اور لاتعلقی کا عنصر غالب تھا۔

''بہت بہت شکریہ!'' شہود بھائی کے گھر کے گیٹ کے سامنے گاڑی سے اترتے لائبہ نے کہا تو نجانے کیوں وہ بے اختیار مسکرا اٹھا تھا۔

''آپ مزید کچھ نہیں کہیں گی؟'' اسٹیئرنگ پر دونوں ہاتھ جمائے وہ پوچھ رہا تھا۔ وہ ناسمجھی کے عالم میں ہونقوں کی طرح تکنے لگی۔ فوزان کے لبوں پر کھلنے والی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوگئی۔ ''آپ کے مجھ پر بہت سے احسانات ہیں' آپ نے خواہ مخواہ

زحمت کی۔ دوبارہ ایسی زحمت کی ضرورت نہیں...... وغیرہ وغیرہ......'' لائبہ کی تیوریوں کے بل ایکدم گہرے ہوئے تھے اس نے عجیب نظروں سے اس کی آنکھوں سے چھلکتی مسکراہٹ کو پرکھا۔

''آپ اندر آجائیں۔'' وہ ایک دم کہہ کر گیٹ سے اندر بڑھ گئی تھی۔ کچھ سوچتے فوزان نے بھی اس کی تقلید کی۔ اسے لاؤنج میں بٹھا کر پہلے سارے گھر کا جائزہ لیا پھر کچن میں جاکر چائے بنائی اتنی دیر میں چندابی بی بھی آگئی تھی۔ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

''ضوفی بی بی کی طبیعت کیسی ہے اب؟'' اس نے گردن ہلادی۔

''دعا کرو وہ جلد مکمل طور پر صحت یاب ہوکر گھر آجائے پھر میں تمہاری پوری فیملی کو کپڑے بنوا کردوں گی۔'' اندر کیا مطمئن ہوا تھا اسے اور بھی بہت کچھ سوجھنے لگا تھا۔ وہ غریب عورت دعائیں دینے لگی۔ وہ مسکرادی۔ اسے ٹرے دے کر لاؤنج میں بھیجا اور خود اپنے کمرے میں آگئی۔ کپڑے بہت میلے ہورہے تھے۔ دو دن سے بدلے بھی نہیں تھے۔ جلدی سے چینج کرکے وہ واپس لاؤنج میں پہنچی۔ فوزان چائے ختم کرچکا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں چلتا ہوں اب' اگر کوئی کام ہوتو مجھے بتادیں۔'' لائبہ نے نفی میں گردن ہلادی۔ فوزان نے ایک پرسکون سانس لی۔ وہ پہلی نظر میں جس قدر ناراض اور اپ سیٹ دکھائی دی تھی' اب اسی قدر مطمئن و پرسکون تھی' وہ اسے یونہی دیکھنا چاہتا تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ لیے مطمئن وشاد ہنستا مسکراتا۔ ''میں ڈاکٹر ذوالقرنین سے ملا ہوں۔ ضوفی کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا۔ آئی ایم سوری!'' بیرونی دروازے کی طرف بڑھتے وہ کہہ رہا تھا۔ لائبہ خاموش رہی۔ ''آپ ناراض ہیں ہم سے......؟'' لاؤنج کے دروازے پر رک کر اس نے لائبہ کو دیکھا تو اس نے خاموشی سے گردن جھکالی۔

''آپ کا کیا قصور ہے۔ ضوفی کی قسمت میں شاید یہی کچھ تھا۔ خواب تو ہر کوئی دیکھتا ہے' ضروری تو نہیں تعبیر بھی من چاہی ہو۔ ضوفی بہت حقیقت پسند لڑکی ہے' بہت جلد سنبھل جائے گی۔'' اس نے فوزان سے زیادہ خود کو تسلی دی۔ وہ صرف دیکھتا رہا۔

''پھر بھی میں بہت شرمندہ ہوں۔ ہماری وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچی۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ وہ پرسکون ہوتی گئی۔ یہ جملے کتنی تقویت پہنچا رہے تھے' یہ صرف وہی جانتی تھی۔ ''لائبہ! اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ آپ نے ہمارے گھر فون کیا ہے تو میں کہیں بھی ہوتا ضرور پہنچتا۔ آئی ایم سوری آئندہ ایسی کوتاہی نہیں ہوگی۔'' لائبہ افتخار نے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا تھا صرف مسکرائی تھی۔ فوزان صدیقی نے اس کی مسکراہٹ سے اپنے اندر باہر روشنی ہوتی محسوس کی۔

لائبہ افتخار کو گھر چھوڑنے کے بعد وہ اپنے آفس چلا گیا تھا۔ اب گھر لوٹا تو رات کافی بیت چکی تھی۔ بابا جان شدت سے منتظر تھے۔

''فوزان پتر! بڑی دیر کردی تو نے......'' وہ جب بھی بہت زیادہ خوش یا پریشان ہوتے تھے اسے اسی طرح مخاطب کرتے تھے۔ خادم حسین ان کی ٹانگیں دبا رہا تھا۔ فوزان کے اشارہ کرنے پر وہ اٹھ کر اندر چلا گیا تھا۔ وہ ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر کارپٹ پر بیٹھ گیا۔

''بس بابا جان! ادھر ادھر کے کام نبٹاتے دیر ہوگئی۔'' بابا جان اپنے اس خوبرو' حوصلہ مند باوردی بیٹے کو دیکھ کر جی اٹھتے تھے۔ ان کا ڈھیروں خون بننے

آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے تھے۔

''جیتے رہو' اللہ عمر دراز کرے۔ بہت کام کرنے لگے ہو۔ نہ دن کی پروا' نہ رات کا ہوش۔ آج دوپہر کو بھی کھانے پر نہیں آئے۔ جانتے ہو نا میں تمہارے بغیر ایک لقمہ بھی نہیں توڑتا۔ نا ہی خود فون کیا اور نا ہی فون پر ملے' کیا بہت ہی مصروف ہوگئے کہ بوڑھا باپ بھی بھول گیا؟'' فوزان کے بالوں کو سہلاتے انہوں نے محبت بھرا شکوہ کیا' فوزان ایک دم چونک گیا۔

''کیا......! آپ نے دوپہر کو کھانا نہیں کھایا تھا؟'' اسے بے حد تشویش ہوئی۔

''خادم حسین نے کھلا دیا تھا۔ تم نے ہی تو اسے کہہ رکھا ہے تین بجے سے پہلے مجھے کھانا دے دیا کرے۔''

''بس بابا جان! بہت ضروری کام تھے' اتنے اہم کہ فون کرنا بھی یاد نہ رہا۔'' یکدم فوزان کے لہجے میں ایک بھرپور تھکن اتر آئی تو بابا جان نے بغور اسے دیکھا۔

''بہت تھکے ہوئے ہو' جاؤ پہلے جاکر کچھ کھاپی لو۔ جانے دوپہر کو بھی کچھ کھایا پیا ہے کہ نہیں یونہی سارا سارا دن بغیر پیٹ میں کچھ ڈالے رہتے ہو۔'' پدرانہ شفقت لیے ہوئے کہہ رہے تھے۔ فوزان مسکرادیا۔

''دیکھ فوزان بیٹا! یہ نوکری اور فرض سب اپنی جگہ مگر یہ پیٹ بھی تو کچھ مانگتا ہے۔ تیرا نفس بھی تو ہے اس کی بھی کچھ طلب ہے اوروں کے لیے اپنے آپ کو مت بھولو۔ اسی لیے تو کہتا ہوں شادی کرلو۔ بیوی آجائے گی تو تجھے اپنا بھی خیال آئے گا۔ بہت عمر اس لڑکی کے لیے گزارلی۔ اب اپنے اس بوڑھے باپ کا بھی خیال کرلے۔'' بابا جان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ فوزان خود کو خاصا بے بس محسوس کرنے لگا۔ لب بھینچتے ہوئے کچھ بھی کہنے سے گریز کیا۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلے کمرے میں جاکر کپڑے تبدیل کیے پھر کھانا کھایا۔ خادم حسین بابا جان کو ان کے کمرے میں لے گیا تھا۔ رات کافی ہورہی تھی۔ سونے سے پہلے وہ ایک دفعہ بابا جان کے کمرے میں ضرور آتا تھا۔ بابا جان سورہے تھے۔ خادم حسین بھی ان کے پاس ہی لیٹا ہوا تھا۔ وہ بغیر آواز پیدا کیے واپس اپنے کمرے میں آگیا۔ لائٹ بند کرکے بستر پر دراز ہوا تو بے پناہ تھکن کے باوجود آنکھوں میں کہیں نیند کا نام ونشاں تک نہ تھا۔ آج سارے دن کے واقعات ذہن میں گردش کرنے لگے۔ پھر ایک چہرہ سب نظاروں پر حاوی ہوگیا۔ فوزان کو اپنے گرد تروتازہ سی معطر ہوائیں رقص کرتی دکھائی دیں۔ اس کے وجود کی طرح اس کی یاد بھی اتنی ہی پاکیزہ وسحر انگیز تھی۔

''لائبہ افتخار......!'' وہ بہت عرصے سے اپنے اس کمرے کی تنہائیوں میں اس کی یاد کے سہارے زندگی گزار رہا تھا۔ اکثر ہونٹوں سے یہ نام خود بخود جاری ہوجاتا تھا اور پھر کبھی کبھی زندگی بہت حسین اور بہت کٹھن لگنے لگتی تھی۔ فوزان کے ذہن میں اس کی آنکھوں میں کس تیزی سے آنسو بننے کا عمل پورے سیاق وسباق سے محفوظ رہ گیا تھا۔ کپکپاتی' لرزتی پلکوں کی معصوم لرزش' گداز گلابی ہونٹوں کی دل موہ لینے والی کپکپاہٹ' دھواں دھواں ہوتا ناراض چہرہ اور جھلملاتی آنکھیں...... ایک ایک نقش ازبر تھا۔

''مجھے پتا ہے لائبہ افتخار! تم میرا مقدر نہیں ہو۔ مگر وہ صرف تم ہی ہو جس پر میری تلاش آکر مٹ جاتی ہے' قدم خود بخود تمہاری طرف اٹھنے لگتے ہیں۔ صرف تم ہی تو ہو جس سے دل کے ساتھ ساتھ سوچ کی ڈور بھی بندھ گئی ہے۔ سارے جذبے سارے احساس

سب منظر تمہاری یاد کے صرف ایک جھونکے سے ہی معطر ہوتے جاتے ہیں۔ تم نہیں تو کوئی نہیں۔ بابا جان کی خواہش کو ٹالتے ایک احساسِ ندامت ضرور گھیر لیتا ہے۔ میں نے زندگی میں ہر کام بہت فیئر ہو کر کیا ہے۔ پھر اس موڑ پر اتنی بڑی بددیانتی کیوں کر جاؤں......؟ بابا کی خاطر شاید خود کو اور اپنے دل کو بہلا لوں مگر کسی اور سے ناانصافی اور خیانت کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں۔'' فوزان نے بہت کرب و آہستگی سے پلکیں موند لیں۔ ذہن کا دریچہ کھلا ہوا تھا۔ پھر نجانے کہاں سے لفظ لفظ موتی روشنی کی صورت دل میں اترنے لگے۔

تمہارا نام ایسے ہی میرے ہونٹوں پر کھلتا ہے
اندھیری رات میں جیسے
اچانک چاند بادل کے کسی کونے سے جھانکتا ہے
اور سارے منظروں میں
روشنی سی پھیل جاتی ہے
کلی جیسے لرزتی
اوس کے قطرے پہن کر مسکراتی ہے
بدلتی رت کسی مانوس سی آہٹ کی
ڈولی لے کے چلتی ہے
تو خوش بو باغ کی دیوار سے رو کے نہیں رکتی
اسی خوش بو کے دھاگے سے میرا ہر چاک سلتا ہے
تمہارے نام کا تارا میری سانسوں میں کھلتا ہے
تمہیں میں دیکھتا ہوں
جب سفر کی شام سے پہلے
کسی الجھی ہوئی گمنام سی چنتا کے جادو میں
کسی سوچے ہوئے بے نام لمحے کی خوش بو میں
کسی موسم کے دامن میں
کسی خواہش کے پہلو میں
تو اس خوش رنگ منظر میں تمہاری یاد کا رستہ
نہ جانے کس طرف کو جا نکلتا ہے
اور پھر ایسے میری ہر راہ کے ہمراہ چلتا ہے
کہ آنکھوں میں ستاروں کی گزرگاہیں سی بنتی ہیں
دھنک کی کہکشائیں سی
تمہارے نام کے ان خوشنما رنگوں میں ڈھلتی ہیں
کہ جن کے لمس سے جگنو رقص کرتے ہیں
تمہارے خواب کا رستہ میری نیندوں سے ملتا ہے
تو دل آباد ہوتا ہے
میرا ہر چاک سلتا ہے
میرا ہر چاک سلتا ہے
تمہارے نام کا تارا
میری راتوں میں کھلتا ہے

......☆☆☆......

''بسم اللہ...... بسم اللہ! خیر سے میرا پتر تے میری دھی آئی اے۔'' دونوں نے جیسے ہی گھر کی دہلیز پر قدم رکھا کھرے میں برتن مانجھتی اماں پلو سے دونوں ہاتھ صاف کرتے ہوئے ان کی طرف بڑھیں۔

''السلام علیکم اماں!'' دونوں نے بہ یک زبان سلام کیا۔ تو اماں نے باری باری دونوں کو گلے لگاتے دونوں کی پیشانی چومی۔

''وعلیکم السلام! خیر سے ماں کی یاد آ گئی؟'' برآمدے کی طرف لے جاتے اماں نے شکوہ کیا تو دونوں ہنس دیے۔

''ارے پیاری اماں! تم بھولتی ہی کب ہو؟'' فوزان نے بہت محبت سے کہتے اماں کی گردن میں بانہوں کا حصار کھینچ لیا۔ ''قسم سے ہر وقت تمہاری ہی یاد آتی رہتی ہے۔''

''چل...... پیچھے ہٹ! پتا ہے مجھے کتنی یاد آتی ہے تجھے میری۔ خود سے تو آنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ بار بار تیرے بابا نے اڈے سے جا کر فون کھڑکایا تو آج

...ہو تم دونوں۔'' اماں نے پھر ناراضگی بھرا شکوہ کیا ...نیناں نے فوراً اماں کے ہاتھ تھام لیے۔

''...ی اماں! روز سوچتے ہیں آنے کو مگر آپ کو کیا ...ڈاکٹری کی پڑھائی کتنی مشکل ہوتی ہے۔ آدھی ...جان نکل جاتی ہے اس میں......! وہ تو بار بار بابا کے ...فون کرنے اور چچا جان کے کہنے پر صرف ایک ہفتے ...کے لیے سب چھوڑ چھاڑ کر آئے ہیں۔'' نیناں کی ...بات پر اماں قدرے مطمئن ہوئیں۔

''اماں! ابا' زبیر اور زیبا کہاں ہیں؟'' ارد گرد ...دیکھتے گھر میں بالکل خاموشی محسوس کرتے ہوئے نیناں نے پوچھا۔

''ابا تو تیرے عصر کی نماز پڑھنے گئے تھے۔ زیبا ساتھ والے گھر میں گئی ہے اور زبیر بھی کہیں باہر نکل گیا ہے۔'' اماں انہیں بتاتے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ تو وہ ...بھی چل پھر کر اپنے گھر کو دیکھنے لگی۔ وہ پورے تین ماہ بعد اپنے گھر آئی تھی۔ فوزان تو اکثر آتا رہتا تھا جب کہ وہ اپنی پڑھائی کی وجہ سے نہیں آ سکی تھی۔ اماں کھانے پینے کا بندوبست کرنے لگیں تو وہ بھی ان کا ہاتھ بٹانے لگی گو کہ اب چار سال شہر میں گزارنے کی ...وجہ سے لکڑیوں سے آگ جلانا بھول گئی تھی پھر بھی ...ماں کے منع کرنے پر ان کے ساتھ لگی رہی۔ وہ اور ...فوزان دونوں اپنے چچا کے گھر شہر میں رہ کر تعلیم ...حاصل کر رہے تھے۔ فوزان ماسٹرز کر رہا تھا۔ جب کہ ...نیناں کو ڈاکٹر بننے کا شوق تھا۔ وہ میڈیکل کے ...سے ایئر میں داخل ہوئی تھی۔ میٹرک تک تعلیم ...اس نے گاؤں میں ہی رہ کر حاصل کی تھی۔ ایف ایس ...سی چچا کے گھر لاہور میڈیکل کالج سے کیا تھا۔ اب وہ ...باقاعدہ میڈیکل کالج جوائن کیے میڈیسن پڑھ رہی ...تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اماں بابا فوزان اور چاچا ...سب کی انتہائی خواہش تھی کہ وہ ڈاکٹر بنے۔ نیناں

سے چھوٹی شہناں' اس کا رجحان فائن آرٹس میں تھا جب کہ سب سے چھوٹے زبیر اور زیبا دونوں ابھی کمسن ہی تھے اور دونوں گاؤں میں ہی رہ کر تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ دونوں ہی اسکول کے اسٹوڈنٹ تھے۔ ان کے بابا صدیقی صاحب بہت ہی نیک منش اور علم دوست انسان تھے۔ ان کی ساری عمر درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ گزری تھی۔ ماسٹر صدیقی کا پورا خاندان اسی گاؤں میں آباد تھا۔ چاچا اور بابا دو ہی تو بھائی تھے۔ بابا کو تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ اپنے اس شوق کی خاطر چوہدریوں کی مخالفت کے باوجود انہوں نے تعلیم حاصل کی تھی اور گاؤں کے ہی اسکول میں پڑھانے لگے تھے۔ بابا انتہائی خواہش کے باوجود صرف بی اے اور بی ایڈ ہی کر پائے تھے۔ بہت زیادہ تعلیم حاصل کرنے کا شوق انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو اعلیٰ تعلیم دلوا کر پورا کیا۔ بابا کی خواہش پر چاچا مقابلے کا امتحان پاس کر کے کمشنر بن گئے تھے۔ پورے گاؤں میں ان کے خاندان کی بہت عزت تھی۔ پڑھے لکھے ہونے کی وجہ سے ان کا گھرانا سارے گاؤں میں اپنی مہذب و شائستہ اطوار و اقدار کی بدولت بہت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اسی عزت کی بدولت اب چوہدری بھی کافی محتاط ہو گئے تھے۔ پہلے جو وہ ماسٹر صدیقی کو ڈراتے دھمکاتے رہتے تھے اب کنی کترا کر گزر جاتے تھے۔ شہر اور گاؤں کا فرق درمیان میں موجود ہونے کے باوجود دونوں بھائیوں کی اولادوں میں بلا کی محبت تھی۔ اس قدر یگانگت اور خلوص تھا کہ لوگ ان کے گھرانے کی مثال دیتے تھے۔ بابا اور چاچا کی طرح بہت زیادہ علم حاصل کرنے کا شوق اب ان کی اولاد میں بھی منتقل ہو گیا تھا۔ چاچا کے صرف تین ہی بیٹے

تھے۔ سب سے بڑا بیٹا رضوان تھا۔ رضوان اور فوزان دونوں ہم عمر ہی تھے۔ میٹرک کے بعد دونوں ایک ساتھ ہی پڑھتے چلے آرہے تھے۔ چاچا کی کوئی بیٹی نہ تھی۔ بیٹی کی کمی پوری کرنے کے لیے انہوں نے دس سالہ شہناں کو گود لے لیا تھا۔ وہ بچپن سے ہی شہر میں چاچا کے گھر رہنے کی وجہ سے قدرے مختلف تھی۔

سب سے بڑی بہن انیقہ تھی جس کی شادی اس کے انٹر کے دوران ہی بابا' اماں نے کردی تھی۔ بابا کی دور کی بہن نے رشتہ دیا تو لڑکے کا تابناک و روشن مستقبل دیکھتے ہوئے انہوں نے ہاں کردی۔ ابھی انیقہ نے ایگزیمز بھی نہیں دیے تھے کہ ان کی شادی ہوگئی اور پھر وہ اسلام آباد جاکر آباد ہوئیں۔ وہ اپنے گھر میں بہت خوشحال زندگی گزار رہی تھیں۔ نیناں کی نسبت رضوان سے دو سال پہلے ہی طے ہوئی تھی۔ بڑوں کے ساتھ ساتھ بچے بھی اس نئے تعلق پر دل و جان سے راضی تھے۔ نیناں میں ہر وہ خوبی موجود تھی جو کسی بھی آئیڈیل لڑکی میں ہوسکتی تھی۔ خوش شکل' خوش لباس' خوش مزاج' خوش گفتار و خوش انداز۔ فوزان کی نوعمری سے ہی انیقہ سے گہری دوستی تھی۔ اس کی شادی کے بعد خود بخود اس کی انڈر اسٹینڈنگ نیناں سے ہوتی گئی۔ دونوں میں دوسرے بہن بھائیوں کی نسبت بلا کی محبت وانسیت تھی۔

❀

"میری اماں دیکھو جانے دونا! اتنے مہینوں بعد تو آئی ہوں۔ سب لڑکیاں اور خالہ حمیداں خود پیغام دینے آئی تھیں' اب نہ گئی تو کتنا برا لگے گا؟" نیناں دو گھنٹے سے اماں کی خوشامد کررہی تھی مگر مجال ہے جو اماں کا دل پسیجا ہو۔

"نہیں' نین! کہہ جو دیا ہے نہیں جانا۔ تمہارا اباپ آئے گا خود ہی پوچھ لینا۔ میں تجھے اجازت دینے والی نہیں۔" اماں نے کئی بار کا کہا جملہ پھر دہرایا۔ نیناں کا منہ لٹک گیا۔ وہ منہ بسورتی اٹھی' اماں کے پکڑائے برتن چھوٹے سے صاف ستھرے باورچی خانے میں لاکر پٹخ دیے۔ وہ اپنا غصہ ہمیشہ یونہی نکالا کرتی تھی۔ برتنوں کی آواز سن کر اماں ہول گئیں۔

"ارے نین! آرام سے......! چینی کے برتن ہیں اگر ٹوٹ گئے تو پھر دیکھنا۔" دور سے ہی اماں کی آواز سنائی دی۔ وہ خاموشی سے برتن رکھنے لگی۔

ابا کی طرح اماں بھی اصول کی پکی تھیں۔ اگر کوئی بات ان کے اصول اور پسند کے برخلاف ہوگئی ہے تو کوئی کچھ نہیں کرسکتا ماسوائے ابا کے......! اگر وہ بھی ان کے ہم نوا ہیں تو پھر تو بات ہی گئی۔ ان کے محلے میں خالہ حمیداں کی بیٹی نسرین کی شادی تھی۔ نسرین اگرچہ نیناں سے ایک ڈیڑھ سال بڑی ہی تھی مگر چونکہ دونوں ایک ہی ساتھ کھیل کود کر جوان ہوئی تھیں۔ اسی لیے اس کی نسرین سے دوستی بھی تھی' ایک ہی محلے میں رہتے ہوئے اکثر آنا جانا ہوتا تھا۔ وہ جب بھی شہر سے لوٹتی تو نسرین سے ملنے ضرور جاتی تھی۔ اس دفعہ تو اس کی شادی بھی تھی جب کہ اماں نے صاف جانے سے منع کردیا تھا۔ بات تو کچھ بھی نہ تھی مگر اماں کو کون سمجھاتا۔ دوسری طرف خالہ حمیداں کے کئی پیغام آچکے تھے۔

"میں فوزان بھائی سے بات کروں گی وہ تو منع نہیں کریں گے۔" ایکدم سوچتے وہ فوزان کے کمرے میں آگئی۔ بابا کے اسکول چلے جانے کے بعد وہ دوبارہ سوچکا تھا۔ آگے بڑھ کر اس نے فوزان کے منہ سے چادر کھینچ لی۔

"کیا ہے؟ کیوں تنگ کررہی ہو۔" ابھی تو فوزان کی آنکھ لگی تھی اور ابھی نین نے آکر اٹھادیا۔

"مجھے نسرین کے گھر جانا ہے۔"

"تو چلی جاؤ' مجھے کیوں تنگ کررہی ہو؟" دوبارہ اس کے ہاتھ سے چادر کھینچ کر سر تک تانی تو نین نے دوبارہ کھینچ لی۔

"اماں نہیں جانے دے رہیں ان کا کہنا ہے کہ آج کل خالہ حمیداں کے ہاں مہمان آئے ہوئے ہیں مجھے ان کے گھر نہیں جانا چاہیے۔"

"تو مت جاؤ' ویسے بھی اماں کون سی غلط بات پر منع کررہی ہیں۔ ان کے مہمان کون سا چھپے ہوئے ہیں تم سے......! جاہل گنواروں کی سی تو حرکتیں ہیں ان کی تہذیب نہ حیا۔"

"تو میں کون سی ان کے مہمانوں سے ملنے جارہی ہوں' میں تو نسرین سے ملنے جارہی ہوں۔ دو دن بعد اس کی شادی ہوجائے گی اور پھر نجانے کب ملاقات ہو۔"

"تو ٹھیک ہے تم بھی دو دن بعد ہی اسے دیکھ لینا' اب میری جان چھوڑو۔ اچھی بھلی نیند خراب کردی ہے۔" اس نے چادر اس کے ہاتھ سے کھینچ کر دوبارہ تانی اور مزید تاکید بھی کی۔

"اور ہاں' اماں جو کہہ رہی ہیں وہی کرنا' اکیلی مت چلی جانا۔" فوزان کے اس جواب پر وہ چپ ہوئی تھی۔ اماں' بابا اور بھائی کی احتیاط اسے اچھی بھی لگی تھی اور کوفت بھی ہورہی تھی کیونکہ اس احتیاط کی وجہ سے وہ نسرین کی شادی میں اپنی خواہش کے مطابق شرکت جو نہیں کرسکتی تھی۔ پچھلی دفعہ جب وہ گاؤں آئی تھی تو نسرین کی منگنی تھی۔ اماں کے ساتھ وہ بھی ان کے گھر گئی تھی۔ مگر وہاں موجود مہمانوں میں سے ایک دو لڑکے تھے جنہوں نے اسے دیکھ کر کافی ہوٹنگ کی تھی' اماں تو وہیں آگ بگولہ ہوگئیں۔ لڑکوں کو انہوں نے خوب سنائیں اور فوراً بغیر کھانا کھائے گھر واپس آگئیں۔ نین بھی ہمراہ تھی گھر آکر انہوں نے نہ صرف بابا اور فوزان کو بھی سب بتادیا بلکہ بعد میں وہ کافی عرصہ خالہ حمیداں سے ناراض بھی رہیں۔ فوزان اور بابا نے اماں کی طرح غصہ تو نہیں کیا تھا البتہ اسے محتاط رہنے کی تاکید ضرور کی تھی۔ ایک تو وجہ تاکید گاؤں والوں کی تنگ نظری اور بدفطرت تھی' دوسرا وہ چاروں بہنیں بلا کی حسین واقع ہوئی تھیں۔ جیسے ہی انیقہ آپی نے سن بلوغت میں قدم رکھا اماں کی تو راتوں کی نیندیں اڑ گئیں۔ اماں کی پریشانی کے پیش نظر گاؤں کا ماحول اور لوگوں کی تنگ نظری تھی۔ وہ اپنی اور وڈیروں کی شروع سے چلی آنے والی چپقلش سے بھی بخوبی آگاہ تھیں۔ اسی لیے انہیں اپنی جوان بیٹیوں کی خوب صورتی کی طرف سے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا۔ ابھی انیقہ آپی آٹھویں جماعت میں ہی تھیں کہ ان کے رشتے آنا شروع ہوگئے تھے۔ ابا کے دوٹوک انداز پر کسی کو انیقہ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی مجال نہیں ہوتی تھی۔ مگر اماں ہر وقت پریشان رہتی تھیں اسی لیے جیسے ہی انیقہ نے اٹھارہویں سال میں قدم رکھا' اماں نے فوراً بابا پر ان کی شادی کردینے پر زور دینا شروع کردیا۔ کچھ انیقہ کی قسمت بھی اچھی تھی کہ انہی دنوں ماسٹر صدیقی کی خالہ زاد بہن اپنے بیٹے کے لیے انیقہ کا ہاتھ مانگنے چلی آئیں۔ اماں کی تو مراد برآئی تھی۔ فوراً ابا سے ہاں کروا کر ہی دم لیا پھر تو چٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا تھا۔ شہناں شروع سے ہی چچا کے گھر رہ رہی تھی کبھی کبھار ہی گاؤں آتی تھی۔ کچھ دن گزار کر چلی جاتی تھی' وہ گاؤں کی زندگی کے اثر سے بچی ہوئی تھی۔ ایک زیبا تھی جو ابھی ہر قسم کی سوچ سے آزاد بے فکری کی حدود میں تھی۔ جب کہ نیناں سب بہنوں میں بلا کی حسین واقع ہوئی تھی۔ اس کا حسن دیکھنے والوں کو دیکھتے رہنے پر مجبور کردیتا تھا۔ اماں جو

پہلے ہی اس کی خوب صورتی پر ہولتی رہتی تھیں جیسے ہی نیناں نے میٹرک کیا اسے چچا کے گھر بھیج دیا۔ اب وہ جب بھی گاؤں آتی تھی اماں کی سوچوں کا مرکز بن جاتی تھی۔

❀

اباکے کہنے پر اماں نے اسے نسرین کی شادی میں شرکت کرنے کی اجازت دی تھی مگر ہزار نصیحتوں کے ساتھ۔ تیار ہوتے وقت اس کے دل میں سب سے اچھا اور خوب صورت لگنے کی خواہش ضرور ابھری تھی مگر اماں کی نصیحتوں کا خیال آتے ہی اس نے کپڑوں کے انتخاب میں بہت احتیاط برتی تھی۔ شہر میں آنے جانے سے ان سب بہن بھائیوں اور اماں‘ ابا کے لباس اور دیگر انداز واطوار گاؤں کے لوگوں سے قدرے مختلف اور بہتر ہوتے تھے۔ اسی لیے تو وہ وڈیروں کی نظروں میں بھی چبھتے رہتے تھے۔ وہ گہری بلو رنگ کی قمیص اور تنگ پاجاما پہنے چنزی کا دوپٹا اوڑھے پاؤں میں کھسہ ڈالے جب اماں کے سامنے آئی تو اماں کئی ثانیوں تک اس سے نظر ہی نہ ہٹا سکیں۔ نیناں نے کپڑوں‘ جیولری اور جوتوں کے انتخاب میں کافی احتیاط برتی تھی۔ سب کپڑوں میں موجود ہلکے کام والا سوٹ نکالا تھا مگر اس گہرے بلو سوٹ میں بھی اس کی سرخ وسپید رنگت دمک رہی تھی۔ میک اپ کے نام پر اس نے صرف کاجل اور لپ اسٹک ہی استعمال کی تھی‘ جیولری کی جگہ چوڑیاں‘ کانوں میں سنہری بالیاں اور بالوں میں پراندہ ڈالا تھا اور ہر انداز سے نفاست چھلک رہی تھی۔ اماں نے دل ہی دل کچھ پڑھ کر اس پر پھونکا۔ گھر سے نکلنے سے پہلے اسے بڑی سی چادر اوڑھنے کی تاکید کی اور پھر اسے ہمراہ لیے خالہ حمیداں کے گھر آ گئیں۔ بارات ابھی نہیں آئی تھی اماں صحن میں بیٹھی عورتوں سے ہاتھ ملانے لگیں تو وہ اندر نسرین کے پاس آ گئی۔ جیسے ہی اس نے نیناں کو دیکھا فوراً ساری شرم بھول بھال کر گلے لگالیا۔

”بہت بے مروت ہو تم! اب آ رہی ہو؟“

”شکر کرو اب بھی آ گئی ہوں‘ ورنہ اماں ابھی تک پچھلا واقعہ نہیں بھولیں۔“ الگ ہو کر بیٹھتے اس نے بتایا۔ پھر وہ دوسری لڑکیوں کے ساتھ مل کر اسے دلہن بنانے لگی تھی۔

بارات آنے اور کھانے کے بعد نسرین کے پاس سے اٹھ کر باہر اماں کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ کچھ وقت گزرا تو خالہ حمیداں بھی اسے ڈھونڈتی ہوئی ادھر آ گئیں۔

”نیناں! باہر کھلے احاطے میں لڑکیاں دولہے کو دودھ پلانے جا رہی ہیں۔ تم بھی ساتھ چلی چلو۔ سلیقے سے بات کر لینا یہ نہ ہو کہ کوئی بدمزگی ہو جائے۔“

نیناں نے اس انوکھی فرمائش پر کافی تعجب سے انہیں دیکھا پھر اماں کو مگر وہ متوجہ نہیں تھیں۔

”نہیں خالہ! میں نہیں جاؤں گی۔ یہ اچھا نہیں لگتا اماں بھی نہیں مانیں گی۔“ اس نے نفی میں سر ہلا کر انکار کیا۔

”تو اپنی اماں کی فکر نہ کر۔ اسے میں راضی کر لوں گی تم چلو۔ خالہ کا انداز خوشامدی تھا‘ وہ شش وپنج میں پڑ گئی۔

”اچھا! آپ اماں سے بات کر لیں۔“ اس نے کہہ دیا۔ خالہ خوش ہو گئیں۔ وہ اماں کے پاس جا کر اماں کو نجانے کیا کیا کہہ رہی تھیں۔ وہ متواتر نفی میں سر ہلاتی رہیں پھر خالہ حمیداں کے بار بار اصرار پر اسے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ دودھ پلائی کی یہ رسم وہیں ہوئی تھی‘ جہاں بارات کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ بعض اوقات لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان

بدمزگی بھی ہو جایا کرتی تھی۔ جب انیقہ آپی کی شادی ہوئی تھی۔ تو یہ رسم بہت ہی پرامن محفوظ اور منظم طریقے سے انجام پائی تھی۔ نہ تو کسی نے کوئی بے ہودہ بات کی تھی اور نہ کوئی شور شرابا ہوا تھا۔ سب لڑکیوں کے ساتھ کھلے احاطے کی طرف جاتے ہوئے راستے میں کھلے چوک پر کھڑے وڈیرے کے بیٹے عدیم خان اور اس کے ساتھ ایک اور آدمی کو دیکھ کر وہ اندر ہی اندر چونک گئی۔ وہ سب لڑکیوں کی جانب دیکھتے اونچے اونچے قہقہے لگا رہے تھے۔ آگے بڑھنے کو اس کا دل نہ چاہا۔ وہیں سے زیبا کو ساتھ لیا اور خالہ حمیداں کے گھر جانے کے بجائے اپنے گھر آ گئی۔

”اتنی جلدی تم آ گئی ہو اور اماں کہاں ہیں؟“ گھر میں قدم رکھتے ہی فوزان نے پوچھا تو اس نے اسے مختصراً بتا دیا۔ وہ خاموش ہو گیا تھا۔ اگلے دن خالہ حمیداں نے چلے آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بہانے سے ٹال دیا۔

❀

شام کو وہ روز اماں کے ساتھ چہل قدمی کرنے جاتی تھی‘ ساتھ میں زیبا اور زبیر بھی ہوتے تھے۔ جب سے اماں کو ہائی بلڈ پریشر کی تکلیف رہنے لگی تھی۔ تو ڈاکٹر نے روز کھانے کے بعد چہل قدمی کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ جب تک وہ یہاں ہوتی خود اماں کو چہل قدمی کروانے لے جاتی تھی۔ اس کے چلے جانے کے بعد زیبا‘ زبیر یا بابا یہ فریضہ انجام دیتے تھے۔ نسرین آج کل میکے آئی ہوئی تھی۔ وہ اماں کو ساتھ لے کر چہل قدمی کے لیے نکلی تو نسرین کے گھر کے سامنے سے گزرتے اسے بھی ساتھ لے لیا۔ اماں تھوڑی دور تک آنے کے بعد تھک گئیں تو وہیں [illegible] پر بیٹھ کر ستانے لگیں۔ زیبا اور زبیر بھی ان کے پاس ہی بیٹھ گئے وہ اور نسرین باتیں کرتے کرتے کافی دور تک نکل آئی تھیں۔ وہ نسرین کی کسی بات پر کافی کھلکھلا کر ہنسی تھی جب ایک طرف سے آتے عدیم خان اور اس کا دوست اتنی شفاف اور کھلکھلاتی ہنسی سن کر ٹھٹک کر رک گئے تھے۔

”ارے‘ یہ تو وہی ہے بلو سوٹ والی! جو اس دن ہمیں دیکھ کر واپس چلی گئی تھی۔“ زوہیب شاہ نے بے باکانہ نظروں سے دیکھتے عدیم خان سے کہا۔ وہ دونوں سہیلیاں ایک دم رک گئیں۔ نیناں نے کچھ ناگواری سے عدیم خان اور زوہیب شاہ کو دیکھا۔ اس دن بھی زوہیب شاہ کی چھیدتی بے باکانہ نظریں اپنے وجود پر محسوس کر کے وہ گھر لوٹ گئی تھی اور اب وہ پھر اس سے ٹکرا گئی تھی۔ اسے کوفت نے آ لیا۔

”ارے یار‘ ذرا خیال سے یہ کسی کمی کمین کی لڑکی نہیں ہے۔ اس گاؤں کے پڑھے لکھے ماسٹر صدیقی کی بیٹی اور بڑے کمشنر کی ہونے والی بہو ہے۔“ اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتے عدیم خان نے ایک جاندار قہقہہ لگاتے اسے آگاہ کیا تھا۔ نیناں کا خون کھول اٹھا۔ وڈیرا خود تو عیاش فطرت تھا ہی عدیم خان اس سے بھی دو ہاتھ آگے تھا۔

”بکواس بند کرو عدیم خان! شرم آنی چاہیے تمہیں کہ تمہارے گاؤں کی بیٹی ہوں۔ ذرا بھی تمیز نہیں ہے کہ عورت سے کس لہجے میں بات کرتے ہیں؟“ ڈرنا‘ جھجکنا‘ پیٹھ موڑ کر بھاگ جانا......! بابا نے یہ تو سکھایا ہی نہیں تھا۔ انہوں نے تو سچائی حق گوئی خلوص ووفا اور عزت جیسے اوصاف سکھائے تھے۔ انسانیت کا احترام کرنے‘ اور تمام لوگوں کو اپنے جیسا ہی سمجھنے کا سبق پڑھایا تھا۔

”ارے یار! یہ تو بڑی اتھری چیز ہے۔ حسن کی طرح زبان بھی کیا دل فریب ہے۔ واہ یار! مزہ آ گیا۔“ زوہیب شاہ‘ عدیم خان کے ہاتھ پر ہاتھ

مارتے نہایت کمینی ہنسی ہنس رہا تھا۔ نیناں کا غصے سے برا حال ہوگیا۔

آج تک بھلا کب کسی نے اسے اس طرح کی چھیدتی ہوئی غلیظ نگاہوں سے دیکھا تھا۔ بابا' زبیر' فوزان' چاچا' رضوان سب ہی اس سے محبت واحترام سے پیش آتے تھے۔ ایسے گھٹیا الفاظ سن کر اس کی رگیں تن گئیں۔ چاند کی روشنی میں کندن سراپا کچھ اور دمک رہا تھا۔ چہرہ غصے کی زیادتی سے انار کی طرح دہکنے لگا تھا۔

"بس زیادہ خواب دیکھنے کی ضرورت نہیں یار! یہ تمہارے مطلب کی نہیں ہے۔ ذرا خوابوں کی حسین دنیا سے واپس آجا۔" زوہیب شاہ کے کندھے پر ہاتھ مار کر اس نے پھر ایک پھسلتی نظر نیناں کے سرخ تمتماتے چہرے پر ڈالی نیناں کا خون کھولنے لگا۔

"بکواس بند کرو عدیم خان! اوقات میں رہو اپنی۔ کس قدر گھٹیا ہو تم لوگ۔ تمہاری نظر میں عورت کی صرف اتنی ہی اہمیت ہے؟ مگر عدیم خان یہ مت بھولو' تمہاری اپنی حویلی میں بھی تمہاری ماں' تبہنیں بیوی اور دو بیٹیاں ہیں اگر دیکھنے کے لیے اتنے ہی مرے جارہے ہو تو ان پر جا کر اپنا شوق پورا کرو۔ ماسٹر صدیقی کی بیٹی ابھی اتنی کمزور نہیں ہوئی کہ تم جیسے گھٹیا کمینوں کی نظریں برداشت کرے۔" ایسا للکارتا' غیرت پر لگا تازیانہ بہت کاری تھا۔ غصے سے بھنا کر بے قابو ہوتا عدیم خان نیناں کی طرف بڑھا۔ مگر نیناں نے اس کا اٹھا ہوا ہاتھ درمیان میں ہی روک لیا تھا۔ ایک دم جھٹکا دیتے ہوئے اسے پیچھے دھکیلا تھا۔

"حد میں رہو عدیم خان اپنی ورنہ......!" نفرت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ نسرین جو اس ساری صورت حال کو بت بنی کھڑی دیکھ رہی تھی اس نے اس کا بازو دبوچ کر کھینچتے ہوئے ایک طرف بڑھنا چاہا مگر نیناں پر تو کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اسی طرح کینہ توز نظروں سے دونوں کو گھور رہی تھی۔ یوں وار خالی جائے اور پیچھے دھکیلے جانے پر عدیم خان بے قابو ہو رہا تھا مگر زوہیب شاہ نے اسے مزید پیش رفت کرنے نہیں دی تھی۔

"تمہیں میں نہیں چھوڑوں گا' کیا سمجھتی ہو تم خود کو......! دیکھ لینا۔" وہ آتش فشاں بنا ہوا تھا۔ نیناں نے سر جھٹکا۔

"ہونہہ' کیا اوقات ہے تمہاری دیکھ چکی ہوں۔"

"ارے یار کیا کرتے ہو؟ دھیرج سے۔ یہ تو انگلیوں سے مسلی جانے والی رنگ دار تتلی ہے۔ تو کیوں توانائی ضائع کر رہا ہے یار! آرام سے' حوصلہ رکھ۔ ایسی خوب صورت شمائل کی باتوں پر برا نہیں مانا کرتے۔ مزہ تو اس چیز کے حصول پر آتا ہے جس پر محنت کرنا پڑتی ہے۔ بس جانے دے۔" عدیم خان کا بازو تھامے زوہیب شاہ ابھی بھی اسے چھیدتی ہوئی مسکراہٹ سمیت دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ نیناں کے تن بدن میں آگ سلگنے لگی۔ صرف ایک پل لگا کہ اس نے حقارت سے اس کے منہ پر تھوک دیا۔

"تیری بات کا جواب اس سے زیادہ بہتر میرے پاس نہیں ہے۔ اگر اتنی ہی غیرت ہے تو آئندہ کسی عورت ذات کا رستہ نہیں روکو گے۔ چلو نسرین۔" نفرت سے اسے کہتے اس نے نسرین کو بھی دیکھا جو اس کی اس جسارت پر آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی۔ زوہیب شاہ نے اپنے منہ کو اپنی چادر کے پلو سے صاف کیا تھا۔ عدیم خان تو الگ حیران تھا وہ سمجھ رہا تھا کہ اسے اور لڑکیوں کی ہی طرح دھمکی دے کر ڈرا دھمکا کر خوف زدہ کرلیں گے۔ وہ تو نہ صرف آئینہ دکھا گئی تھی بلکہ منہ پر بھی تھوک گئی تھی۔ جب تک وہ سنبھلتا وہ نسرین کے ساتھ آگے بڑھ گئی تھی۔

"یار یہ لڑکی تو......!" نیناں کی پشت گھورتے ہوئے اس نے فقرہ ادھورا چھوڑا۔

"کوئی بات نہیں' گھی اگر سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو زوہیب شاہ کو انگلی ٹیڑھی کرنا بھی آتی ہیں۔ میں نے تو اس سے زیادہ نخرے والی لڑکیوں کا غرور توڑا ہے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں خوبی ہی کیا ہے سوائے حسن کے......!" وہ اس ہتک پر سانپ کی طرح پھنکار رہا تھا۔

"اور یہ حسن یہ تمہاری کمزوری ہے۔" عدیم خان نے ہنس کر کہا۔ مگر زوہیب شاہ بالکل خاموش رہا۔ وہ اندر ہی اندر اس لڑکی کو قابو میں کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔

❀

"دھیان سے جانا اور یہ ساری چیزیں بھی ذرا دھیان سے رکھنا۔" اماں اسے بار بار تاکید کر رہی تھیں۔ آج اسے پندرہ دن رہنے کے بعد واپس شہر چلے جانا تھا۔ فوزان اماں کی اس درجہ فکر مندی پر آتے جاتے ہنس رہا تھا۔ نیناں تو ہنس بھی نہیں سکتی تھی کہ اندر عجیب سی کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ اس رات جو بھی ہوا تھا وہ بالکل اچانک ہوا تھا۔ گھر آنے کے بعد اسے یہی لگا کہ کسی جن نے اس کے اندر سما کر اس سے وہ سب کروایا تھا۔ اس نے اماں بابا اور فوزان کی پریشانی کا خیال کر کے نسرین کو کچھ بھی کہنے سے منع کردیا تھا۔ مگر اندر ہی اندر وہ اب فکر مند تھی۔ عدیم خان اور اس کا دوست زوہیب شاہ اپنی اس درجہ بے عزتی پر خاموش بیٹھے رہنے والوں میں سے نہیں تھے۔ وہ جو بھی کر آئی تھی اس کا انجام خاصا بھیانک بھی ہوسکتا تھا۔ یہی سوچ سوچ کر اس کے اندر پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ خون اندر ہی اندر سوکھتا جا رہا تھا۔ آج اسے واپس چچا کے گھر چلے جانا تھا۔ بس یہی سوچ کر وہ خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"فوزان بہن کا خیال رکھنا۔" گھر سے نکلتے ہوئے اماں نے ایک دفعہ پھر اسے ساتھ لگا کر فوزان کو باور کروایا۔ اس نے سر ہلا دیا۔ زبیر تانگہ کروا لایا تھا۔ اڈے تک انہیں تانگے کی ہی مدد سے جانا تھا۔ تانگے پر بیٹھتے ہوئے بھی اس کا دل بار بار بھر آرہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے دھند سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے فوزان سے چھپا کر چادر کے پلو سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔ نہر والا پل پار کر کے جیسے ہی تانگہ نشیب میں اترا نیناں نے کچھ سکون بھرا سانس لیا۔ اب بسوں والا اڈہ آنے میں تھوڑا سا ہی فاصلہ باقی تھا اور اس کے بعد یہ گاؤں چھوڑ دینا تھا۔ پھر نجانے کتنے مہینوں بعد آنا ہو۔ وہ سوچ کر مطمئن ہوگئی۔ آسودگی سے آنکھیں بھی موند لیں۔ ابھی

طیبہ سعدیہ سعدی......سیالکوٹ
ہوتی ہے لاکھ غم کی دوا نیند بھی مگر
ہوتے ہیں ایسے غم بھی کہ سونے نہیں دیتے

شمع مسکان......جام پور
تیری اس بے وفائی پر بھی فدا ہوتی ہے جان اپنی
خدا جانے اگر تجھ میں وفا ہوتی تو کیا ہوتا

ناز سلوش ذشے......میر پور
ریزہ ریزہ ہے میرا عکس تو حیرت ہے یہ رضا
میرا آئینہ سلامت ہے تو پھر ٹوٹا کیا ہے؟

سیدہ فرحت کاظمی......قصبہ نکانی
حاصل اور لاحاصل بھی ہیں خواہش کے دو رنگ
خوش بُو، رنگ، ہوا اور تتلی چاروں ایک سراب
پیار، خُلوص، محبت، چاہت سب کچھ ہے ناپید
ہر سُو مٹی کے پتلے ہیں اور انساں نایاب

اسے آنکھیں بند کیے چند سیکنڈ بھی نہیں گزرے تھے کہ کان کے بالکل قریب ہی فائر ہونے کی آواز آئی تھی ساتھ میں ایک دل دوز چیخ بھی نیناں نے تڑپ کر آنکھیں کھولیں۔ فوزان صدیقی ایک طرف جھکا اپنا خون آلود بازو اپنے ہاتھ سے دبوچے ہوئے تھے۔ نیناں کی بے اختیار چیخ بلند ہوئی۔

”بھائی! کیا ہوا؟“ تانگہ والا تانگہ روک چکا تھا۔ اردگرد ٹیلوں کے بیچ کچی سڑک تھی دور دور تک کسی انسان کے وجود کا نام ونشان تک نہیں تھا۔

”بی بی! گولی لگی ہے کسی نے فائر کیا ہے۔“ کوچوان نے فوراً فوزان کو سیدھا کرتے ہوئے نیناں کو بتایا۔ وہ تو ساکت بیٹھی ہوئی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ تبھی ایک اور فائر ہوا تھا کوچوان بھی اپنی پنڈلی تھامے چیخنے لگا۔ نیناں اس نئی افتاد پر اور حواس باختہ ہوگئی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے فوزان اور کوچوان کو دیکھنے لگی جو تکلیف وکرب سے کراہ رہے تھے۔

”بھائی!“ وہ ایک دم فوزان کے بازو کو تھام کر رو پڑی۔ گولی بازو کو چھو کر گزری تھی اس کے باوجود خون بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ جوان پرجوش گرم خون! اسے تو رہی سہی عقل بھی زائل ہوتی محسوس ہوئی۔ اردگرد دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ جسے وہ مدد کے لیے پکارتی۔ ”اے میرے اللہ!“ وہ رو پڑی۔

”نیناں......!“ فوزان نے کرب سے پکارا۔ وہ ایک دم اپنی آنکھوں کو صاف کرتی ہوئی تانگے سے اتری‘ ارادہ چیخ چلا کر کسی کو مدد کے لیے پکارنے کا تھا مگر بہت تیزی اور سبک رفتاری سے کسی نے عقب سے اس کے منہ پر رومال رکھ دیا۔ چیخ چیخ کر کوشش کر رہی تھی کہ وہ ان وحشی بازوؤں اور ہاتھوں کی مضبوط گرفت سے نکل جائے مگر سب تدبیریں رائیگاں گئیں۔ بند ہوتی آنکھوں سے اس نے صرف اتنا دیکھا تھا کہ ایک کار بہت تیزی سے اس کے قریب آرکی تھی۔

.......❀.......

آنکھیں کھولنے کے بعد اسے جو چہرہ سب سے پہلے نظر آیا وہ فوزان صدیقی کا تھا۔ وہ اس کے برابر بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے بازو پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ ایکدم اٹھ بیٹھی۔

”بھائی......!“ اس نے فوراً فوزان کا بازو جھنجھوڑ ڈالا۔

”یہ ابھی نہیں اٹھے گا۔“ اپنے بالکل قریب ہی عدیم خان کی آواز پر چونک کر اسے دیکھا۔

”ت......ت......تم......!“ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔

”ہاں میں‘ کہو کیسا لگا میرے اس ریسٹ ہاؤس میں آنا؟“ وہ خباثت سے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ نیناں کی ساری تیزی طراری‘ خوف وڈر اور سراسیمگی کی نذر ہوگئی ایک دم اس نے فوزان کا زخمی بازو دبوچا۔

”کہ...... کہ...... کیوں لائے ہو تم ہمیں یہاں؟“ آنکھیں خوف دہراس سے پھٹنے کو تھیں۔

”بہت کم عقل ہو تم تو...... جب کوئی مرد کسی لڑکی کو یوں اٹھواتا ہے تو اس حرکت کا کیا مطلب ہوتا ہے مجھ سے بہتر تو تم خود اچھی طرح سمجھ سکتی ہو۔ آخر کو ماسٹر صدیقی کی بیٹی ہو‘ کمشنر چاچا کی بہو بنو گی؟“ شیطانی مسکراہٹ نیناں کی طرف اچھالتے وہ بستر پر گرا تھا۔ وہ اچھل کر پیچھے ہٹی۔ بے بسی سے بے سدھ لیٹے فوزان کو دیکھا۔

”اے میرے اللہ! ہماری مدد فرمانا۔“ وہ بے اختیار رونے لگی تھی۔ تبھی دروازہ کھلا اور کوئی اندر آیا۔ نیناں نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھا کر آنے والے کو دیکھا۔ زوہیب شاہ شاہانہ فاتح چال چلتے ہوئے بستر کے قریب آرکا تھا۔

”کیوں رنگ دار تتلی! کیسا محسوس کر رہی ہو اب......! ماسٹر صدیقی کی بیٹی اب کیسے اتنی کمزور ہوئی ہے کہ ہم جیسے گھٹیا‘ کمینوں کی نظروں کو برداشت کر رہی ہے؟“ وہ اس کی طرف جھکتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ اس کی سفاک وحشیانہ ہر جذبے سے عاری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ اندر تک کانپ گئی۔ اس رخ پر تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ یہی خیال تھا کہ کہیں وہ بابا سے نہ الجھ پڑے۔ یوں بھی ہوسکتا ہے امید بھی نہیں تھی۔ اس کا دل سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ آئندہ لمحوں میں کیا ہونے والا تھا وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

”میں واقعی اتنی کمزور نہیں ہوں‘ تم دونوں نے گھٹیا طریقہ اپنایا ہے۔ اتنی غیرت تھی تو سر عام وار کرتے یوں بزدلوں کی طرح نقب زنی نہ کرتے۔“ ایک دم روتے روتے وہ کہے بغیر نہ رہی۔ اس وقت فوزان کے جلد ہوش میں آجانے کی بڑی شدت سے دعا مانگی۔

”چلو ہم بزدل ہی سہی‘ غیرت مند تو آپ ہیں۔ آپ کے بھائی صاحب کو اس لیے تو یہاں لائے ہیں کہ غیرت کا مظاہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ پھر آپ کو گولڈ میڈل پہنائیں گے غیرت مندی کا......!“ اس کمینے شخص کی اس قدر نیچ بات پر نیناں کا مر جانے کو جی چاہا۔ مکروہ ہنسی ہنستے اس نے نیناں کے کندھے کو چھوا تو اس نے نفرت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ یکدم خوف وسراسیمگی کو پس پشت ڈال کر ایک حقارت بھری نگاہ ان پر کی۔ ذہن تیزی سے کچھ سوچنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے گزشتہ دو سال سے سیکھے گئے مارشل آرٹ کے شاندار مظاہرے اور گولڈ میڈل گھومنے لگے۔ ایسی کسی صورت حال سے کیسے نمٹنا ہے وہ خوب جانتی تھی۔ فوزان اور رضوان کے سکھائے گئے تمام حفاظتی طریقے یاد آنے لگے۔ وہ پسٹل چلانا اور گن استعمال کرنا بھی خوب جانتی تھی۔ ایک دم تحفظ کا احساس رگ وپے میں جاگا۔

”یا تو مروں گی یا کسی کو مار دوں گی۔“ ایک مصمم ارادہ کرتے ہوئے اس نے سر اٹھایا۔

زوہیب شاہ کی پتلون میں پسٹل موجود تھا اور عدیم خان بھی دائیں طرف جس زاویے سے بیٹھا ہوا تھا اس کا نشانہ لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وہ تربیت یافتہ نہیں تھی اور نہ ہی منجھی ہوئی نشانہ باز تھی۔ بس جو کچھ بھی سیکھا ہوا تھا اس پر اعتماد تھا۔ فوزان کی طرف ایک نظر ڈالتے اور گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے زوہیب شاہ اور عدیم خان کو دیکھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے‘ تم مجھ جیسی لڑکی کو زیر کرلو گے؟“ چبھتے ہوئے پوچھا۔ وہ جاندار قہقہہ لگا کر ہنسنے

غزل

تو جس کا ہے پرستار‘ دل ہواؤں کا
یہی ہے فرق تیرے شہر میرے گاؤں کا
قدم قدم پہ بناتا گیا گلاب کے پھول
ستم ظریف تھا کانٹا ہمارے پاؤں کا
ہوائے شام دبے پاؤں تم گزر جانا
نزول ہوتا ہے اس شہر میں بلاؤں کا
چراغِ خون جلاتی ہیں عمر بھر کیا کیا
عجیب حوصلہ دیکھا ہے میں نے ماؤں کا
تمام عمر گزاری ہے بادِ صرصر میں
نہیں بھروسا ہما اب ہمیں تو چھاؤں کا

ہما شاہ...... ہارون آباد

لگا۔ نیناں لب بھینچے اس وحشی قہقہے کی گونج سنتی رہی۔

"یہاں تک تو آ ہی گئی ہو کیا ابھی بھی کوئی شک ہے؟" معنی خیزی سے کہتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔

اس نے سر جھٹکا۔ اندر ہی اندر وہ فوزان کے ہوش میں آجانے کی دعا کرنے لگی۔ وہ ابھی بے ہوش تھا۔ اپنے دفاع میں کچھ بھی تو نہیں کرسکتا تھا۔ ان جیسے وحشیوں کا کیا پتا وہ کسی بھی رخ مڑ سکتے ہیں ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت وہ دونوں کو یہاں لائے تھے۔ نجانے بے چارے کوچوان کا کیا حال ہوا ہوگا۔ اپنے بارے میں تو ان کے ارادوں سے آگاہ ہوچکی تھی اور فوزان کے متعلق ان کے کیا ارادے ہیں وہ یکسر بے خبر تھی۔

"بہت غرور ہے تمہیں خود پر ایسے غرور کو توڑنا میرے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔" نیناں کے بازو کو تھام کر سفاک لہجے میں وہ کہہ رہا تھا۔ نیناں کانپی تھی مگر خود کو کمزور نہ پڑنے دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے جواباً کچھ کہتی فوزان کے کراہنے کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ فوراً متوجہ ہوگئی۔ چیل کی طرح اپنا بازو چھڑا کر وہ فوزان پر جھکی۔

"بھائی...... اٹھو...... آنکھیں کھولو پلیز بھائی۔"

گولی فوزان کے بازو کو چھو کر گزری تھی۔ اسی لیے چند گھنٹوں کی بے ہوشی کے بعد ہوش آ گیا تھا۔ آنکھیں کھولنے کے بعد نینا کو دیکھ کر وہ عدیم خان اور زوہیب شاہ کو باری باری دیکھنے لگا۔ فوزان کا ذہن فوری طور پر کچھ بھی کام کرنے سے قاصر تھا۔ نیناں کے چہرے پر بہنے والے آنسوؤں کے سوا اسے کچھ اور بجھائی نہیں دے رہا تھا۔

"بھائی!" فوزان کے کندھے کو جھنجھوڑتے اس کے دونوں ہاتھوں کو زوہیب شاہ نے پکڑ لیا تھا۔

"بس یہ اب ہمارا مریض ہے اس کی تواضع ہم خود کریں گے۔" نیناں کو بازوؤں میں بھینچ کر عدیم خان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ دہاڑ رہا تھا۔ فوزان جو نا سمجھی میں سب دیکھ رہا تھا آنکھیں کھول کر بغور دیکھنے لگا۔ عدیم خان کے شکنجے میں کسمساتی روتی بہن کے سوا اسے کچھ اور دکھائی نہیں دے رہا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ نیناں نے پوری قوت کے ساتھ عدیم خان کو دیوار کی طرف دھکیلتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اس کے سر کو پوری شدت سے دیوار پر مارا۔ جتنی دیر میں زوہیب شاہ فوزان سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف متوجہ ہوتا اس نے چیل کی طرح جھپٹ کر اس کی پتلون میں پھنسا ہوا پسٹل نکال لیا۔ زوہیب شاہ کے لیے یہ حملہ اس قدر اچانک تھا کہ وہ چند لمحوں کو کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ پسٹل ہاتھ میں دبوچے زوہیب شاہ پر تانے وہ بے حد بے خوف نظر آ رہی تھی۔ اب اس کا اگلا ہدف زوہیب شاہ تھا۔ عدیم خان تو بے ہوش ہوچکا تھا۔ زوہیب شاہ کو اس سے اس ہمت کی توقع نہیں تھی۔ وہ تو اسے ایک کمزور سی عام سی لڑکی لگی تھی۔ ان بہت سی لڑکیوں کی طرح جنہیں وہ ایک عرصے سے اپنے ظلم و بربریت کا نشانہ بناتا چلا آ رہا تھا اور یہ لڑکی اس کی توقعات سے بڑھ کر نہ صرف بہادر تھی بلکہ زندگی اور عزت کے کھو جانے کے ڈر سے بے خوف و خطر آ گ اور خون سے کھیل جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ اس کی طرف پسٹل تانے پورے اطمینان سے زوہیب کو اپنی نگاہوں میں رکھتے ہوئے وہ فوزان کی طرف بڑھی تھی جو حیران و ششدر نیناں کو دیکھے جا رہا تھا۔

"بھائی اٹھو!" اپنی جانچتی نظر میں زوہیب شاہ پر تانے اس نے اپنا بازو فوزان کی طرف بڑھایا۔ فوزان نے فوراً اٹھنا چاہا مگر بازو کی تکلیف نے اٹھنے نہیں دیا۔ زوہیب پر پسٹل تانے نیناں نے جھک

کر فوزان کو سہارا دیا تھا۔ نظریں اب بھی برابر زوہیب شاہ پر مرکوز تھیں۔ جو بڑی حیرت سے نیناں کو دیکھ رہا تھا۔ فوزان کو سہارا دیتے ہوئے ایک لمحہ کو وہ چوکی تھی اور اسی ایک لمحے سے زوہیب شاہ نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ نیناں کے پسٹل والے ہاتھ پر اس نے اپنا پاؤں مارا تھا۔ پسٹل اس کے ہاتھ سے نکل کر قالین پر جا گرا ابھی وہ پسٹل اٹھانے کو جھکی ہی تھی کہ زوہیب شاہ نے فوراً اسے اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ اس سارے عرصے میں فوزان صدیقی کے حواس کافی بحال ہوچکے تھے۔ اس نے فوراً پسٹل اٹھالیا تھا۔

"چھوڑو نیناں کو......!" وہ غرایا۔ اب پسٹل کا رخ نیناں اور زوہیب کی طرف تھا۔

"اسے چھوڑنے کے لیے میں اسے یہاں نہیں لایا تھا۔" نیناں کو اپنے شکنجے میں پھڑ پھڑاتے دیکھ کر وہ ایک دفعہ پھر شیر ہوا۔ فوزان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"میں ماردوں گا تمہیں کمینے انسان! چھوڑو میری بہن کو۔" نیناں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر فوزان کا خون کھولنے لگا۔

نیناں نے بہت زور سے زوہیب کے بازو میں کاٹا اس کے بلبلانے پر نیناں کے گرد اس کی گرفت کمزور پڑی وہ تیر کی طرح فوزان کی طرف بڑھی۔

"بھائی چلو یہاں سے! نہیں تو یہ کمینہ نجانے کیا کرے۔" نفرت سے کہتے ہوئے اس نے فوزان کا بازو کھینچا۔ دوسرے ہاتھ سے پسٹل بھی لے لیا۔ اب دونوں کا رخ دروازے کی طرف تھا جب کہ مسلسل بے ہوش پڑے عدیم اور زوہیب شاہ ... وہ زخمی سانپ کی طرح شکار ہاتھ سے نکل جانے پر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر نیناں کی

طرف بڑھا تھا۔ اس دفعہ نیناں نے ٹریگر پر رکھی انگلی دبا دی تھی۔ ایک شعلہ پسٹل کی نالی سے نکل کر زوہیب شاہ کے کندھے میں کھب گیا۔ وہ چیخا تھا۔ جھپٹا مار کر پسٹل بھی چھین لیا وہ پاگلوں کی طرح فائر پر فائر کر رہا تھا۔ فوزان دروازے کے قریب کھڑا پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ فائر اور نیناں کی چیخیں سن رہا تھا۔ مگر ہوش میں کچھ نہیں تھا۔

❀

"نیناں کا انتقال ہوگیا ہے۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ اسے بچالیں۔ پوری چار گولیاں اس کے پیٹ میں لگی تھیں۔ وہ اسپتال آنے تک بچ گئی اتنا ہی بہت تھا۔"

دو دن بعد جب فوزان کو ہوش آیا تو چچا نے اسے یہ اندوہناک خبر سنائی تھی۔ اس نے کرب و اذیت سے آنکھیں موند لیں۔ زوہیب شاہ کو گولی لگنے کے بعد اس نے نیناں سے پسٹل چھین کر پے در پے وار کیے تھے۔ وہ تو پہلے بدحواسوں کی طرح پتھر بنا سب دیکھتا رہا پھر پاگلوں کی طرح اسے اٹھا کر باہر بھاگا تھا۔ وہ اس وقت گاؤں سے باہر واقع عدیم خان کے ریسٹ ہاؤس میں تھے وہاں پورچ میں کھڑی گاڑی اسے مل گئی تھی۔ نیناں کو لے کر وہ اسپتال پہنچا تھا۔ وہیں سے چچا جان کو فون کرکے صورت حال سے آگاہ کیا تھا۔ پانچ گھنٹے مسلسل آپریشن روم میں بند رہنے کے بعد جب نیناں کا اسٹریچر پر لیٹا بے جان وجود باہر آیا تو اس کی بھی ساری ہمتیں جواب دے گئیں۔ بے ہوش ہوا تو دو دن بعد ہوش آیا تھا۔ بے تحاشا روتے ہوئے اسے کچھ ہوش نہیں تھا۔ اس کی جان سے پیاری بہن اس کی جان کے لیے کتنا لڑی تھی ورنہ ان لوگوں کے شکنجے سے بچ نکلنا اس کے لیے مشکل نہ تھا۔

صرف اور صرف اس کی خاطر وہ ان وحشی درندوں سے لڑتے لڑتے موت کے گلے جا لگی تھی۔

"تم دو دن تک بے ہوش رہے ہو نیناں کی میت اتنی دیر تک رکھنے کے قابل نہیں تھی۔ اگلے ہی دن گاؤں لے جا کر دفنا دیا تھا۔" چچا جان مزید بتا رہے تھے۔ وہ آنکھوں پر بازو رکھے روتا رہا۔ اپنے دل کا غبار نکالتا رہا۔

"نیناں کی موت اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھی کہ بھابی بیگم برداشت نہ کرسکیں اور وہ بھی......!"

آنکھوں پر بازو لپیٹے روتے وہ یہ سن کر ٹھٹک گیا۔ ایک دم بازو ہٹا کر چچا کو دیکھا۔ ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ آواز رندھی ہوئی تھی چہرے پر آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ گردن نفی میں ہلانے لگا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ......! نیناں کے بعد اب اماں بھی......! کہہ دیں یہ جھوٹ ہے۔"

ساتھ فٹ اونچا کڑیل جوان بچوں کی طرح اپنے چچا کو جھنجوڑتے، روتے بالکل حواس کھو رہا تھا۔ رضوان نے آگے بڑھ کر فوزان کو گلے لگالیا۔

"یہ سچ ہے فوزان! نیناں کے ساتھ ساتھ تائی جان بھی......!" وہ بھی رو رہا تھا۔ وہ بے بسی سے رضوان کے گلے لگ کر اپنا درد کم کرتا رہا۔

❀

وہ مکمل طور پر صحت یاب ہوا تو اس کی پہلی ترجیح نیناں کے قاتلوں کو ان کے انجام تک پہنچانا تھا۔ رضوان، زبیر، جواد، عقیل (رضوان کے چھوٹے) اور فوزان خود سب اس قدر بھرے بیٹھے تھے کہ بس نہیں چل رہا تھا کہ عدیم خان اور اس کے گھٹیا دوست کو ایک آن میں ہی دنیا سے رخصت کردیں۔ چچا اور بابا جان دونوں ہی اصول پرست انسان تھے۔ کبھی بھی کسی کام میں بے اصولی پسند نہیں کی تھی۔ اس دفعہ

تھی وہ جو کچھ بھی کرنا چاہتے تھے قانون کے دائرے میں ہی رہ کر کرنا چاہتے تھے۔ اس واقعے کے بعد چچا جان نے زیبا، زبیر اور بابا جان کو بھی اپنے پاس بلالیا تھا۔ زبیر، جواد، عقیل تینوں سمجھانے پر سمجھ گئے تھے جب کہ رضوان اور فوزان دونوں سمجھنے سے انکاری تھے۔ بیٹی کھو دینے کے بعد وہ اپنے بیٹوں کو نہیں کھونا چاہتے تھے۔ اسی لیے چچا جان نے قانون کا سہارا لیا تھا۔ اپنے تعلقات کو وسیع پیمانے پر استعمال کیا تھا۔ عدیم خان کو پھانسی ہوگئی اور زوہیب شاہ جو اصل قاتل تھا وہ اپنے سیاسی اثر و رسوخ اور تعلقات کی بناء پر سارا الزام عدیم خان پر عائد کروا کے اور سب حالات اپنے حق میں ہموار کرکے وہ آرام سے دے دلا کر بچ جانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ رضوان اور فوزان دونوں ہی ماس کمیونی کیشن میں ماسٹرز کرنے کے بعد سی ایس ایس کا امتحان کلیئر کرکے سول سروس میں آگئے تھے۔ فوزان کی پہلی تعیناتی اسلام آباد میں ہوئی تھی۔ انیقہ آپی تو پہلے ہی یہاں آباد تھیں۔ بعد میں فوزان نے یہیں گھر لے کر زیبا، زبیر اور بابا کو بھی اپنے پاس بلالیا۔ نیناں کا قاتل اگرچہ اپنے انجام تک نہیں پہنچا تھا۔ فوزان کا اس سروس میں آنے کا اصل مقصد بھی یہی تھا کہ وہ زوہیب شاہ کو اس کے کالے دھندوں سمیت نیست و نابود کردے۔ وقت کے ساتھ ساتھ بابا کی باتوں نصیحتوں بہنوں کی محبتوں کے سامنے اس کا جذبہ انتقام اگرچہ سرد پڑ چکا تھا مگر ختم نہیں ہوا تھا۔ البتہ یہ ہوا تھا کہ اب اس کا مقصد صرف اور صرف اپنے پیشے سے وفاداری، ایمانداری اور انسانیت کی خدمت تھا۔ وہ ہر کیس ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر حل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بابا نے اسے یہی سکھایا تھا اور وہ اسی پر کاربند تھا کہ اچانک آج سے دو سال بعد اس کی زندگی میں وہ واقعہ رونما ہوگیا جس نے اس کی زندگی کا رخ ہی بدل دیا تھا۔

❀

رضوان اور فوزان دونوں ہی اپنے اپنے پیشوں سے مطمئن تھے کہ چچا جان اور بابا کے مشترکہ فیصلے پر رضوان کی شادی شہناں سے طے کردی گئی۔ رضوان اور شہناں دونوں نے اس تعلق پر اعتراض کیا تو بابا اور چچا کے سمجھانے پر دونوں ہی چپ ہوگئے۔ نیناں رضوان کی منگیتر تھی اور وہ اس دنیا سے چلی گئی تھی مگر رضوان ابھی زندہ تھا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد رضوان نے شہناں کو قبول کرنے کی رضامندی دے دی تو بابا اور چچا نے شادی کی تاریخ طے کردی۔ بابا، زبیر، زیبا، انیقہ آپی وغیرہ پہلے ہی لاہور چلے گئے تھے۔ اتنے عرصے بعد تو کوئی خوشی کا موقع دونوں خاندانوں میں آیا تھا اگر سب نیناں کی جواں مرگی پر غم زدہ تھے تو اس خوشی پر خوش بھی بہت تھے۔ فوزان شادی سے صرف دو دن پہلے لاہور پہنچا تھا۔ اس کے اندر بھی دوسروں کی طرح عجب موسم آبسا تھا کبھی تند و تیز ہواؤں جیسا اور کبھی نرم پھوار جیسا۔ بہت ہی بھرپور طریقے سے شادی ہوئی تھی۔ شہناں کو چچا نے پہلے صرف بیٹی بنایا ہوا تھا۔ اب بہو بھی بنالیا تھا۔ دونوں کو خوش دیکھ کر فوزان کو بہت حوصلہ ہوا تھا۔ اب تو زبیر بھی کافی سنجیدہ اور سمجھدار ہوگیا تھا۔ زیبا بچپنا بھول کر بہت جلد گھریلو اور سمجھدار لڑکی بن چکی تھی۔ ہر طرف اطمینان ہی اطمینان تھا کہ اس کے احساسات کی جھیل میں پہلا پتھر آپڑا۔

(جاری ہے)

میرے بے خبر

بینا عالیہ

نہ منزل ہوں نہ منزل آشنا ہوں
مثال برگ اڑتا پھر رہا ہوں
وہ ایسا کون ہے جس سے بچھڑ کر
خود اپنے شہر میں تنہا ہوا ہوں

راحت بیلرز کا دروازہ دھکیلتے ہوئے ماہ نور تیز تیز قدم اٹھاتی جوں ہی پارکنگ ایریا میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی تو بری طرح چونک گئی۔ اس کی نگاہیں ایک ہی نقطے پر ٹھہری ہوئی تھیں۔ وہ پلکوں کو جنبش دیے بغیر پھیلی آنکھوں کے درمیان سانسیں روکے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ جو سرعت سے سلور کرولا کی جانب بڑھ رہا تھا۔ وہ عقب سے ہو بہو اس جیسا تھا، اونچا قد وقامت اور کسرتی سراپا۔ اس نے تیزی سے اس کی سمت بڑھنا چاہا تبھی اپنی گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے اس نے بائیں جانب سے ہارن بجاتی گاڑی کی طرف لمحہ بھر کے لیے مڑ کر دیکھا اور ماہ نور کی آنکھیں مایوسیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گئیں۔ وہ انس نہیں تھا، کوئی اور تھا۔ نور کے پاؤں زمین نے جکڑ لیے تھے۔ وہ گاڑی ریورس کرکے نور کے نہایت نزدیک سے لمحے کے ہزارویں حصے میں گزرتا ہوا غائب ہوگیا۔ نور آنکھیں پھیلائے اس دھول کو گھور رہی تھی جو چند سیکنڈ پہلے اس کی گاڑی نے اڑائی تھی۔ آج پھر ایک اذیت دہ مایوسی سے اس کا سامنا ہوگیا تھا۔ ہاتھ میں پکڑے تھیلے پچھلی نشست پر پھینکتے ہوئے اس نے بمشکل گاڑی اسٹارٹ کی، اسٹیئرنگ پر اس کے مضبوطی سے جمے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ گلے میں جیسے کانٹے اگ آئے تھے۔ زبان خشک ہوکر تالو سے جا لگی تھی۔ اس نے سانس لیتے ہوئے نچلے ہونٹ پر دانت گاڑ دیئے تھے۔ اگلے ہی پل پیشانی کی تیز چلتی نسوں پر یخ ٹھنڈی انگلیوں کی پوریں سرسرانے لگی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں یاسیت جھلکنے لگی۔ نور نے ان گنت پل اسی آس میں تو بتائے تھے کہ انس ایک روز ضرور لوٹ کر آئے گا۔ موہوم سی ہی سہی مگر بے شمار امیدیں اس کے دل میں پلتی رہی تھیں۔

جب اس کا انتظار اسے مایوس کردیتا تو نازک اندام سی ماہ نور اپنی سد بدھ کھو بیٹھتی۔ اب بھی اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جیسے سلب ہوچکی تھی اسی کیفیت میں وہ بمشکل گھر تک پہنچی۔ گاڑی لاک کرتے ہوئے وہ تقریباً بھاگتے ہوئے قدموں سے اندر کی طرف بڑھی تو لاؤنج میں باباجان سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

"تنویرا! گاڑی سے سامان نکال لینا۔"

نور نے گاڑی کی چابی درمیانی میز پر پھینکی اور کچن میں کام کرتے ہوئے لڑکے کو زور سے آواز دے کر کہا۔ تنویر جلدی سے باہر آیا۔

''آج نور بی بی کو کیا ہوا ہے؟'' اس کا ستا ہو چہرہ دیکھ کر تنویر نے سوچا۔

''نور بیٹا! خیریت تو ہے؟'' بابا جان کے چہرے پر تفکر کی لکیریں ابھریں۔

''خیریت ہے بابا جان!'' نور نے مسکرانے کی بے جان کوشش کی اور تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ کاؤچ پر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے ہوئے ہاتھوں میں چہرہ چھپالیا۔ بدستور اس کا تنفس بہت تیز تھا۔ جانے کتنا وقت گزر گیا مگر اسے خود کو سنبھالنے میں بہت دیر لگی۔ شاور کھولتے ہوئے اس کے نیچے چہرہ رکھ لیا۔ اب کی بار بہت دیر سے رکے آنسو پانی کے ساتھ ساتھ بہہ رہے تھے، وہ دیر تک آنکھیں بند کیے یوں ہی کھڑی رہی۔ جب پاؤں شل ہونے لگے اور مزید کھڑا رہنا مشکل ہوگیا تو تولیہ سے چہرہ تھپتھپاتی ہوئی باتھ روم سے نکل آئی مگر ذہن جیسے منتشر ہوکر رہ گیا تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

ظہیر احمد کے تین بچے تھے۔ حسن احمد، احسن احمد اور ماہ نور احمد۔ ظہیر احمد ریٹائرڈ نیوی آفیسر تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے آبائی گھر میں لوٹ آئے تھے جو لاہور کینٹ کے علاقہ نیر روڈ پر واقع تھا۔ راشدہ جو ظہیر احمد کی شریک حیات تھیں۔ چند ماہ کینسر میں مبتلا رہ کر انتقال کر گئی تھیں۔

ماں تو شفقت بھری گھنیری چھاؤں ہوتی ہے لیکن لمحہ لمحہ بچوں کے لیے دعا کے لیے اٹھنے والے ہاتھ ہمیشہ کے لیے بے جان ہوچکے تھے۔ سبھی گھر والوں کے لیے یہ سانحہ بہت بڑا تھا۔ بابا جان، حسن، احسن، نور ایک دوسرے سے کتراتے مبادا ان کی آنکھوں میں چھپی دکھ کی عبارتیں دوسرا نہ پڑھ لے۔ وقت کا تیزی سے گھومتا پہیہ زخم مندمل تو کر دیتا ہے لیکن ایک سپاٹ خلاء زیست میں رہ جاتا ہے۔ اگرچہ گزرتے وقت نے سب کو زندگی کی جانب لوٹا دیا تھا۔ حسن، احسن کی شادیاں ہوچکی تھیں۔ حسن دبئی کی ایک معروف کمپنی کے ساتھ منسلک تھا۔ حسن کا بیٹا اور بیٹی تھی۔ احسن لاہور کے ایک ملٹی نیشنل ادارے میں جاب کر رہا تھا۔ احسن کی بھی ایک بیٹی رباب اور بیٹا ارسل تھا۔ ماہ نور کی منگنی پھوپی زاد انس ارباز سے طے پاچکی تھی۔ ارباز خان قیامِ پاکستان کے وقت حیدر آباد دکن میں اپنی لمبی چوڑی جائیداد چھوڑ کر پاکستان آئے تو میر پور خاص میں انہیں ایک بہت بڑا گھر اور تین مربع زمین گورنمنٹ کی جانب سے الاٹ ہوئی تھی۔ ارباز خان اور ان کے والد کی دن رات کی محنت سے اپنا ذاتی کاروبار بڑھایا اور ایک مربع زمین مزید خرید لی۔ ارباز خان ظہیر احمد کے کزن تھے۔ جب افشاں پھوپی کی شادی ہوگئی تو وہ میر پور چلی گئیں۔ ان کے دو بچے تھے۔ عمر ارباز اور انس ارباز۔ انس بی ایس سی کے بعد بھائی اور باپ کے ساتھ کاروبار سنبھال رہا تھا۔ اکثر وبیشتر نور سے ملنے لاہور آجاتا۔ ان دنوں نور پنجاب یونیورسٹی سے ماسٹرز کر رہی تھی۔ وہ انس کو دیکھ کر کھل اٹھتی۔ انس محبت سے اسے دیکھتا۔ خوشی سے تمتماتے نور کے چہرے کو وارفتگی سے دیکھتے انس کی نگاہیں سیراب ہی نہ ہوتیں۔ انس کی محبت ماہ نور کو بلندیوں پر پہنچا چکی تھی۔ اس کی شدید محبت کا احساس اسے مغرور کیے دیتا۔ وہ تھا بھی اتنا دلکش کہ اس کی قربت کسی کے لیے بھی باعث افتخار ٹھہرتی۔ دودھیا گندم کی سنہری بالیوں جیسی رنگت میں گندھا انس ارباز نور کو یک بارگی دنیا

سے الگ دکھائی دیتا۔ تراشیدہ مونچھیں اور بھورے بال اسے مزید وجاہت بخش جاتے۔ وہ مضبوط جسم و اونچی قامت اس کے غیر آباد دل میں اپنی شدت بھری بے دریغ محبتوں کی کونپلیں تیزی سے پھیلا رہا تھا۔ جب انس اس سے اپنی بے پناہ چاہت کا اعتراف کرتا تو ماہ نور مغرور ہونے لگتی۔ کیا یہ ماہ نور کے لیے کم تھا کہ انس جیسا وجیہہ شخص اس عام سی لڑکی کو بے انتہا وارفتگی سے چاہتا ہی نہیں بلکہ اس کی پرستش بھی کرتا ہے۔ ایسی ساعتوں میں وہ اپنی قسمت پر رشک کرتی۔ پھر جب انس کے جہاں فون آنے کم ہوئے اور لاہور آنا تقریباً ختم گیا تو اس کی جیسے سانسیں رکنے لگیں۔ وہ تو نور کی روح میں تحلیل تھا۔ دل میں دھڑکن کی مانند ضروری تھا۔

انس مجھے کیوں نظر انداز کر رہا ہے، کیا میں اس کے دل سے اتر گئی ہوں۔ محبت کی جس بلندی پر انس نے مجھے مقام عطا کیا تھا۔ کیا وہ بلندی کسی اور کو سونپ دی ہے؟''

''کئی سوالیہ نشان تھے، وسوسے تھے جو نور کو چین نہ لینے دیتے، مہینے بعد انس کا فون آتا تو وہ شکایتوں کے دفتر کھول بیٹھتی۔

''انس تم بدل رہے ہو؟''

''نور! تمہارا وہم ہے۔ میں دفتری امور میں گھن چکر بنا ہوا ہوں۔ وقت نہیں ملتا۔''

''انس! پہلے بھی تو یہ تمام مصروفیات تھیں؟'' وہ ہول کر کہتی۔ اپنی ناراضگی کا برملا خوب خوب اظہار کرتی۔

''نور مجھے پتا ہے تم مجھ سے کبھی ناراض نہیں ہوسکتیں۔'' وہ نور کو منانے کی سعی میں با آواز بلند ہنستا۔ انس کے لہجے میں وثوق ہوتا جیسے وہ نور کے دل میں جھانک آیا ہے مگر پل پل بے کل کردینے والی اداسی نور کی روح سے لپٹی رہتی۔ وہ لاکھ دلیلوں سے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتی لیکن دل تھا کہ اڑیل گھوڑے کی طرح سرکشی پر آمادہ رہتا۔ تب نور کے سختی سے بھینچے ہونٹوں کی ساکن خاموشیوں پر یک بارگی انس کی محبت کی نرماہٹ عود آتی۔

''کہیں حرماں نصیبی تو میرے تعاقب میں نہیں ہے؟'' وہ سہم کر سوچتی۔ ''انس! میری زندگی میں تم بس تم ہو۔ تم سے آگے بھی تم ہی تم ہو اور پیچھے میں مڑ کر دیکھنا نہیں چاہتی۔'' اس روز عمر بھائی کا فون آیا تو نور ان کے سامنے سسک پڑی۔

''انس مجھ سے ایسی لاتعلقی کیوں برت رہا ہے؟''

''نور! ہم خود اس کے لیے فکر مند ہیں۔ وہ ہفتہ ہفتہ گھر سے غائب رہتا ہے۔''

''عمر بھائی! آپ نے اس سے پوچھا نہیں؟'' نور کے بے آواز آنسو آنکھوں سے ڈھلک کر چہرہ بھگو رہے تھے۔

''وہ مختلف بہانوں سے ہمیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب نمازیں بھی پابندی سے پڑھنے لگا ہے۔ صاحب زادے نے چھوٹی سی داڑھی بھی رکھ لی ہے۔ قرآن پاک کثرت سے پڑھتا ہے مع ترجمہ۔''

''عمر بھائی! آپ نے اس سے اس تبدیلی کی وجہ نہیں پوچھی؟''

''پوچھنے پر وہ لاجواب کر دیتا ہے۔ نصیحت کرتا ہے۔ عمر بھائی آپ بھی نماز پڑھا کریں۔''

''عمر بھائی آپ پتا کریں نا کن لوگوں میں ان کا اٹھنا بیٹھنا ہے۔'' گھٹی گھٹی سسکی نور کے ہونٹوں میں دبی رہ گئی۔ موبائل فون اس کے ہاتھ میں لرز رہا تھا اور دل سے دعا نکلی۔

''خداوند! یہ میرا وہم ہو۔'' وہ اپنی آنکھوں کے

آنسو پوروں میں جذب کرنے لگی۔

''کیا وہ کسی مذہبی جماعت کا رکن بن گیا ہے یا جہاد کے نام پر کسی تنظیم کے ساتھ منسلک ہو گیا ہے۔ مختلف طرح کے خدشے اسے سہمائے رکھتے مگر پھر ایک یقین سر اٹھاتا۔

''انس ایسا نہیں ہے۔ وہ بہت دین دار ہو گیا ہے مگر پھر گھر سے غائب کیوں رہتا ہے؟ کیا کسی تبلیغی جماعت میں شریک ہو گیا ہے اور اگر ایسا ہے تو چھپا کیوں رہا ہے۔'' وہ اپنے سوالوں کے خود ہی جواب دے رہی تھی۔ اس روز وہ ایسے دھواں دار انداز میں روئی کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

''انس! کیا اسی بناء پر تمہاری عدم توجہی کی بھینٹ میں بار بار چڑھتی رہی؟'' اس کے وجود میں عذاب اترتے رہے۔ نہ جانے کتنی دیر وہ یوں ہی بے آواز روتی رہتی اگر رائمہ بھابی اسے نہ جھنجھوڑتیں۔

''نور! کیا ہوا؟'' رائمہ بھابی اس کے قریب دو زانو بیٹھی اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹاتی فکرمندی سے پوچھ رہی تھیں۔

''بھابی! وہ انس......؟''

''کیا ہوا انس کو؟'' نور کا ہاتھ بھابی اپنے ہاتھوں میں دابے بولیں۔ اس نے ہاتھ سے بھیگا چہرہ صاف کیا۔

''عمر بھائی بتا رہے تھے وہ پکا نمازی ہو گیا ہے۔ اس نے داڑھی بھی رکھ لی ہے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے، تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔''

''وہ اکثر گھر سے غائب رہتا ہے۔ اسی لیے میرا فون بھی اٹینڈ نہیں کرتا۔''

''نور! تم فضول وسوسے دل میں مت لاؤ۔''

''بھابی! میرا دل بہت گھبرا رہا ہے جیسے کچھ ہونے والا ہے۔'' اس کے اندر ایک پھانس اٹکی ہوئی تھی۔

''بابا جان سے کہتے ہیں، فون پر پھوپو سے بات کریں۔''

''رائمہ بیٹا! آج چائے کا پروگرام ہے بھی کہ نہیں۔'' بابا جان اپنی مخصوص واکنگ اسٹک سنگ مرمر کے فرش پر ٹک ٹک بجاتے ان کے نزدیک آ گئے۔

''بابا جان! پانچ منٹ میں چائے حاضر۔'' رائمہ نے مسکرا کر کہا۔

''نور بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' اس کا اداس چہرہ دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے۔

''کچھ نہیں بابا جان! آیئے نالان میں بیٹھ کر شام کی چائے پیتے ہیں۔'' نور انہیں بازو سے پکڑے باہر لے آئی۔ چائے کے دوران رائمہ نے انہیں انس کے متعلق بتایا تو بابا جان سوچ میں پڑ گئے۔

''بابا جان! باقی سب تو ٹھیک ہے مگر وہ اکثر گھر سے باہر کیوں رہتا ہے؟'' رائمہ نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم لوگ پریشان نہ ہو۔ ان شاء اللہ سب خیریت ہوگی۔ میں افشاں سے بات کروں گا۔''

ایک ماہ بعد ماہ نور کے آخری سمسٹر تھے۔ ایک گہری خاموشی اختیار کرتے ہوئے اس نے خود کو پڑھائی میں مصروف کیا تھا مگر ذہن بکھرا بکھرا رہتا۔

''انس! آخر تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔ مجھے کچھ تو بتاؤ؟'' مارے بے بسی کے وہ اس سے شکوہ کرتی۔ انس کی چاہ میں بے دریغ آنسو آنکھوں میں امڈ آتے، پل پل کرب میں مبتلا رکھتا۔ انس کے کھو جانے کا خیال......! نور نے تو اس کی سنگت میں اللہ سے دائمی خوشیاں مانگی تھیں، وہ تو انس کے پیار کی خوش بو اوڑھے زیست کی ہر ساعت اس کی ہمراہی میں بتا

...یا چاہتی تھی مگر انس کا گریز اس کو پل پل مارے ڈالتا۔ آنکھوں کی دہلیز ہر دم نم رہتی۔ انس تمہاری کج ادائی و گریز......؟ آخر میں کیا نام دوں اسے؟'' وہ مضطرب نگاہوں سے اپنے خالی ہاتھوں کی لکیروں کو ٹٹولتی۔

کئی مہینوں کے بعد اچانک انس کا فون آیا تھا۔

''کیسی ہو نور!'' اداسی بھرے لہجے میں وہ گویا ہوا تھا۔

''اچھی ہوں، تمہارے بناء خوش بھی بہت ہوں۔'' نور کا گلا رندھ گیا۔ ''انس تم تو یقیناً بہت خوش ہو گے؟'' نہ چاہتے ہوئے پوچھ بیٹھی۔ بار بار بھیگتی گھنیری پلکیں انگلیوں کی پوروں سے چھو رہی تھی۔

''نور میں آزاد کشمیر میں جہاد کرنے والی تنظیم کا مجاہد بن چکا ہوں۔''

''اچھا!'' وہ اداسی سے مسکرائی۔

''مگر تم نے یہ بات چھپائی کیوں؟'' لبوں سے پھسلتے شکوے میں گہری کاٹ تھی۔

''میرے اپنوں میں کوئی بھی مجھے مجاہد بننے کی اجازت ہرگز نہ دیتا۔''

''انس تم مجھ پر تو بھروسا کر سکتے تھے۔ میں ہر صورت تمہارا ساتھ دیتی۔ بس اتنی ہی محبت تھی تمہیں مجھ سے......؟ تم کیا جانو، تمہارے اس گریز نے مجھے کرب کی سولی پر رکھا ہے۔ میرے ان بے شمار لمحات کا حساب چکا سکتے ہو جو میں نے تمہاری یاد کی اذیت سہتے گزارے؟ ہمارا آگے چل کر جو رشتہ بننے جا رہا تھا، اس میں اعتماد و بھروسا ہی سب کچھ ہوتا ہے لیکن تم نے تو رشتہ استوار ہونے سے پہلے ہی بدگمانیوں میں جکڑ دیا۔ صرف ایک بار مجھ سے بات کی ہوتی، مجھ پر بھروسا تو کرتے۔'' وہ لہجے میں اترتی کڑواہٹ کو بے آواز آنسوؤں سے بھگوتی رہی۔

انس ہم تو مزاج شناس تھے، درمیان میں یہ بے اعتباریاں کیونکر آ گئیں؟ ہم تو بنا کہے ایک دوسرے کے بات سمجھ جاتے تھے شاید میں اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کوئی اور مجھے سمجھے نہ سمجھے، تم تو مجھے سمجھتے ہو۔''

''نور! تمہاری ناراضگی جائز ہے، جو چاہے کہہ سکتی ہو۔ میں خوف زدہ تھا۔ اگر میرے والدین کو پتا چل جاتا تو وہ مجھے روک لیتے۔ میں نے اپنی زندگی ایک عظیم مقصد کے لیے وقف کر دی ہے اور کوئی میری راہ روکے یہ مجھے منظور نہیں۔ پلیز نور! مجھے معاف کر دو۔''

''انس! میں نے تمہیں معاف کیا۔'' اس کے ترش لہجے میں بے بسی تھی۔

''یار۔ میں نے تم سے اچھی اچھی باتیں کرنے کے لیے فون کیا ہے اور تم جب آؤں گا تو دل بھر کے غصہ نکال لینا۔ دیکھو نور ہر پاکستانی کی طرح تمہاری خواہش نہیں ہے کہ کشمیر آزاد ہو؟''

''کیوں نہیں، ہے لیکن تمہاری بے اعتباری نے مجھے گہرا رنج دیا ہے۔ اگر تم مجھے بتاتے تو میں مجاہدہ بن کر تمہارا بھرپور ساتھ دیتی۔''

''نور! مجھ سے ناراض مت ہونا! انس کا لہجہ ملتجی تھا۔

''انس تم نے مجھے بہت دکھی کیا ہے۔'' آواز اس کے رندھے گلے میں پھنس رہی تھی۔ اس نے فون بند کر دیا مگر سبھی خوف زدہ تھے کہ کہیں انس دشمن کی گولی کا نشانہ نہ بن جائے۔ فون پر بات ہوتی تو افشاں پھوپو بار بار کہتیں۔

''انس تم ہمارے پاس آ جاؤ۔''

''امی! میں مجاہد بن چکا ہوں۔ میں آپ کے ساتھ رہوں گا لیکن جب بھی مجھے کشمیر پکارے گا تو میں میں سر کے بل جاؤں گا۔''

انس، عمر کے ساتھ بزنس چلا رہا تھا مگر اب سختی سے دینی امور کی پابندی کرتا۔ اکثر وہ اپنی تنظیم کی پکار پر چلا جاتا پھر چند روز بعد واپس آجاتا۔ افشاں چاہ رہی تھیں کہ انس کی شادی ہوجائے۔

''امی آپ جلد میری شادی کردیں تاکہ میرے ساتھ نور بھی آزادیِ کشمیر کی تحریک میں حصہ لے سکے۔''

''خبردار جو تم نے اس سلسلے میں نور کا نام بھی لیا تو......'' انہوں نے انس کو ڈانٹ دیا۔ افشاں نے بابا جان کو فون کیا۔

''بھائی جان! میں انس اور نور کی شادی کی تاریخ مقرر کرنے آنا چاہتی ہوں۔'' مگر بابا جان اور احسن نے منع کردیا۔

''پہلے انس سے کہیں، وہ یہ سب چھوڑ دے۔ مجاہد کی اپنی تو کوئی ذاتی زندگی ہوتی نہیں، اگر انس ہماری بات نہیں مان سکتا تو افشاں بہن میں معذرت خواہ ہوں۔''

انس نے ایک گہری خاموشی سادھ لی تھی۔ نور کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوچکی تھی۔ گھر والوں کا فیصلہ اس کے لیے درست تھا۔ مجاہد کی زندگی کا کیا بھروسا ہوتا ہے لیکن وہ دل کو کیسے سمجھاتی جس کی ہر ہر دھڑکن انس کے نام کی تسبیح پڑھتی تھی۔

''انس اب میرا نہیں ہوسکتا۔'' اس احساس نے ہذیانی کیفیت سے دوچار کر رکھا تھا۔ مٹھیاں بھینچے اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر قابو پانے کی کوشش میں سسک پڑتی۔

نور نے ایم ایس سی مکمل کرلیا تھا۔ اور جیسے وقت اس کے لیے بے مصرف ہوگیا تھا۔ سارا دن کمرے میں بند رہتی۔ رائمہ بھابی اسے سمجھا سمجھا کر اب خاموش ہوگئی تھیں۔ زبردستی نور کو کمرے سے نکالتیں۔ رباب اور ارسل اسے خوش رکھنے کی کوشش کرتے لیکن وہ خاموش واداس ہی دکھائی دیتی۔ اس کے لیے دنیا میں کوئی کشش نہ رہی تھی۔ اپنے اطراف کے منظر اسے بے رنگ اور پھیکے دکھائی دیتے۔ وہ انس کی خاطر بابا جان کو منا لیتی، شاید وہ نور کی محبت سے مجبور ہوکر مان بھی جاتے تب ان کی باقی زندگی اس خوف میں گزرتی کہ اگر انس کے ساتھ کچھ ہوگیا تو نور کا کیا بنے گا۔ اس کی جدائی کا صدمہ نور سہار نہیں سکے گی۔ ویسے بھی بابا جان دل کے مریض تھے۔ وہ انس کی بابت بابا جان کو مجبور نہیں کرسکتی تھی۔ تو نور نے صبر کی بکل اپنے اطراف کس لی تھی پھر اس نے سنا انس مقبوضہ کشمیر چلا گیا ہے۔ نور اس کی سلامتی کی دعائیں کرتی مگر اب اپنے لیے مصروفیات ڈھونڈ لی تھیں اس نے خود اور زندگی سے مصالحت کرنے کی بھرپور کوشش کی اور پھر ادھر ادھر کے مشاغل میں خود کو مصروف کرلیا، اسے فن مصوری میں مہارت تھی اور یہ اس کا شوق بھی تھا۔ بابا جان اسے مصوری کرتے خاموشی سے تکتے رہتے، ان کی نظروں کے ارتکاز پر کبھی کبھی کینوس پر روانی سے چلتا اس کا ہاتھ ساکت ہوجاتا تھا۔ شدت سے آنکھیں مسلتی وہ اپنی آنکھیں گلابی کرلیتی۔ بابا جان اس کے اندر پلتی اداسی و کرب کو بخوبی سمجھتے تھے۔ ان کی نور دکھی ہوگئی ہے۔ یہ احساس ان کا دل ادھیڑ کر رکھ دیتا۔ نور کمالِ ضبط سے ان پر اپنا دکھ ظاہر نہ کرنے کی کوشش کرتی، دل پر اس کی جدائی کے گھاؤ انہیں کیسے دکھاتی، وہ تو پل پل اسے خوش دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے وہ اس کیفیت سے جلد از جلد نکلنا چاہتی تھی۔ سو خاموش بیٹھے بابا جان کی طرف طمانیت بھری مسکراہٹ اچھالتی جواباً وہ بھی مسکرا دیتے۔ پھر وہ رفتہ رفتہ خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔ اب انس کا خیال اس کے دل کو جکڑ کر دھڑکنیں سلب نہیں کرتا تھا۔

''رب کریم کے ہر کام میں بہتری ہوتی ہے۔ یقیناً یہی میرے لیے بہتر ہے۔'' وہ خود کو سمجھاتی۔ پھر کچھ سوچ کر شام کو اس نے امریکن اکیڈمی میں انگلش لینگویج کی کلاسیں لینا شروع کردیں۔ دن میں وہ رائمہ بھابی کے ساتھ کچن میں گھسی اٹالین، چائنیز، عربین ڈشز بناتی رہتی۔ اور اس گزرتے وقت میں وہ بہل گئی تھی۔ حسن بھائی نے بہت چاہا کہ وہ چند دنوں کے لیے ان کے پاس دبئی آجائے لیکن وہ بابا جان کے بغیر نہیں جاسکتی تھی کیونکہ بابا جان نیول اکیڈمی میں ہفتہ میں تین دن لیکچر دیتے تھے۔ اس شب وہ اپنے بستر میں دبکی آئن اسٹائن کی تھیوری پڑھ رہی تھی تو طویل عرصہ بعد انس کا فون آگیا۔ نیند کا ہلکا سا خمار جو نور کی آنکھوں کی دہلیز پر جھانک رہا تھا۔ اچانک غائب ہوگیا۔

''نور! کیسی ہو؟''

''بہت اچھی ہوں۔'' تلخی میں گھلی مسکان اس کے ہونٹوں پر ابھر آئی تھی۔

''تم کیسے ہو؟''

''الحمدللہ۔'' وہ بہت پرسکون تھا۔ اچانک نور کی جلتی آنکھوں میں گزشتہ تمام مناظر عود آئے، ساکن پلکوں کی منڈیروں پر اضطراب کی جنبش ابھری، وہ فون کان سے لگائے خاموش تھی۔

''نور! کچھ تو بولو۔''

''میں بہت خوش ہوں۔ خوب مزے میں رہ رہی ہوں۔ زندگی زبردست طریقے سے گزار رہی ہوں۔''

''نور! میں کشمیر کی آزادی کی جدوجہد میں حصہ لے رہا ہوں تم خوش نہیں ہو؟'' وہ اداسی سے پوچھ رہا تھا۔

''انس تم مجاہد ہو، ایسے درجات تو قسمت والوں کو ملتے ہیں۔''

''تم میرے لیے دعا کرتی ہو؟'' وہ دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔ یقیناً اس نے اپنے جذبات و خواہشات کو تھپک کر ابدی نیند سلا دیا تھا۔ جہاد کے لیے اس نے سب کچھ کھو دیا تھا۔

''ہاں انس میں سبھی کے لیے دعا کرتی ہوں۔'' اس نے کمالِ ضبط سے خود کو سنبھال رکھا تھا مگر اس کا دماغ چٹخنے لگا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی انس نے اتنے عرصہ بعد فون کرکے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے، وہ تو اب شاہراہِ زیست پر قدم جما کر چلنے لگی تھی مگر اس کی زبان جیسے لکڑی کی مانند تالو سے چپکی جارہی تھی۔ اس کی روح کی آنکھ انس کے سراپا کو دیکھ رہی تھی مگر وہ وجود اس کے لیے قطعی اجنبی بن چکا تھا۔ انس مسلسل بول رہا تھا۔ کبھی اس شخص کی چاہ نے ماہ نور کو گھمنڈی بنا دیا تھا۔ اب وہ چاہ رہی تھی انس فوراً فون بند کردے۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس بار میں بکھر گئی تو خود کو سمیٹ نہ پاؤں گی۔ اس لیے دھیمے لہجے سے کہا ''انس پلیز! آئندہ مجھے فون نہ کرنا۔'' اس نے کہہ کر فون بند کردیا۔

''تمہاری طرف جانے والے تمام دروازوں پر میں نے کبھی نہ کھلنے والے قفل لگا دیئے ہیں کیونکہ میرے بابا جان کی یہی خواہش ہے جو میرے لیے قابلِ احترام ہے۔ مقدم ہے۔''

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

جمعہ کی اس شام نور اکیڈمی سے واپسی پر فیروز پور روڈ ٹریفک سگنل پر اپنے دائیں جانب رکی احسن بھائی کی گاڑی کو دیکھ چکی تھی، جن کے ساتھ اگلی نشست پر ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ سیاہ اسکارف سے اس

نے سر اچھی طرح ڈھانپ رکھا تھا۔ کھلتی رنگت پر سیاہ غلافی موٹی آنکھیں، واقعی وہ خوب صورت لگ رہی تھی۔ نہایت آہستگی سے وہ احسن بھائی سے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ نور کے قدرے قریب تھی۔ احسن بھائی کے چہرے پر کھلی کھلی مسکان پھیلی ہوئی تھی۔ انہوں نے نور کو نہیں دیکھا تھا کیوں کہ ان کے بائیں ہاتھ وہ لڑکی بیٹھی تھی۔

''یہ کون ہوسکتی ہے؟'' نور نے پریشان ہوکر سوچا۔ ''آخر کون ہے یہ؟''

''احسن بھائی اب اکثر و بیشتر گھر تاخیر سے آتے تھے۔ بھابی کھانے پر ان کا انتظار کرتی رہتیں۔

''دوستوں میں بیٹھا رہا، وہیں کھانا کھالیا۔''

''باہر سے وفد آیا ہوا ہے۔ آج پی سی میں ڈنر تھا۔''

''ہر روز وہ ایک نیا بہانہ بنا کر بھابی کو مطمئن کر دیتے۔

کچھ دیر بعد نور نے احسن کا نمبر ملایا۔

''ہیلو نور!''

''احسن بھائی! کس وقت تک گھر آئیں گے؟''

''خیریت......؟''

''سوچا آج ہم سب باہر چل کر کھانا کھائیں۔''

''تو تم لوگ چلے جاؤ نا!''

''آپ کے بغیر نہیں جاسکتے۔''

''دراصل سنگاپور سے ایک وفد آیا ہوا ہے۔ ابھی تو میں انہی کے ساتھ آفس میں ہوں۔ جانے کس وقت فارغ ہوں۔ ڈنر بھی انہی کے ساتھ ہے۔ سوری نور!''

''کوئی بات نہیں بھیا! پھر کبھی سہی۔'' اس نے فون بند کردیا۔ ایک جھوٹ چھپانے کے لیے انسان کئی جھوٹ بول جاتا ہے، نور کا شک یقین میں بدل گیا تھا۔ وہ یقیناً بھیا کی دوست تھی۔

''بھیا کے ساتھ غیر لڑکی!'' اسے دکھ ہوا۔ ''بھیا! آپ پہلے تو ایسے نہ تھے۔ خوب صورت وفا شعار بیوی، دو پیارے بچے اور آپ دوسری عورت کے ساتھ......؟'' وہ بکھر گئی تھی۔

''آپ تو پل پل بھابی کو اپنی لازوال محبتوں کا یقین دلاتے رہتے ہیں۔ پھر یہ کیا تھا؟'' وہ رات بھر انہی کے متعلق سوچتی رہی۔

''پھوپو آگئیں......'' لان میں کھیلتے رباب اور ارسل چلائے۔ وہ لان میں پڑی کرسی پر بھابی کے قریب آکر بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے نور؟'' بھابی نے اس کے چہرے پر تھکان کو بغور دیکھا۔

''تھک گئی ہوں بھابی!'' جوتے اتار کے اس نے ٹانگیں لمبی کرتے ہوئے کرسی کی پشت سے سر ٹیک دیا۔

''چائے پیوگی؟''

''ہاں!''

''رباب! تنویر سے دو کپ چائے کا کہہ کر آؤ بیٹا!''

''بھابی! بابا جان کہاں ہیں؟''

''اپنے کمرے میں کل کے لیکچر کی تیاری کررہے ہیں۔''

''بھابی آج کیا پکا ہے؟''

''چائنیز۔ بھوک لگی ہے؟'' بھابی نے پوچھا۔

''بھیا آجائیں تب کھانا کھائیں گے۔''

''میں نے فون کیا تھا تو بتا رہے تھے آج آفس کی طرف سے ڈنر ہے۔ آنے میں دیر ہوجائے گی۔''

''اچھا!''

اس کے لہجے کی معنی خیزی بھابی سے چھپ نہیں سکی۔ مگر کچھ پوچھ نہ سکیں۔

''لو گرم گرم چائے پیو۔'' تنویر کو چائے لاتے دیکھ کر بھابی مسکرائیں۔

❁❁❁❁❁❁

اس صبح جب ارسل اور رباب اسکول اور احسن آفس جاچکے تھے، تنویر ڈائننگ ٹیبل پر سے ناشتے کے برتن سمیٹ رہا تھا۔ رائمہ لاؤنج میں پھیلی بے ترتیبی درست کرتی بار بار لال ہوئی ناک ہاتھ کی پشت سے رگڑ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ نور گنگناتی ہوئی تیزی سے سیڑھیاں اتر کر لاؤنج میں آگئی۔

''صبح بخیر بھابی!''

''صبح بخیر جانو!'' حسب معمول بھابی نے نور کے گال پر اپنا گال ٹیک دیا۔

''ارے!'' یک بارگی نور کی سوالیہ نگاہیں اٹھیں۔ اس نے بھابی کو شانوں سے تھام رکھا تھا اور بدستور ان کی متورم آنکھیں دیکھ رہی تھی۔

''نور ناشتے میں کیا لوگی؟'' وہ اس سے نظریں کترا رہی تھیں۔

''آپ کو کیا ہوا ہے؟'' وہ ان کی بات نظرانداز کرتی ہوئی نہایت فکرمندی سے بولی۔

''کچھ نہیں نور!''

''بھابی پلیز! بتائیں؟'' لہجہ ملتجی تھا۔ وہ رائمہ کو صوفے پر بٹھاتے ہوئے بیٹھ گئی۔

''نور! ہلکا سا فلو ہے۔''

''بھابی! میری طرف دیکھیں۔ آپ کچھ چھپا رہی ہیں؟'' اضطراب سے انگلیاں مسلتے ہوئے رائمہ نے آنکھیں جھکالیں۔

''بھیا سے کوئی بات ہوئی ہے؟'' رائمہ نے نم پلکیں تیزی سے جھپکائیں۔

''کہیں بھابی کو اس لڑکی کے بارے میں علم تو نہیں ہوگیا ہے۔'' نور نے سوچا۔

''نور! میرے علاوہ کوئی اور بھی ہے احسن کی زندگی میں......''

''ارے بھابی!'' نور نے اندر کی گھبراہٹ چھپائی اور رائمہ کے چہرے کو چھوتے بال نرمی سے پیچھے کردیے۔

''صحیح کہتے ہیں لوگ عورت شکی مزاج ہوتی ہے۔''

''نور! یہ میرا شک نہیں ہے۔ سب جانتے ہیں۔ احسن کئی دنوں سے گھر تاخیر سے آنے لگے ہیں۔ رات کے پچھلے پہر بالکونی پر کھڑے دیر تک سیل فون پر نہایت آہستگی سے بات کرتے رہتے ہیں، کئی دنوں سے یہ چل رہا تھا۔ رات کو بھی ایسا ہوا۔ میں ان کے قریب چلی آئی تو ''بعد میں بات کرتا ہوں۔'' کہہ کر احسن نے فون بند دیا۔ تب میں نے پوچھا۔

''احسن! کسی سے بات کررہے تھے؟''

''کوئی دوست تھا۔'' کہتے ہوئے وہ اندر آ گئے۔ ان کے لہجے میں چور تھا۔

''احسن مجھے بتائیں!''

''مجھے نیند آرہی ہے۔ تم بھی سو جاؤ۔'' میرا ہاتھ انہوں نے جھٹک دیا اور کروٹ بدل لی۔ تب میں بھی مصر ہوئی۔

''احسن! میں آپ سے پوچھ کررہوں گی۔ مجھے بتائیں کون ہے یہ؟ اکثر آپ کے موبائل پر اس کے میسج پڑھے ہیں میں نے۔''

''کہا نا دوست ہے۔'' با آواز بلند چیخ کر انہوں نے مجھے جھڑک دیا۔

''آدھی رات کو بیوی سے چھپ کر دوست سے بات کی جاتی ہے؟'' میں اندر ہی اندر آنسوؤں کو پیتی

ہوئی بولی تھی۔ تب وہ جیسے ہار گئے۔

”میرے کولیگ جنید ہاشم کو تم جانتی ہو نا!“

”ہوں جن کی چھ ماہ پہلے وفات ہو چکی ہے؟“

”ہاں، یہ انہی کی بیوہ ہے۔ جنید نے بار بار مجھ سے کہا تھا میرے بعد میرے بیوی بچوں کا خیال رکھنا۔ انہیں سیکورٹی کی رقم نہیں مل رہی۔ رشتہ دار الگ اس بیوہ عورت کو تنگ کر رہے ہیں۔ مسز جنید کا اسی سلسلے میں فون آتا ہے۔ میں صرف اس کی مدد کر رہا ہوں۔ ہو گئی تسلی!“ آخری جملہ پرزور تھا۔ تب میری جان میں جان آئی تھی۔

”یہ سب آپ مجھے پہلے بھی بتا سکتے تھے، باہر جا کر فون کرنے کی بجائے میرے سامنے بھی کر سکتے تھے۔“

”خدا کے واسطے! اب مجھے سونے دو۔“ وہ کرختگی سے مجھے گھورتے ہوئے چلائے۔

”احسن!“ میں بے یقینی میں گھری انہیں دیکھ رہی تھی۔ پہلے تو وہ اس طرح بات نہیں کرتے تھے۔ کچھ عرصہ سے ان کا لہجہ اور انداز اکھڑا اکھڑا سا ہو رہا ہے اور اسی بات نے مجھے شک میں مبتلا کیا تھا۔

”لیکن......!“ رائمہ ہچکیوں کے درمیان ایک بار پھر رو پڑی۔

❁❁❁❁❁❁

نور کو کوئین میری سے لیکچرر شپ کی آفر ہوئی اور پھر اس نے کوئین میری میں جاب کر لی۔ اس کے معمولات مخصوص ہو چکے تھے۔ وقت سب سے بڑا مسیحا ہے۔ خود ہی گھائل کرتا ہے اور جب گزرتا ہے تو گزرتے گزرتے گہرے گھاؤ مندمل بھی کر دیتا ہے۔ شام کو نور اکثر ارسل، رباب اور بابا جان کے ساتھ قریبی پارک میں چہل قدمی کی غرض سے چلی آتی۔ بابا جان اپنے چند ریٹائرڈ دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہو جاتے اور وہ تینوں مشاغل میں مصروف ہو جاتے۔ کھیلتے کودتے۔ تفریح کرتے۔ پورا دن شام کے وقت کا انتظار کرتے تھے وہ تینوں۔ نور کو کہیں نہ کہیں کوئی خالی بینچ مل جاتی تو وہ خاموشی سے بیٹھی آس پاس کا جائزہ لیتی رہتی۔ کبھی اس کے چہرے پر مسکان کھل جاتی تو کبھی تناؤ ابھر آتا۔ چپکے سے انس اس کے خیال میں در آتا۔

”کیا میں اب تک انس کو نہیں بھولی ہوں؟“ خود سے سوال کرتی۔ ”اس کا خیال میری زندگی کے لیے کیا معنی رکھتا ہے؟“ نور سامنے جھولا جھولتی رباب کو دیکھتی سوچتی رہی۔

”آنٹی! آپ یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہیں؟“ دو ننھے منے ہاتھ اس کے چہرے کو چھو رہے تھے۔ لمحے کے مختصر حصے میں اس کی جاگتی آنکھوں میں بنے تمام مناظر غائب ہو چکے تھے۔ وہ قریب کھڑی بچی کو مسکرا کر دیکھنے لگی۔

”آپ سب کھیل رہے ہو اور میں یہاں بیٹھی سب کو دیکھ رہی ہوں۔“ نور نے پونی سے نکلے اس کے بال کان کے پیچھے کرتے ہوئے اس کا گال تھپتھپایا۔ کافی دیر ہو چکی تھی۔ اس نے رباب اور ارسل کو آواز دی تو وہ دونوں نور کے قریب آ گئے۔

”آنٹی! رباب اور ارسل میرے دوست ہیں۔“

”اچھا جی!“ نور مسکرائی۔

”عینی بیٹا! چلیں؟“ نور نے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا جس نے ابھی ابھی عینی کو پکارا تھا اور وہ بیٹھی رہ گئی۔

”آنٹی! یہ میرے بڑے بابا ہیں۔“ عینی نے نور کا ہاتھ ہلایا۔

”بڑے بابا......؟“ انداز سوالیہ تھا۔

”آپ اتنی بڑی ہو گئیں اور آپ کو بڑے بابا کا نہیں پتا......؟ چھوٹے تو میرے اصلی والے ابو ہیں۔ یہ بڑے ہیں تو پھر بڑے بابا ہی ہوئے نا!“ عینی بہت باتونی تھی۔

”اچھا!“ نور اب قدرے سنبھل چکی تھی۔ یہ وہی شخص تھا جسے ایک بار نور نے راحت بیکرز پر دیکھا تھا۔

”السلام علیکم جی!“ انہوں نے سلام میں پہل کی۔

”وعلیکم السلام!“ نور نے مسکرانے کی کوشش کی۔

”بڑے بابا! ارسل اور رباب میرے دوست ہیں۔ یہ دونوں بھی میرے اسکول میں پڑھتے ہیں۔“

”اچھا۔“ وہ مدھم سا مسکرائے۔

”پھوپو چلیں۔“

”ارسل! بابا جان کو بلاؤ۔“

”بابا جان!“ ارسل نے دور سے ان کی جانب بھاگتے ہوئے ہانک لگائی۔ سب بڑوں کی طرح رباب اور ارسل بھی انہیں بابا جان پکارتے تھے۔ انہیں دیکھ کر اچانک سے پھر نور کو انس یاد آ گیا تھا۔

رات کو وہ بستر پر لیٹی تو بار بار اس شخص کا خیال آتا رہا۔ وہ چالیس سے اوپر کے لگ رہے تھے۔ انس کی طرح طویل قد و قامت اس پر سنہری مائل بلیک گھنیرے بال جن میں چند سفید بھی تھے۔ اس کی طرح تراشیدہ سنہری مائل سیاہ مونچھیں۔ کشادہ پیشانی، چوڑے شانے۔

”اس شخص کی کوئی نہ کوئی بات انس سے ضرور ملتی ہے۔“ وہ سوچتی رہ گئی۔

❁❁❁❁❁❁

گلبرگ میں پرانی کتابوں کی کئی دکانیں تھیں۔ نور کو کچھ کتابیں درکار تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی مطلوبہ کتابیں یہاں سے بہ آسانی مل سکتی ہیں۔ وہ کتابیں ڈھونڈتی ہوئی تہہ خانے میں چلی آئی۔ اسے ایک کتاب مل گئی۔ انہماک سے صفحے الٹتی دوسرے ریک کی جانب بڑھی۔

”سوری!“ وہ کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ چونک کر اپنے مقابل شخص کو گھورا۔

”آپ!“

”جی ہاں۔ اس روز آپ کو پارک میں دیکھا تھا۔ مجھے عمیر علی کہتے ہیں۔“ ان کی شخصیت کی طرح ان کا نام بھی خوب صورت تھا۔ سرمئی شلوار سوٹ میں وہ کافی اچھے لگ رہے تھے۔ نور نے دل میں انہیں سراہا۔

”کیسے آنا ہوا؟“ دوسرے لمحے اپنے سوال پر خود ہی مسکرائے۔ ”پھر کیا پڑھتی ہیں آپ؟“ اس کے ساتھ چلتے چلتے بولے۔

”پڑھاتی ہوں۔“

”ارے واقعی؟“ آنکھوں میں حیرت بھرا اشتیاق عود آیا۔ ”میں نے تو آپ کا نام ہی نہیں پوچھا۔“

”ماہ نور کہتے ہیں مجھے۔“

”خوب صورت نام ہے آپ کا۔“

”شکریہ۔ آپ کیا کرتے ہیں؟“ وہ نہیں جانتی تھی اس کی دلچسپی ان میں کیوں بڑھ رہی ہے۔

”میں آرمی میں رہا ہوں۔ دو سال پہلے کرنل کی پوسٹ پر ریٹائرمنٹ لے لی۔“

”اچھا!“ آج کافی دنوں بعد وہ کھل کر مسکرائی تھی۔ دل پر کائی کی طرح جما بوجھل پن چھٹ چکا تھا۔ وہ اپنی مطلوبہ کتابیں لیے کاؤنٹر کی جانب بڑھی۔ عمیر علی بھی ہاتھ میں دو کتابیں پکڑے اس کے پیچھے آ گئے۔ اب وہ کشادہ سڑک پر تیز تیز چل رہی تھی۔ دو دن سے نور کی گاڑی ورک شاپ میں تھی اور وہ اس وقت رکشے کی تلاش میں تھی۔

''آپ کیسے جائیں گی۔'' عمیر علی اس کے قریب چلے آئے۔

''رکشے میں جاؤں گی۔''

''کہاں رہتی ہیں آپ؟''

''جی!'' اس نے اچنبھے سے انہیں دیکھا۔

''ممکن ہے مجھے بھی اسی طرف جانا ہو۔ آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔'' نور کی خفگی نظر انداز کرتے بولے۔

''منیر روڈ پر جانا ہے مجھے، جو یہاں سے کافی دور ہے۔''

''اتفاق سے میں سرور روڈ پر رہتا ہوں۔'' وہ زیر لب مسکرائے۔

''آئیے پلیز!'' وہ پارکنگ ایریا کی جانب بڑھنے لگے تو وہ ان کے ساتھ چل دی۔ خاموشی سے ڈرائیونگ کرتے عمیر علی نور کی ہمراہی میں خاصے کھلے کھلے دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی گھنیری مونچھوں تلے گلابی بھرے بھرے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

''آپ کے گھر میں کون کون ہے؟'' نجانے کیوں نور نے بے تکا سا سوال کر ڈالا۔

''میری ماں جی، چھوٹا بھائی، بھابی اور ان کے دو بچے۔ عینی سے تو آپ مل چکی ہیں۔ فراز اس سے بڑا ہے۔''

''اور آپ کی فیملی؟'' وہ خود نہیں جانتی تھی کہ یہ سب کیوں پوچھ رہی ہے۔

''پہلے تھی۔ اب نہیں ہے۔''

''کیا......!'' اس کی آواز خود بخود تیز ہوگئی۔ وہ مسکراتے رہے۔ ان کی مسکراہٹ میں اک رنج پنہاں تھا۔

''شاید وہ میری محبت کی شدت پسندی سے تھکاوٹ محسوس کرنے لگی تھی۔ اوب گئی تھی۔''

''بچے؟''

''نہیں ہیں۔ منیر روڈ آگیا ہے؟''

''آگے والے سرمئی گھر سے دائیں ہو جائیں۔ ہاں یہ تیسرا سفید رنگ کا گھر۔'' انہوں نے گاڑی روک دی۔

''شکریہ۔ آئیے نا! چائے وغیرہ......''

''شکریہ۔ اس وقت جلدی ہے۔ ان شاء اللہ پھر کبھی سہی۔'' وہ جواباً خدا حافظ کہتی آہنی گیٹ دھکیلتی اندر چلی گئی۔

عمیر علی کی بردبار و متین شخصیت میں غیر معمولی وقار تھا۔ وجاہتیں سمائی ہوئی تھیں ان کے سراپا میں جو نور کو بار بار ان کے متعلق سوچنے پر مجبور کر دیتی۔ انس کی جگہ اب کوئی اور لینے کے درپے تھا۔ انس نے سارے مان تو پہلے ہی اس سے چھین لیے تھے اور اسے بھی تو جینا تھا۔ رائمہ بھابی اکثر کہتیں۔ ''نور تمہارے لیے کئی پروپوزل آئے ہوئے ہیں۔ تم اب شادی کرلو۔''

''بھابی! اب میں آپ کو بوجھ لگنے لگی ہوں۔'' وہ اس موضوع سے کنی کترائی ہنس کر کہتی اور وہاں سے کھسک جاتی مبادا بھابی مزید نہ کچھ بول دیں۔

ان دنوں گھر کی فضا عجیب گھٹن زدہ اور بوجھل تھی۔ جہاں لوگ باتیں نہ کرتے ہوں وہاں خاموشیاں ایک دوجے سے ہم کلام رہتی ہیں۔ رائمہ کو ایک چپ لگ چکی تھی۔ تمام دن گھریلو امور میں خاموشی سے لگی رہتی۔ پل پل ہنسنے والی رائمہ کی آنکھوں میں اداسیوں کے موسم براجمان ہو چکے تھے۔ احسن سے رائمہ کی بہت کم بات ہوتی۔ احسن بھی خاموشی اختیار کر چکے تھے۔ البتہ گھر اب جلدی آنے لگے تھے۔ بچوں کو گھمانے لے جاتے۔ رائمہ کو بھی کہتے مگر وہ کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش لیتی۔ اس کے رویے نے رائمہ کے دل کو لہولہان کر دیا تھا۔ آٹھ سالہ ازدواجی زندگی میں پہلی بار احسن کی بے اعتنائی نے اس کی بے لوث محبتوں کو اذیت ناک کچوکے لگائے اور اس کی ذات کو خود اس کی نظر میں بے مول کر دیا تھا۔

❁❁❁❁❁❁

موسم بدل رہا تھا۔ سردیوں اور آنے والی گرمیوں کا سنگم لیے دن تھے جن کی راتیں خنک اور دن معتدل رہا کرتے۔ اس دن لان میں بیٹھے نور، رائمہ سے الجھ پڑی۔

''بھابی! آپ خود بھیا کو ان کی من مانی کرنے کا موقع دے رہی ہیں۔ آپ نے ان سے بولنا بند کر دیا ہے۔ آپ کو باہر چلنے کے لیے کہتے ہیں تو آپ انکار کر دیتی ہیں۔ بھابی خدارا خود کو سنبھالیں، کیوں اذیت دے رہی ہیں خود کو۔ اس طرح آپ کی ازدواجی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔'' رائمہ اس کی باتیں سنتی چائے کے کپ پر جھکی رہی۔

''بھابی سن رہی ہیں؟ میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔''

''نور! میرا اعتماد توڑا ہے احسن نے۔''

''بھابی! مرد ذات پر ایسی شدتوں سے بھروسا قطعی نہیں کرنا چاہیے۔ مرد کا دل بہت وسیع ہوتا ہے، جس میں بہ یک وقت کئی کئی محبتیں سما سکتی ہیں۔ احسن بھائی بھی ایسے ہی مردوں میں سے ہیں۔'' نور نے بھابی کے متغیر چہرے کو دیکھا۔ ''بھابی! آپ دل سے وسوسے اور وہم نکال دیں۔ کب تک اس عورت کی اسیری میں رہیں گے، لوٹ کر تو آپ ہی کے پاس آئیں گے۔ آپ ان کے گھر کی مالکن ہیں۔ ان کے بچوں کی ماں ہیں۔ یہ رتبہ آپ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ انہیں کرنے دیں اس عورت سے دل لگی۔''

''نور! دوسری عورت کی اذیت اندر سے فنا کر دیتی ہے۔ جس کا مرد دوسری عورت میں دلچسپی رکھتا ہو، وہ عورت کیسے نہیں ٹوٹے گی؟'' بھابی کی رندھی آواز میں شکوہ تھا۔

''بھابی! میں سمجھتی ہوں آپ کے احساسات کو۔'' نور کی آواز میں اداسی محسوس ہو رہی تھی۔ رائمہ اک اذیت ناک خاموشی اور اداسی میں بھری ٹکر ٹکر نور کو دیکھ رہی تھی۔

''بھابی! آپ خود کو سنبھالیں؟'' نور سرگوشی میں اتنا ہی کہہ سکی۔

''ہوں!'' اس کی آنکھوں کی دہلیز پر کب سے رکے ہوئے آنسو گالوں پر پھسلنے لگے۔

''بس آئندہ آپ احسن بھائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعتماد سے بات کریں گی۔ آپ کو بھیا کو اس عورت کے خیال سے نکالنے کی بھرپور کوشش کرنی ہے، یقیناً آپ ایسا کر سکتی ہیں۔ چند دنوں میں ہی وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ آپ کوشش جاری رکھیں۔ مجھے دیکھیں! انس نے اپنی تنظیم کی ایک مجاہدہ سے شادی کرلی ہے۔ اگر وہ خوش رہ سکتا ہے تو میں بھی خوش ہوں۔ میرے دل میں انس کو لازماً خود سے منسلک رکھنے کی خواہش ہرگز سسکتی بلکتی نہیں بھابی! واقعی میں انس کے بناء بھی بہت خوش ہوں۔ اگر اپنی زندگی اجیرن کرلوں گی تو کچھ فائدہ تو ہونے والا نہیں۔'' رائمہ پل بھر کے لیے چونکی۔ وہ بخوبی جانتی تھی نور انس سے کس قدر محبت کرتی ہے اور اب وہ واقعی انس کے بناء خوش تھی۔

''بھابی! آپ فٹافٹ تیار ہو جائیں۔ آج ہم کھانا باہر کھائیں گے۔ میں احسن بھائی کو فون کرتی ہوں۔

آئندہ آپ تروتازہ اور تیار ہوکر احسن بھائی کے سامنے نظر آیا کریں گی۔'' نور نے نرمی سے ان کا کندھا چھوا تو اثبات میں رائمہ مسکرائیں۔

نور کے سمجھانے پر اب رائمہ پہلے کی طرح احسن سے بات کرنے لگی تھی۔ احسن بھی رائمہ کو اپنی جانب متوجہ پا کر خود کو پہلے جیسا ثابت کررہے تھے۔ اس کی ذرا ذرا سی بات کا خیال رکھتے۔ کئی دنوں سے احسن پھر شام آٹھ بجے کی بجائے رات دس بجے گھر آنے لگے تھے۔ اکثر آفس میں ہاف ڈے کے بعد غائب ہوجاتے اور فرزانہ کے گھر پہنچ جاتے جو پاپوش نگر میں ایک فلیٹ میں رہتی تھی۔ شروع میں تو احسن اس کی مدد ہی کرتے رہے تھے۔ فرزانہ شریف و مجبور عورت تھی۔ وہ نہایت مضبوط کردار کی مالک تھی اور اپنے مرحوم شوہر سے بہت محبت کرتی تھی۔ اس کی یاد میں اب بھی آنسو بہاتی۔ اس کے دو بچے تھے۔ دس سالہ روحان اور آٹھ سالہ روحی۔ دونوں اسکول جاتے تھے۔ فرزانہ گھر پر تنہا ہوتی۔ فرزانہ اس کے سامنے بڑے سے دوپٹے کی بکل مارے رہتی۔ اس کی ملکوتی سادگی، سبک رفتاری سے چلنا، شیریں گفتاری، جیسے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں۔ سیاہ آنکھیں اداسی میں گھری اسے مزید دلکشی عطا کرجاتیں۔ وہ گونگی ساعتوں میں اسے محسوس کرتے۔ احسن کے دل کے در اس عورت کے لیے کھلتے جارہے تھے۔ وہ انگلیوں کی پوروں پر اس کی اداسی چن لینا چاہتے تھے۔ ان کی موجودگی میں حجاب آمیز مسکراہٹ اس کے چہرے پر عیاں ہوتی۔ فرزانہ احسن کو بار بار یہاں آنے سے کیوں نہیں روک رہی تھی۔ یہ سوال ان کے حوصلوں اور ان کے اندر پلتی چاہ کو کمک فراہم کرتا۔ وہ بات بات پر جنید کا ذکر کرتی۔ نم پلکیں جھپکتی تو کئی ننھے شبنم جیسے قطرے نوکیلی پلکوں کے کناروں پر نمودار ہوجاتے۔ وہ دم سادھے اسے تکتے ہوئے سنتے رہتے۔ جانے کب سے ان کے لاشعور میں یہ شبیہہ ٹھہری ہوئی تھی۔ وہ احسن کی سوچ سے نزدیک تھی۔ بنیادی طور پر احسن ایسے ہی حسن کے متلاشی تھے اور وہ ان کی نگاہ میں حسین ٹھہرتی تھی۔ جمالیاتی حسن تھا اس عام سی عورت میں۔ اب تمام عمر وہ اسی جمال یار کی پناہوں میں بتانا چاہتے تھے۔

''کیا واقعی میرا من، میرا تن اسی کی تمنا میں جاگنے لگا ہے۔ نفسِ امارہ کہیں مجھے اپنی ہی نگاہوں میں گرا نہ دے۔''

فرزانہ کو تکتے تکتے ان کی آنکھیں جلنے لگتی تھیں۔ جب وہ اس سے نہ ملے تھے۔ اس سے غافل تھے۔ اس کی خوشبو نے انہیں اپنا غلام نہ بنایا تھا۔ تب تک وہ مزے میں تھے۔ جب فرزانہ کی چاہ کی آگہی میسر ہوئی تو جیسے سکھ چین غارت ہوگیا۔ فرزانہ کے گال پر پڑنے والا بھنور احسن کی بے تابی بڑھاتا۔ رائمہ انہیں اس روپ میں کبھی دکھائی نہ دی تھی۔ اب اس عورت نے احسن کی روح کو چھوا تھا۔ ان کا دل اس عورت کا متمنی تھا۔ یہی بے قراری انہیں بار بار فرزانہ کے پاس لے کر آتی تھی۔ سیاہ عبا اور اسکارف میں وہ اور مقدس دکھائی دیتی۔ ان کی راہیں اسی کے گھر تک جاکر ختم ہوتی تھیں۔ اس کی قربت میں گلابوں کی مہک تھی۔ وہ ہوش ربا مجسم حسن تھی اور اس وقت احسن کے اندر کیا کچھ پنپ رہا تھا۔ فرزانہ اس سے بے خبر تھی۔ اپنے حالات کی بہتری کے لیے احسن سے بات کررہی تھی لیکن وہ اس کی باتیں سن ہی کہاں رہے تھے۔ ان کے دل و نگاہ تو جیسے اس کے چرنوں میں جھکے تھے۔ لمحہ لمحہ ان کے اندر وہ چنگاری پھوٹ رہی تھی جو آتش عشق کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ وہ خود کو روک نہ پارہے تھے۔ احسن کی اپنی جانب توجہ وہ شروع ہی سے محسوس کررہی تھی۔ اس نے بارہا سوچا کہ انہیں یہاں آنے سے منع کردے۔ اللہ مالک ہے، اپنے کام وہ خود ہی نمٹالے گی۔ تہجد پڑھتے ہوئے وہ خدا سے اپنے لیے آسانیاں مانگتی۔ وہ خود نہ سمجھ پارہی تھی کہ احسن کو یہاں آنے سے روک کیوں نہیں رہی۔ ہر بار احسن کی مبہم دھیمی معنی خیز مسکان کو نظر انداز کرتی رہی۔ اس روز خود سے مغلوب ہونے کی حدیں عبور کرتے ہوئے احسن نے فرزانہ کا ہاتھ تھام لیا۔ فرزانہ گنگ سی بنا کسی ردِعمل کے ساکت رہ گئی اور شاید اس کی اسی خاموشی نے احسن کے حوصلے کو بڑھادیا تھا۔ فرزانہ بھی تو بشر تھی اور بشر سدا سے نفس کا غلام رہا ہے۔ احسن کی قربت کے لمحات اسے خود سے بیگانہ کرچکے تھے۔ اور شاید ایسے ہی لمحات میں شیطان خوشیاں مناتا ہے۔ اور جب وہ لمحات گزرے تو فرزانہ سسک اٹھی تھی۔ ایک کمزور لمحے نے مجھے برباد کردیا۔ اللہ پاک مجھے معاف کردے۔ میں کس منہ سے تیرے سامنے آؤں گی۔ میں تہجد گزار، خدا اور رسول ﷺ کے احکامات پر ہمیشہ عمل کرتی تھی۔ میرے رب! مجھ سے بہت بڑی بھول ہوگئی۔ بچے اسکول سے آنے کے بعد کھانا کھا کر اپنے کمرے میں سوچکے تھے۔ احسن اب بھی اسے سمجھا رہے تھے۔

''فرزانہ! تم جب کہو میں تم سے نکاح کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میں نہیں جانتا کب مجھے تم سے محبت ہوئی۔ میں جانتا ہوں تم بھی مجھے چاہنے لگی ہو اور محبت میں سب جائز ہے۔'' آدم کا بیٹا چند کمزور پلوں کی پاداش میں اسے ایک اور فریب دے رہا تھا مگر وہ تڑپ تڑپ کر روتی رہی۔

❁❁❁❁❁❁

''اے ہیلو!'' نور کے پیچھے زور سے ہارن بجا۔ سلور کرولا اس کے نزدیک آکر رک گئی۔ ''اس چہل قدمی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟'' شیشہ کھولتے ہوئے مسکرا کر عمیر علی نے استفسار کیا۔

''راحت بیکرز تک جارہی تھی۔ سوچا تھوڑی چہل قدمی بھی ہوجائے۔'' نور نے مسکرا کر کہا۔

''آیئے۔'' عمیر علی نے اگلا دروازہ کھولا۔

''کوئی بات نہیں۔ میں چلی جاؤں گی۔ زیادہ دور نہیں جانا مجھے۔'' انہوں نے دوبارہ ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کی پیشکش کی تو مجبوراً بیٹھ گئی۔ انہوں نے راحت بیکرز کے سامنے گاڑی روک دی۔

''شکریہ!''

''آپ کا انتظار کرتا ہوں، جو لینا ہے، لے آیئے۔''

''آپ میری وجہ سے زحمت نہ اٹھائیں۔ واپسی پر میں خود چلی جاؤں گی۔''

''آپ جلدی ہو کر آیئے۔'' وہ نور کی جانب دیکھے بغیر صوفیانہ کلام کی سی ڈی سننے میں محو ہوگئے۔ نور دس منٹ بعد واپس آگئی تھی۔ اس نے بیکری کا کچھ سامان لیا تھا۔

''معافی چاہوں گی، میری وجہ سے آپ کا وقت ضائع ہوا۔''

''میرے پاس فرصت کے لمحات وافر ہوتے ہیں۔'' وہ مسکرائی۔ آج صبح سے خاصی پریشان تھی۔ احسن بھیا اور بھابی کے درمیان فاصلے بڑھ رہے تھے۔ گھر کا ماحول بھی زیر اثر تھا۔ عمیر علی کو دیکھتے ہی وہ کھل گئی تھی۔

''چائے پئیں گی؟'' ایک معروف کیفے کے سامنے انہوں نے گاڑی روک دی۔

''اب آہی گئی ہوں تو پی لیتے ہیں۔''

''آیئے پلیز۔'' وہ ان کے ساتھ اندر آگئی۔

چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے اس کی نگاہیں بار بار عمیر علی کی جانب اٹھ جاتیں۔ وہ ٹو پیس سوٹ میں بے حد جاذبِ نظر لگ رہے تھے۔ ان کی پُرکشش شخصیت بہت نمایاں تھی۔ وہ اس وقت ایک مضبوط، پُروقار آرمی آفیسر ہی دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے چہرے پر جھلکتی مسکراہٹ انہیں مزید باوقار بنا رہی تھی۔

"اپنی فیملی کے متعلق آپ نے کچھ نہیں بتایا۔" وہ چائے کا آخری گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے گویا ہوئے تھے۔

"میرے بابا جان ریٹائرڈ نیوی آفیسر ہیں۔ والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ مجھ سے بڑے دو بھائی ہیں۔ حسن بھائی کے دو بچے ہیں۔ وہ دبئی میں رہتے ہیں۔ احسن بھائی کے بھی دو بچے ہیں۔ دو سال پہلے میں نے پنجاب یونی ورسٹی سے ایم ایس سی کیا ہے۔ اب عرصہ ایک سال سے کوئین میری میں پڑھا رہی ہوں۔" اس کے تفصیلی تعارف پر وہ محظوظ ہوئے۔

"چائے تو ختم ہوگئی اور منگواؤں؟" عمیر علی نے اپنے خالی کپ کی طرف دیکھا۔

"آپ اپنے لیے اور منگوا سکتے ہیں۔" انہوں نے دوبارہ چائے کا آرڈر دیا۔ عمیر علی کے متعلق وہ بہت کچھ جاننا چاہتی تھی۔ کیوں؟ یہ وہ خود نہ سمجھ پائی تھی۔ ان کے ساتھ مل بیٹھنا، باتیں کرنا نور کو اچھا لگ رہا تھا۔

"آپ اپنے بارے میں تو کچھ بتائیں۔" وہ رہ نہ سکی۔

"اس روز بتایا تو تھا۔"

"کچھ اور......!"

"مزید بتانا باقی ہے؟" انہوں نے نور پر آنکھیں گاڑ دیں۔

"شاید۔"

"ہوں۔" انہوں نے بال ہاتھ سے پیچھے کیے۔ گلا کھنکار کر صاف کیا۔

"میں عمیر علی ہوں۔ پینتالیس سال میری عمر ہے۔" ان کے چہرے پر نرمی گھل رہی تھی۔ ان کی سراہتی آنکھیں بار بار اس کے چہرے پر ٹھہر جاتیں۔ "مال روڈ پر آرمی اکیڈمی کا آنر ہوں۔ مطالعہ کثرت سے کرتا ہوں۔ گھر والوں کے ساتھ کچھ وقت گزرتا ہے۔ شام کو اکثر و بیشتر لمبی ڈرائیو پر نکل جاتا ہوں۔ ڈرائیو پر جانا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔"

"تو آپ ہر دم خوش رہتے ہیں؟"

"ہاں!" دراصل نور ان کی بیوی کے متعلق جاننا چاہتی تھی تو کہے بغیر نہ رہ سکی۔

"اپنی بیوی کے بارے میں نہیں بتایا؟" عمیر علی نے گہری نظروں سے نور کی جانب دیکھا۔ گزرا وقت اور اس وقت سے جڑی تلخ یادیں ذہن کے پردے پر جھلملائیں تو ان کی نظروں میں اک کرب سمٹ آیا۔ نور جزبز ہو کر رہ گئی۔

"عمیر صاحب! معافی چاہتی ہوں۔ مجھے ایسی ذاتی بات نہیں پوچھنی چاہیے تھی۔"

"ایسی بات نہیں ہے مس...... کیا نام بتایا تھا آپ نے اپنا؟" عمیر علی نے مسکرانے کا بہانہ تلاش لیا تھا۔

"ماہ نور۔"

"ہاں ماہ نور! نہیں صرف نور!" انہوں نے اجازت طلب نظروں سے اسے دیکھا۔

"جی!"

"ہاں تو نور، میری شدید محبتوں کی انتہائیں اسے تھکاوٹ کا احساس دلانے لگی تھیں میری شدت پسندی کو اس نے میری کمزوری جان لیا تھا۔"

"لیکن کیوں......؟ تیزی کے ساتھ حیرانی تھی نور کی آواز میں۔ وہ کھسیانا ہو کر مسکرائے۔

"وہ میری سب سے بڑی کمزوری تھی۔ اس بات کا اسے غرور تھا۔" اس نے کبھی میرے جذبات کی قدر نہ کی۔ نہ ہی اسے مجھ سے محبت تھی۔ وہ ہر اعتبار سے خود کو اعلیٰ و برتر سمجھتی۔ مجھ سے جذباتی وابستگی اسے نہ تھی، نہ ہی رکھنا چاہتی تھی۔ میرے واسطے اس کے جذبات برفیلے تھے بے حس و جامد۔" نور الجھ رہی تھی۔

"کوئی تو وجہ درمیان میں ہوگی؟"

"وجہ سانولا رنگ تھا جس سے اسے کراہت محسوس ہوتی۔"

"آپ کا تو کھلتا ہوا گندمی رنگ ہے۔"

"مگر وہ بہت گوری تھی ناں۔"

"کیا وہ بہت خوب صورت تھی؟" نور نے پوچھا۔

"ٹھیک تھی یا شاید تمہارے جیسی تھی۔ اوہ معافی چاہتا ہوں آپ جیسی تھی۔"

"آپ کا تم کہہ کر پکارنا مجھے اچھا لگا۔"

وہ تلخ چائے حلق سے اتارتے رہے۔

"آپ تو اتنے جاذبِ نظر ہیں۔ ایک انوکھی وجاہت ہے آپ کی شخصیت میں۔"

"لیکن اسے مجھ سے قطعی سروکار نہ تھا، اسے مجھ سے محبت نہیں تھی۔ میری بے پایاں محبت کے مدفن میں اس کا دم گھٹتا تھا۔ اسے صرف میری دولت سے محبت تھی۔ اس کا لالچ و طمع حد سے بڑھا ہوا تھا۔ ہمارا شمار بڑے زمینداروں میں ہوتا ہے۔ میری نظر میں وہ دنیا کی سب سے حسین عورت تھی لیکن وہ بار بار میری الفت کی نفی کرتی۔"

"آپ خود دلکش و وجیہہ شخصیت کے مالک ہیں۔"

"میں نہیں جانتا اس نے مجھ پر کیا جادو کیا تھا اس کی محبت کے سحر میں میرا وجود مقید تھا اور میں اسی میں خوش تھا۔ میرے اندر باہر صرف وہی تھی۔ وہ مجھے اپنی قربت سے ترساتی تو میں دیوانہ وار اس کے قدموں میں جھک جاتا۔ اسے میری بے تابی مزا دیتی وہ اپنی دل نوازیوں کی بارش میں مجھے ترسا ترسا کر بھگوتی۔ اسے جتنا پیسہ چاہیے ہوتا میں دے دیتا۔ گھر والے مجھے سمجھاتے مگر اس کی آنکھوں میں اپنے لیے شکوے میں نے کبھی اگنے ہی نہ دیے۔ وہ جانتی تھی کہ وہ میری کمزوری ہے۔ جس کا وہ فائدہ اٹھاتی رہی۔ شادی کو دو سال ہو چکے تھے۔ اچانک اسے بچے کی خواہش ہونے لگی۔ میں بھی چاہتا تھا کہ اولاد کا رشتہ ہمیں مضبوط کر دے گا۔

"نام کیا تھا اس کا؟" بہت دیر بعد نور نے پوچھا۔

"شاید اس کا نام میں نے نہیں بتایا۔ شازیہ تھا اس کا نام۔ ہم دونوں نے مہنگے ڈاکٹرز سے علاج کرایا۔ ایک سال اس میں گزر گیا۔ اب باقاعدہ ہم میں لڑائیاں ہونے لگیں۔ ایک دن بچہ نہ ہونے پر مجھے موردِ الزام ٹھہرا دیا۔ دراصل وہ کافی دولت جمع کر کے اب مجھ سے طلاق چاہتی تھی۔ میں ہرگز اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے کورٹ میں خلع کی درخواست دائر کر دی از خود مجھ سے میری محبت سے دامن چھڑا لیا مگر اب میرا عورت ذات سے اعتماد اٹھ گیا تھا۔ آخر میں نے تمہیں اپنے بارے میں بتا ہی دیا۔ وقت بہت ہو چکا ہے۔ اب چلنا چاہیے۔" اچانک انہیں وقت گزرنے کا احساس ہوا۔ ان کی سنگت میں جہاں اسے خوشی ہوئی تھی، دل کا بوجھ اتنا ہی بڑھ گیا تھا۔

"بہت بدقسمت تھی وہ عورت جس نے آپ کی چاہ کی قدر نہ کی۔" بیگ اٹھاتے ہوئے نور کھڑی

ہوگئی۔

جب سے وہ عمیر علی سے ملی وہ خوش رہنے لگی تھی۔ اس کے اندر کے موسم ہرے بھرے ہوگئے تھے۔ خوشی کی نئی کونپلیں پھوٹ رہی تھیں اور اس کے اندر کی طمانیت اس کی آنکھوں سے جھانکنے لگی تھی اس تبدیلی پر سب ہی خوش تھے۔

✿✿✿✿✿

احسن فرزانہ سے اصرار کررہے تھے کہ مجھ سے نکاح کرلو۔ فرزانہ نے انکار کردیا۔ اس روز سے اس کا سکھ چین غارت ہوچکا تھا۔ وہ پشیمانیوں کی آگ میں جھلس رہی تھی تمام عمر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتی اس کی عبادت گزار بنی رہی مگر لمحے کی بھول نے اسے گناہِ کبیرہ کا گنہگار بنا دیا تھا۔ وہ سجدے میں گر کر بلک بلک کر اپنے رب سے اس کی معافی مانگتی۔ اس کی پارسائی کو گھن لگ گیا تھا۔ نگہبان ہی عزت کا لٹیرا بن گیا تھا۔ فرزانہ احسن کو خوب برا بھلا کہہ رہی تھی۔

''خبردار جو آئندہ تم نے یہاں قدم رکھا۔ نکل جاؤ میرے گھر سے، کبھی مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔ تم نے مجھے زندگی بھر کے پچھتاؤں میں ڈال دیا ہے۔ میں نفرت کرتی ہوں تم سے۔''

فرزانہ کے منہ میں جو آیا کہتی چلی گئی۔ وہ تو کئی امیدیں لے کر اس کے پاس آئے تھے مگر بنا کچھ کھائے وہاں سے اٹھ گئے۔

آج کئی دنوں بعد احسن نے رائمہ کے ساتھ محبت سے بات کی تھی۔

''تم جلدی سے تیار ہوجاؤ آج صرف ہم دونوں باہر کینڈل لائٹ ڈنر کریں گے۔'' رائمہ خواب سی کیفیت سے احسن کو دیکھ رہی تھی۔ احسن کی آنکھوں میں رائمہ کے لیے پہلے جیسی چمک تھی۔ رائمہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا خوشی کا اظہار کس طرح کرے۔ احسن نے پہلے اسے ڈھیر ساری شاپنگ کرائی۔ چائنیز میں ڈنر کے لیے بیٹھتے ہوئے میز پر رکھے گل دان میں سے سرخ گلاب اٹھایا اور اس کی جانب بڑھا دیا۔

''رائی! آئندہ تمہیں کبھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' رائمہ بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ مگر دوسری عورت کے ٹھکرانے پر پہلی نے انہیں سمیٹ لیا تھا۔

✿✿✿✿✿

نور کی اکثر فون پر عمیر علی سے بات ہوتی رہتی، اکثر شام کو پارک میں سامنا ہوجاتا۔ نور نے بابا جان سے بھی عمیر کو ملوایا تھا۔ بابا جان کو وہ بہت پسند آئے تھے۔ بابا جان اپنے دوستوں میں اور وہ عمیر علی کے ساتھ چہل قدمی کرتی رہتی۔ عمیر علی کی سنگت میں اسے وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلتا۔ اس دن عمیر علی نور سے کہہ رہے تھے۔

''پتا نہیں کیوں، میں بھی اب خوش رہنے لگا ہوں۔ تمہارے ساتھ وقت گزارنا مجھے اچھا لگتا ہے۔'' نور نے خوش ہوکر انہیں دیکھا۔

''نور! اکثر زندگی بے معنی محسوس ہوتی تھی۔''

دونوں ایک دوسرے کی سنگت میں بہت مطمئن دکھائی دیتے تھے۔

''سنو نور! کل پی سی میں آرمی کی ایک تقریب ہے، تم چلوگی میرے ساتھ؟''

''کس حیثیت سے؟''

''بھئی تم میری دوست ہو۔''

''نہیں جاسکوں گی۔''

''کیوں؟''

''کالج میں پیپرز نزدیک ہیں۔ شیڈول بہت ٹف چل رہا ہے۔''

''پرسوں پھر لمبی ڈرائیو پر چلیں گے۔''

''سوچوں گی۔'' اس نے شرارت سے آنکھیں موند لیں۔

عمیر علی کا سراپا نور کی آنکھوں کی پتلیوں میں ٹھہر جاتا تو آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیتی۔ شاید ان کے تصور کو نظر لگنے کے لیے مگر ہراساں ہوکر سوچتی۔

''میں عمیر علی کو کیوں سوچتی ہوں۔ وہ بھی مجھ پر توجہ دیتے ہیں۔ کیا ہم دونوں......!''

اس دن وہ عمیر علی کے ساتھ لمبی ڈرائیو پر نکلی تو وہ نور کو بتانے لگے۔

''شازیہ میری سابقہ بیوی ایک بزنس مین سے شادی کرچکی ہے۔ جس کی پہلی بیوی سے دو بیٹیاں تھیں۔ بیٹے کی خواہش پر شازیہ سے اس نے شادی کرلی مگر شادی کو پانچ سال گزر چکے ہیں ابھی شازیہ کے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔'' وہ توجہ سے ان کی باتیں سنتی رہی۔

''آپ ابھی بھی شازیہ کو یاد کرتے ہیں؟'' اس نے اچانک پوچھ لیا۔

''ہاں کبھی کبھار اپنی تذلیل کا ملال ضرور ہوتا ہے۔ یہ بات دکھ دیتی ہے آخر اس میں کیا تھا جو میں نے اسے اتنی شدتوں سے چاہا۔ اس کے سامنے اتنا بے بس کیوں ہوجاتا تھا؟''

وہ خاموش ہوئے تو دونوں کے درمیان خاموشی رقص کرنے لگی۔

''جمعہ کو میری سالگرہ ہے۔ آپ آئیں گے؟''

''ضرور! ویسے بائے دا وے کون سی سالگرہ ہے؟''

''ستائیسویں۔''

''تو شادی وادی کا ارادہ نہیں ہے؟''

محبت

جو اٹھ گئی نظر اک بار
تو پھر......!
واپس پلٹنا بھول گئی
چہرہ نور سے دمکتا ہوا
دیپ آنکھوں میں روشن کیے
وہ حقیقت ہے یا کوئی سپنا
اسے چھو کر......!
اس بات کا ادراک کریں
دل یہ کہتا ہے کہ
اس سے دل کی بات کریں
او نظر کہتی ہے
بس چپ چاپ اس چہرے کا طواف کریں
ہم دل و نظر کے تقاضوں میں الجھے ہوئے
بات و طواف کی کشمکش میں
حیراں و پریشاں
دونوں کے درمیاں
بس یہ انصاف کریں
کہ محبت اسے دن رات کریں

حوریہ مغل...... ہری پور

''میری منگنی ہوئی تھی۔''

''کیا مطلب، ہوئی تھی؟''

اس نے انس کے بارے میں عمیر علی کو تفصیل سے بتایا۔ وہ گمبھیر خاموشی کے ساتھ سنتے رہے۔

✿✿✿✿✿

عمیر علی نور کی سالگرہ پر آئے تو گھر والے ان سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے۔ بابا جان ان سے دیر تک گپ شپ کرتے رہے۔ دونوں کا تعلق پاکستان فورسز سے جو تھا۔ نور کی سالگرہ کے وہ واحد مہمان تھے۔ نور کی عمیر علی پر خاص توجہ ہے۔ یقیناً بابا جان اور بھابی بہت کچھ سمجھ چکے تھے۔ وہ خوش

تھے۔ نور زندگی کی جانب لوٹ چکی تھے۔ عمیر علی کی اس کی زندگی میں آنے سے بابا جان کو ایک نئی نوید ملی تھی۔ خوشی نور کے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی۔ مگر عمیر علی کے انداز سے بابا جان ان کے متعلق کوئی اندازہ اخذ نہیں کر سکتے تھے کہ آیا وہ بھی نور میں دلچسپی رکھتے ہیں یا نہیں۔

نور بابا جان کے بہت قریب تھی۔ ہر بات ان سے کہتی سنتی مگر اس بار کچھ کہہ نہ سکی تھی شاید وہ ابھی اس فیصلے تک نہ پہنچ پائی تھی۔ اکثر شام میں نور عمیر علی کے ساتھ لمبی ڈرائیو پر نکل جاتی تو وہ لمحات نور کے لیے نہایت دل خوش کن رہتے۔ وہ چپکے سے دعا مانگتی کہ الٰہی یہ ساعتیں امر ہو جائیں۔ زندگی بھر میں یوں ہی عمیر علی کی سنگت میں گزار دوں۔ شاید اسے عمیر علی سے محبت ہو گئی تھی۔ جبھی تو ان کی سنگت میں خوش رہتی تھی۔ ہر لمحہ اسے ارفع و اعلیٰ لگتا وہ ان لمحات میں کھل کھلا کر ہنستی۔ عمیر علی اس کے روم روم میں اتر چکے تھے۔ اس کے دل کی کائنات کے ہر ہر حصے میں عمیر علی براجمان تھے۔ وہ دعا کرتی مالک چاہت کے یہ بیکراں سلسلے ہم دونوں کے درمیاں ہمیشہ قائم رہیں۔ اپنی سابقہ لاحاصل محبت کے لیے وہ سرمئی یخ بستہ شاموں کی اداسیوں میں بہت رو چکی تھی۔ اس دن نور نے ڈرائیونگ کرتے عمیر علی کی جانب دیکھا

"میں آپ کے ساتھ ہر ساعت میں ان گنت زندگیاں جینا چاہتی ہوں۔" بے ساختہ نور کا لمبی انگلیوں والا مرمریں ٹھنڈا ہاتھ اسٹیئرنگ گھماتے عمیر علی کے مضبوط ہاتھ پر اپنی انگلیاں جما چکا تھا۔ عمیر علی نے چونک کر نور کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے کے خدوخال میں کھنچاؤ بڑھا۔ نچلے ہونٹ کو اندر کی طرف دباتے ہوئے پہلے نور کے ہاتھ اور پھر اس کی طرف دیکھا۔ نور نے گھبرا کر اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔

دونوں کے بیچ دیر تک بوجھل سکوت طاری رہا۔ بس آواز تھی تو سی ڈی پلیئر پر چلنے والے لوک گیت کی سنجیدگی کی اتھاہ گہرائیوں میں گم عمیر علی ایک ٹک سرمئی سڑک پر نگاہیں مرکوز کیے بے حد پروقار لگ رہے تھے۔ سنہری فریم کے گلاسز کے اندر سے جھانکتی آنکھیں ان کی گہری سنجیدگی کی غماز تھیں۔ اس پل ان کا گندمی رنگ مزید گہرا ہو گیا تھا۔ وہ پہلے سے زیادہ اچھے لگ رہے تھے یا اس کی نگاہوں کی وارفتگی تھی کہ وہ ہر انداز میں نور کو اچھے لگتے تھے۔ بہت دیر بعد وہ گویا ہوئے۔

"نور! میں بھی تمہارے ساتھ وقت گزار کر اچھا محسوس کرتا ہوں۔ اگر چند روز میں تم سے ملاقات نہ ہو تو دھیان بار بار تمہاری طرف جاتا ہے۔ نور ہم اچھے دوست بن کر ایک دوسرے کے ساتھ رہ سکتے ہیں نا!" وہ نور سے پوچھ رہے تھے یا اسے بتا رہے تھے۔ ان کا لہجہ ٹوٹ رہا تھا۔

"عمیر آپ میری سانسوں میں اتر چکے ہیں۔" وہ نہ جانے کیا کہنا چاہتی تھی مگر انہوں نے خود کو سنبھال رکھا تھا۔

"نور! یہ وقتی و جذباتی باتیں ہیں۔" ان کی دھیمی بوجھل آواز میں کھردرا پن نمایاں تھا۔ "اب شاید کبھی کوئی عورت میری زندگی میں نہ آئے۔ مجھے ہر عورت شازیہ دکھائی دیتی ہے۔"

"عمیر علی! ایسا نہیں ہے۔ جن شدتوں سے آپ شازیہ کو چاہتے تھے۔ میں بھی آپ کو اسی......" باقی بات اس کے گلے میں دب کر رہ گئی۔ وہ کانپ رہی تھی۔

"نور! اب کوئی عورت میری زندگی میں نہیں آئے گی۔"

"آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔"

"نور! تم ابھی بہت چھوٹی ہو۔ میرا تمہارا جوڑ ہی نہیں بنتا۔"

"کیوں نہیں بنتا؟" نور کی آواز میں تیزی تھی۔

"تمہاری بے تکی ضد ہے۔" وہ مسکرائے۔

"آپ جیسا سوبر و باوقار مرد ہی میری زندگی کا ساتھی بن سکتا ہے۔"

"نور! سوبر مردوں کی دنیا میں کمی نہیں ہے۔" وہ خاصے اداس تھے۔

"ان میں آپ جیسا کوئی نہیں بن سکتا۔ آپ صرف آپ ہی ہو۔"

"ایسا ممکن نہیں ہے۔"

"آپ نے مجھے زندگی کی طرف لوٹایا ہے۔ اب پیچھے جانے والے تمام راستے گم ہو چکے ہیں۔ اگر میں نے مڑ کر دیکھا تو یقین کریں کہ پتھر کی ہو جاؤں گی۔"

"نور! کہانیاں، کہانیاں ہوتی ہیں۔ ہماری زندگی کوئی کہانی نہیں ہے۔ یہ حقیقی زندگی کے کڑوے کسیلے سچ ہیں جن کے ساتھ ہمیں جینا ہے۔" انہوں نے بے رخی کی حد عبور کر دی۔

"کیا آپ ایک بار پھر سے نامرادی میرے نصیب کی لکیروں میں لکھ دینا چاہتے ہیں۔ میں آپ کو غیر محسوس طریقے سے سوچتی ہوں۔ اپنی ہر دھڑکن میں مقید رکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے آپ کے مضبوط بازوؤں کا تحفظ چاہیے۔ آپ کے کندھے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لینا چاہتی ہوں جن کی نیندیں عرصہ سے غائب ہیں۔ مجھے تو بس اتنا ہی چاہیے۔ اگر اس دوران آپ کو میرا ساتھ سزا لگنے لگے یا مجھ سے اوب جائیں، مجھے برداشت نہ کر پائیں تو مجھ سے الگ ہو سکتے ہیں۔" وہ خاموشی سے اس کی باتیں سنتے رہے۔ "عمیر کچھ تو بولیں۔" نور نے ان کا کندھا ہلایا۔

"نور میرے دل میں تمہارے لیے محبت نام کا کوئی گداز جذبہ کبھی بیدار نہیں ہوا۔" ان کی آواز میں بے رخی تھی۔

"کوئی بات نہیں، میں نے آپ سے توقع بھی نہیں کی۔" نور کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ "اب کی بار میں زندگی پوری شدتوں سے جینا چاہتی ہوں۔"

"نور! تم اپنے حواسوں میں تو ہو۔"

"عمیر! آپ مجھے بہت عزیز ہیں۔ آپ کو میں دکھی نہیں کر سکتی۔"

"تو پھر تم اپنی زندگی خود جیو تمہارے سامنے بہت بڑی زندگی تمہاری منتظر ہے۔ درمیان میں مجھے مت لاؤ۔"

"اپنی زندگی ہی تو جینا چاہتی ہوں۔" ان دیکھے آنسوؤں سے نور کی آواز بھیگ رہی تھی۔ اب مخملیں گھاس پر پام کے درختوں کی دو رویہ قطار کے درمیان تارکول کی لمبی سیاہ سڑک پر بوجھل قدموں سے چل رہے تھے۔

"نور؟" بنا جواب دیے نور نے عمیر علی کی طرف دیکھا۔ "کیا بات ہے نور؟" اس نے نفی میں سر جھٹکا۔ "ناراض ہو مجھ سے؟" چلتے چلتے اچانک رک کر پوچھنے لگے۔

"میں کبھی آپ سے ناراض نہیں ہو سکتی۔"

"پھر شکل کیوں بسوری ہوئی ہے؟"

"وقت تو لگتا ہے سنبھلنے میں۔"

"ہوں۔ نور میں دوبارہ اپنی زندگی میں کسی عورت کو لانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"عمیر علی میں مر جاؤں گی۔" نور کو دھچکا لگا۔ وہ زرد پڑ گئی۔

"نور! کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا۔ میں شازیہ

کے بناء مر تھوڑی گیا ہوں۔" شازیہ کے ذکر پر ان کے لہجے میں زہریلی کاٹ تھی۔

"اس کا بدلہ آپ مجھ سے لینا چاہتے ہیں؟" وہ خاموشی سے سگریٹ کا دھواں مرغولوں کی صورت فضا میں اڑاتے رہے۔ "عمیر! آج بھی شازیہ آپ کی یادوں میں کہیں نہ کہیں موجود ہے۔"

"نور! میں اس سے شدید نفرت کرتا ہوں۔" وہ احتجاجاً طنزیہ انداز میں مسکرائی۔

"عمیر علی ایک عورت سے آپ محبت کی بھیک مانگتے رہے۔ اب دوسری عورت ایک بھکاری سے اپنی والہانہ محبت کی بھیک مانگتی ہے۔ ہم دونوں میں بھیک مانگنا ہی تو مشترک ہے۔ برتر تو دونوں میں سے کوئی نہیں۔" وہ یک لخت جس سڑک پر آگے بڑھ رہی تھی۔ واپسی کے لیے مڑ گئی۔ ان کی طرف دیکھے بغیر تیز قدموں سے بھاگتے ہوئے چل رہی تھی۔

❁❁❁❁❁❁

اس شام لاؤنج میں شام کی چائے پیتے ہوئے بابا جان نور سے کہہ رہے تھے۔

"بیٹا! کسی روز عمیر صاحب کو ڈنر پر مدعو کرو۔ کافی دنوں سے ان سے گپ شپ نہیں لگی۔ شطرنج کی ایک بازی بھی ہو جائے گی۔"

"اچھا جی!" چائے کا آخری گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے نور نے اٹھنا چاہا۔

"نور!" بابا جان کی سوالیہ آنکھوں میں کئی سوال تھے۔

"جی بابا جان!" وہ دوبارہ بیٹھ گئی۔ وہ ان سے نظریں چراتے دانتوں سے ناخن کترتی رہی۔

"کوئی مسئلہ ہے بیٹا!"

"نہیں تو بابا جان! بس کچھ تھکان محسوس کر رہی ہوں۔" اب وہ رباب اور ارسل کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

اس شام کئی دنوں بعد عمیر علی نور کو لانگ ڈرائیو پر لے جانے کے لیے آگئے۔

"میں معذرت خواہ ہوں۔ دراصل میں ابھی پرانی انارکلی کی طرف جانے والی تھی۔ مجھے چند پرانی کتابیں خریدنی ہیں۔"

"انارکلی سے کتابیں لے کر ڈرائیو پر چلیں گی۔"

"کیوں سر!" عمیر علی نے بابا جان کی طرف حمایت طلب نظروں سے دیکھا۔

"نور چلی جاؤ۔ تمہاری طبیعت بھی بہتر ہو جائے گی۔ عمیر علی ہمیشہ اس کے گھر والوں کی اجازت سے ہی اسے لانگ ڈرائیو پر لے کر جایا کرتے تھے۔ انارکلی سے کتابیں لینے کے بعد وہ فیروز پور روڈ سے ہوتے ہوئے جی ٹی روڈ پر نکل گئے تھے۔ اب ان کی سلور کرولا رنگ روڈ کراس کرتی ہوئی واہگہ بارڈر کی جانب بڑھ رہی تھی۔

"آپ نے پھر کیا سوچا؟" اس نے ملتجی آنکھوں سے عمیر علی کو دیکھا۔

"کس بارے میں؟" بے خبری و بے نیازی سمیت انہوں نے استفسار کیا۔

"ہم دونوں کے بارے میں......؟"

"نور! تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ تمہیں اپنا ہم عمر بہترین ساتھی مل سکتا ہے۔"

"وہ کوئی اور نہیں ہوگا۔ آپ ہی ہوں گے۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"نور! آخر میں ہی کیوں؟"

"یہ میں خود نہیں جانتی۔ ہاں اتنا ضرور جانتی ہوں آپ کے علاوہ کچھ اور سوچنے کے لیے دل تیار نہیں ہے۔"

"تم جانتی ہو میرے دل میں تمہارے لیے ایسے

والی جذبات نہیں ہیں۔"

"اگر ہوتے تب کیا ہوتا۔" نور نے ان کی بات اچک کر کہا۔

"تب بھی یہی جواب ہوتا۔ میں تمہارے ساتھ انصاف نہ کر سکا تو......؟"

"میں آپ کو آمادہ کرلوں گی۔" ایک یقین کے ساتھ وہ اونچی آواز میں بولی۔

"اتنا یقین ہے تمہیں خود پر؟"

"جی ہاں، کہا نا میں آپ کو کھو نہیں سکتی۔ میں فنا کرلوں گی خود کو...... بار بار بکھرنے کا یارا مجھ میں نہیں ہے۔"

"بہت شدت پسند ہو تم۔" وہ مبہم سا مسکرائے۔

"سچی محبت کے معاملے میں سبھی شدت پسند ہوتے ہیں۔" نور نے انہیں دیکھا۔ آنکھوں کی تپش گالوں کو جھلسا رہی تھی۔ کنچوں جیسی چمک دار آنکھوں میں اس نے نمی چھپا رکھی تھی۔ عمیر علی کا چہرہ گمبھیر سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔

"نور! یہ نہ ہو کہ بعد میں پچھتاوے تمہیں ستائیں؟" ان کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"عمیر علی! میری آنکھوں میں جھانکیں۔" نور نے ان کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

"نور! دو دن اگر میری تم سے ملاقات نہ ہو تو میں تمہیں یاد کرتا ہوں۔ میرے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ کئی دنوں سے میں یہ سوچ رہا ہوں۔ کئی راتیں میں نے بنا سوئے ٹہل کر گزار دی ہیں۔"

"آپ کو اپنے سوال کا جواب ملا؟"

وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ دوراہے پر کھڑا ہوں میں ماں جی سے اکثر تمہارا ذکر کرتا ہوں۔ میں نے انہیں بتایا ہے کہ تم صرف ستائیس سال کی ہو۔ اس کا جواب انہوں نے مجھے دیا کہ "عمیر تمہارے ابا مجھ سے پورے بائیس سال بڑے تھے۔" نور طمانیت سے مسکرا رہی تھی۔ ان کی گاڑی بھاگ رہی تھی۔

کھلی سڑک کے اطراف حد نظر لہلہاتے کھیت مست خرام ہوائیں اک دوجے سے لپٹے جھوم رہے تھے۔ نور نے شیشہ کھول دیا۔ خوش بودار فضا میں تازہ ہوا کا جھونکا اس کی روح میں اترتا چلا گیا۔ تیز جھونکے نے عمیر علی کے بال بکھیر دیے تھے تو انہوں نے بھرپور مسکراہٹ سے نور کو دیکھا۔ نور کا چہرہ گلال بنا جا رہا تھا۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ آسمان پر لالی پھیلی ہوئی تھی۔ کھلے وسیع و عریض آسمان پر پرندوں کے غول اپنے ٹھکانوں کی سمت تیزی سے محو سفر تھے۔

"کل ماں جی کو تمہارے گھر لا رہا ہوں۔"

"واقعی!" نور کو یقین نہیں آرہا تھا۔

"ہاں۔" انہوں نے سر ہلایا۔

"آپ نے مجھے اتنا ستایا کیوں؟"

"سوچا لڑکی اتنی منت سماجت کر رہی ہے تو اس سے شادی کر ہی لوں۔" انہوں نے شرارت سے نور کو دیکھا۔ بے ساختہ نور نے پیشانی عمیر علی کے کندھے سے ٹیک دی۔ آنکھوں میں خوشی سے نمی پھیل گئی۔

"ہوں...... ہوں۔" انہوں نے نور کو پیچھے کیا۔ "اتنی جلدی یہ سب نہیں چلے گا۔" وہ دبی دبی مسکان کے ساتھ نور کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

❁

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

پارس عرف پری عدم توجہی اور سوتیلے رشتوں کی بدسلوکی کا شکار ہے۔ دادی جان اس کے لیے گھر بھر میں واحد محبت کرنے والی شخصیت ہیں جبکہ اپنے والد فیاض صاحب سے اس کا رابطہ واجبی سا ہے۔ فیاض صاحب کی دوسری بیوی صباحت فطرتاً حاسد' فضول خرچ اور طمع پرست ہیں۔ ان کے یہی اوصاف ان کی بیٹیوں عادلہ اور عائزہ میں بھی بہ درجہ اتم موجود ہیں۔ البتہ پری اور دادی جان کی حیثیت گھر بھر میں مضبوط ہے۔ دادی جان سے پری کا اختلاف اس وقت ہوتا ہے جب آسٹریلیا سے ان کے پوتے طغرل کی بمعہ فیملی آمد کی اطلاع پر دادی پری کو اپنا کمرا طغرل کے لیے خالی کرنے کو کہتی ہیں۔ اپنے کمرے سے دلی وابستگی

قسط نمبر 8

بھیگی پلکوں پر

اقراٗ صغیر احمد

عشق کی جوت جگانے میں بڑی دیر لگی
سائے سے دھوپ بنانے میں بڑی دیر لگی
میں ہوں اس شہر میں تاخیر سے آباد ہوا شخص
مجھ کو اک اور زمانے میں بڑی دیر لگی

کے سبب پری انکار کرتی ہے۔ بعدازاں آمادہ ہوجاتی ہے۔

رجاء ایک باپردہ اور حسین وجمیل لڑکی ہے جس کا تعلق مذہبی اور پابند شرع گھرانے سے ہے۔ اس کی دوست اسے اپنے کزن سلمان عرف سنی کی جانب مائل کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ وردہ گاہے بہ گاہے رجاء کے گھر کے پابند اور گھٹے ہوئے ماحول کی مخالفت کر کے رجاء کو اس سے متنفر کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ رجاء کے محلے میں ماہ رخ نامی ایک حسین وجمیل خاتون کے چرچے ہیں جو کردار کے حوالے سے مشکوک کہلائی جاتی ہے۔

طغرل کی آمد خاصی ہنگامہ خیز ثابت ہوتی ہے۔ پری کے ذہن میں طغرل اور اپنی بچپن کی لڑائیاں تازہ ہیں۔ پرانی چپقلش اور طغرل سے عناد کے باعث وہ طغرل کی آمد کے بعد بھی کافی عرصہ اس سے چھپ کر رہتی ہے مگر ایک روز طغرل اسے اپنے سامنے لانے میں کامیاب ہوجاتا ہے البتہ پری کی طغرل سے رکھائی برقرار رہتی ہے۔ عادلہ' طغرل پر ملتفت ہے اس کی وجاہت اور اس کے اسٹیٹس کے سبب۔

پری کی والدہ فیاض صاحب سے علیحدگی کے بعد اپنے خالہ زاد صفدر جمال سے شادی کر چکی ہیں جو ایک کامیاب بزنس مین ہیں۔ پری کے لیے ممی کی محبت لازوال ہے۔ مگر صفدر جمال کو پری کا ذکر بھی ناپسند ہے۔

وردہ بالآخر رجاء کو سلمان سے باضابطہ ملاقات پر آمادہ کر لیتی ہے۔ مگر سلمان سے ملاقات کے لیے جاتے ہوئے رجاء کا حوصلہ ڈگمگانے لگتا ہے جس پر وردہ کے تیور بگڑ جاتے ہیں۔ جس کے سبب رجاء پر وردہ کی اصلیت آشکار ہوتی ہے اور وہ اس کے چنگل سے فرار ہونے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ وردہ اور سنی کا تعلق ایسے گروہ سے ہے جو معصوم لڑکیوں کو ورغلا کر......!

طغرل' پری کی خود سے رکھائی پر حیران اور اس بابت اس سے استفسار کرتا ہے۔

رجاء سنی اور وردہ کے چنگل سے فرار ہوکر ماہ رخ کے گھر پناہ لیتی ہے۔ ماہ رخ' رجاء کو سنی اور وردہ کی اصلیت بتاتی ہے اور

بحفاظت رجاء کو اس کے گھر چھوڑ کر آتی ہے۔

طغرل کے والد فیاض صاحب کی مدد سے پاکستان میں ہی کاروبار جمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ طغرل ان سے مدد کی درخواست کرتا ہے۔

مثنیٰ کے اکثر اوقات بے گانگی کے مظاہرے پر صفدر جمال ان سے شاکی ہو جاتے ہیں۔

پری ایک بار پھر طغرل کی شرارت کا شکار ہو کر بے وقوف بن جاتی ہے۔

رجاء کو پیش آنے والے حادثے سے سبق سیکھتے ہوئے اس کی والدہ رضیہ بیگم نے اس کی شادی کردی جس میں ماہ رخ پیش پیش رہیں۔

ماہ رخ ماضی میں جا پہنچتی ہیں۔ جہاں وہ ایک سبزی فروش کی لاڈلی بیٹی تھیں۔ ان کے قدم زمین پر مگر نگاہیں بلندی پر تھیں اور بلندیوں کی چاہ نے اسے اس کا مقام بھی بھلا دیا تھا اور اپنے کزن گلفام کی چاہت بھی۔

صباحت کی بھابی نے اپنے بیٹے فاخر کے لیے عائزہ کا رشتہ طلب کیا تھا۔ فیاض صاحب نے صباحت کو نرم لفظوں میں پہلے پری اور عادلہ کی موجودگی کا احساس دلایا' جس پر دونوں کی تکرار میں صباحت کی پری اور مثنیٰ کے حوالے سے نازیبا گفتگو پر پری کو سخت دھچکا لگا۔ اس نے اسی وقت یہ گھر چھوڑ دینے کا عزم کیا۔ تاہم اماں جان نے فیاض صاحب کو اس رشتے کے لیے راضی کرلیا۔

رات کی تاریکی میں طغرل نے ایک سائے کو سوٹ کیس تھامے گھر سے فرار ہوتے دیکھا۔

طغرل کے خیال میں رات کے اندھیرے میں گھر سے فرار ہونے والی لڑکی پری ہے۔ جب کہ حقیقت مختلف ہے۔ صفدر جمال اور مثنیٰ کا بیٹا سعود غیر ملک میں کسی ہندو لڑکی سے شادی کا خواہاں ہے' جس کی مثنیٰ سختی سے مخالفت کرتی ہیں مگر اک روز صفدر جمال انہیں بتاتے ہیں کہ سعود پوجا سے شادی کر چکا ہے وہ بھی ان کی اجازت اور شمولیت کے ساتھ...... مثنیٰ شاکڈ رہ جاتی ہیں اور برگشتہ ہو کر گھر چھوڑ دیتی ہیں۔

ماہ رخ کے ماضی میں اس کا کزن گلفام ہے جو اس پر فریفتہ ہے مگر ماہ رخ کی نگاہیں بلندیوں پر ہیں۔ اپنی کلاس فیلو جویریہ کو اپنی جھوٹی امارت کے قصے سنا کر وہ مرعوب رکھتی ہے جب کہ خود جویریہ کا تعلق بھی اپر کلاس سے ہے۔

طغرل پری سے اپنی غلط فہمی پر تنہائی میں معذرت کرتا ہے اور اس لڑکی کی بابت دریافت کرتا ہے جو رات کے اندھیرے میں گھر سے فرار ہوئی تھی اور جس پر طغرل کو پری کا گمان گزرا تھا۔ جس پر پری اس کا تمسخر اڑاتی ہے۔

جویریہ کی امارت ماہ رخ کو احساس کمتری میں مبتلا رکھتی ہے وہ اپنے گھر کے حالات سے برگشتہ ہونے لگتی ہے۔ ایک روز اتفاقاً ماہ رخ سے جویریہ کا بھائی اعوان آ ٹکراتا ہے۔

صباحت حسب عادت شوہر کے دیوالیہ پن کی پروا کیے بغیر عائزہ کی منگنی کی تقریب وسیع پیمانے پر منعقد کرنے کی خواہش مند ہیں۔

صفدر جمال مثنیٰ کو منانے کی بہت کوشش کرتے ہیں مگر وہ ہنوز غم و غصے کا شکار ہیں' جس پر صفدر جمال انہیں بتاتے ہیں کہ سعود نے پوجا سے شادی کرنے کے لیے خودکشی کی کوشش کی تھی' جس پر انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......☆......❁

دھم...... دھڑام کی آوازیں بھی اس کی چیخوں میں شامل ہونے لگی تھیں۔ سیڑھیوں پر رکھے گملے بھی اس کے ساتھ گرنے لگے تھے۔ خاموش ماحول میں ایک بے ہنگم شور پھیل گیا تھا۔ طغرل غیر متوقع طور پر اس کے اس طرح پھسل جانے پر لمحے بھر کو ساکت رہ گیا تھا مگر پھر دوسرے ہی لمحے وہ سیڑھیوں کی طرف بھاگا اور اس کی کوشش تھی کسی طرح پری کو بچالے اور پری بہت تیزی سے نیچے کی طرف لڑھکتی جا رہی تھی۔ بالآخر وہ فرش پر ایک دھماکے سے گری اور ساتھ ٹوٹے پھوٹے گملے بھی اس پر آن پڑے۔

''الٰہی خیر! کیا ہو گیا میری بچی...... کس طرح گر گئیں؟'' طغرل جب اس کے پاس پہنچا' دادی جان بھی

اسی لمحے تسبیح پڑھتی ہوئی وہاں گھبرائی ہوئی آئیں اور پری کی مخدوش حالت دیکھ کر وہ سخت حواس باختہ ہو گئی تھیں۔ جو اٹھ کر تو بیٹھ گئی تھی مگر ایک دم چکر آنے کے باعث کھڑی ہوتی ہوئی دوبارہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

''ارے کیا ہوا میری بچی کو......؟'' وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی تھیں۔

''چلیں دادو! ہم پری کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتے ہیں۔'' طغرل اس وقت اپنی تمام شوخی و شرارت بھول کر بالکل سنجیدہ تھا۔

''ہاں...... ہاں چلو' نا جانے کہاں چوٹ لگی ہے۔ اوپر سے گری ہے آخر...... ہڈی پر نہ لگ گئی ہو۔ ڈاکٹر کے پاس جانا ہی ٹھیک ہے' چلو اٹھو میری بچی...... ہمت کرو۔'' دادی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھنے میں مدد دینی چاہی مگر اس وقت اس کا پورا وجود کسی پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا رہا تھا۔ وہ دادی جان سے بھی زیادہ کمزور جسم کی مالک تھی لیکن اس وقت دادی اسے سہارا دینے میں ناکام رہی تھیں۔ بے بسی سے انہوں نے قریب کھڑے طغرل کو دیکھا جو خود صورت حال کو سمجھ رہا تھا مگر کچھ کہنے کی یا آگے بڑھ کر سہارا دینے کی ہمت یوں نہ کی تھی کہ پری کی طبیعت کو وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اسے چھونے کا مطلب تھا' کسی نئے طوفان کا سامنا کرنا۔

''ارے! تم کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو؟ سہارا دے کر اٹھاؤ بچی کو...... وہ بالکل بے جان ہو رہی ہے اتنی اونچائی سے لڑھکتی ہوئی آئی ہے' موئے گملوں نے بچی پر گر کر رہی سہی کسر بھی پوری کردی۔'' دادی جان اس وقت اس قدر ٹینشن میں تھیں کہ ان کو احساس ہی نہ ہوا تھا وہ اپنے چہیتے پوتے کو بری طرح ڈانٹ رہی ہیں۔ ان کی جھاڑ کھا کر طغرل بدحواس سا ہو کر آگے بڑھا تھا۔

''آپ فکر نہ کریں دادی جان! میں اٹھ جاؤں گی۔'' قریب آتے طغرل کو دیکھ کر پری نے کہا تھا حالانکہ اس تمام عرصے میں وہ ہر ممکن کوشش کے باوجود کھڑی نہ ہو سکی تھی۔

''سن لیا دادی جان آپ نے......؟'' اتنی تکلیف میں بھی اس کا گریز طغرل کو آگ بگولا کر گیا تھا۔ ''میں اس لیے آگے نہیں بڑھ رہا تھا کہ یہ خود کو بہت صاف ستھری اور دودھ سے دھلی ہوئی سمجھتی ہیں۔ میرے ہاتھ لگانے سے ان کو میلے ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو جائے گا۔'' اس کی شرمندگی دور ہو گئی تھی۔

''ہائیں! تم کب سے ان لوگوں میں شمار ہونے لگے جن کے ہاتھ لگانے سے میلے ہونے کا خدشہ ہو جاتا ہے؟'' وہ حیرانی سے گویا ہوئیں۔

''ان سے ہی پوچھیے جن کی اس تکلیف میں بھی اکڑ ختم نہیں ہو رہی۔'' اس کے انداز میں سخت کبیدگی در آئی تھی۔

''دادی جان پلیز ان سے کہیں یہاں سے جائیں' کھڑے ہو کر میرا تماشا دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اٹھ جاؤں گی ابھی......'' نہ چاہنے کے باوجود آنسو اس کی پلکوں پر لرزنے لگے تھے۔

''واہ بھئی واہ! کردی نا تم نے بھی وہی بے وقوفوں جیسی بات' کوئی تم سے ہمدردی کر رہا ہے اور تمہیں تماشا لگ رہا ہے؟ اگر طغرل تمہیں سہارا دے گا تو کون سی قیامت آجائے گی؟ مجھ بوڑھی میں طاقت نہیں ہے۔'' وہ حسب عادت بھرے بادلوں کی طرح برسنے لگیں تو پری کو ناگواری سے ہی سہی مگر طغرل کے بازوؤں کا سہارا

لینا پڑا تھا۔ کھڑے ہوتے وقت بڑی بہادری سے اس نے اپنی چیخوں کو گلے میں دبایا تھا‘ جسم کی ایک ایک ہڈی کراہ اٹھی تھی۔ طغرل کا بازو اس نے ہولے سے تھاما تھا مگر شدید تکلیف میں اس کو یہ احساس ہی نہ ہوسکا تھا کہ وہ اس کے بازو کے سہارے پر چل رہی ہے اور وہ بھی اس وقت اس کی تکلیف کا احساس کیے بے حد ہمدردی وخلوص سے اس کو سہارا دیئے ہوئے تھا اور ان کے ہمراہ چلتی ہوئی دادی کو دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی پری کو دیکھ کر یہ اطمینان ہوا تھا کہ وہ کسی فریکچر سے محفوظ رہی تھی۔

❁......☆......❁

ہر سمت پھول ہی پھول تھے۔ فضائیں خوش بوؤں سے مہکی مہکی بوجھل تھیں۔ صفدر جمال نے پورے بنگلے کو پھولوں سے سجا کر منور کردیا تھا۔ مثنیٰ گھر آ گئی تھیں اور اسی خوشی میں صفدر جمال نے ایک گیٹ ٹوگیدر پارٹی رکھی تھی‘ مہمانوں کی کثیر تعداد جس میں شریک تھی۔ صفدر جمال اور مثنیٰ ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے مہمانوں میں گھل مل گئے تھے۔ مثنیٰ پارلر سے تیار ہوئی تھیں‘ گولڈن اینڈ بلیک فینسی کام والی ساڑھی میں لائٹ میک اپ اور ڈائمنڈ جیولری میں وہ بے حد حسین دکھائی دے رہی تھیں۔ اپنی ہم عمر بیگمات میں بیٹھی عشرت جہاں بہت پیار سے بیٹی کے اس دلکش روپ کو دیکھ رہی تھیں۔ کل تک وہ کتنی اجڑی اجڑی‘ بکھری بکھری تھیں‘ پھول کی ان پتیوں کی طرح جو دھوپ کی سختی کے باعث بے رنگ ہونے لگتی ہیں۔ آج وہ گل لالہ کی طرح لگ رہی تھیں خوش نما وخوش رو۔

صفدر جمال بھی ان کے ساتھ تھے۔ ڈنر سوٹ میں ملبوس بہت عمدہ ڈریسنگ تھی ان کی...... ان کو احساس تھا وہ مثنیٰ کے دل فریب حسن کے آگے بہت واجبی سے دکھائی دیتے تھے اور اپنے اس کمپلیکس سے نجات حاصل کرنے کے لیے وہ ہمیشہ بے حد نک سک سے تیار ہوتے تھے اور عام دنوں میں بھی اپنا بے حد خیال رکھتے تھے مگر......!

کبھی بھی وہ مثنیٰ کے جوڑ کے نہیں لگتے تھے۔ گندمی رنگت وعام سے نقوش......! اعلیٰ ملبوسات اور بہترین تیاری نے بظاہر ان کی شخصیت کو اعتماد دیا تھا۔ عشرت جہاں کی نگاہیں ان پر تھیں۔ وہ صفدر جمال کے بے حد اصرار پر اس پارٹی میں شرکت کرنے آئی تھیں۔ مثنیٰ کا ہنستا‘ مسکراتا چہرہ ان کے بے چین دل کو کچھ قرار دینے لگا تھا وگرنہ گزشتہ دنوں میں جو انہوں نے مثنیٰ کی حالت دیکھی تھی‘ اس حالت نے ان کے پچھتاووں بھرے دل میں اور زیادہ گھٹن پیدا کردی تھی۔ وہ جانتی تھیں کہ مرتے دم تک وہ اسی گھٹن کا شکار رہیں گی۔ کچھ خطائیں ایسی ہوتی ہیں جو زندگی میں فقط ایک بار ہی ہوتی ہیں مگر ان کی سزا تاحیات بھگتنی پڑتی ہے۔ معافی...... شرمندگی...... ندامت...... آنسو...... کچھ بھی تو کام نہیں آتا۔

”مسز عشرت! اتنے ٹھنڈے موسم میں آپ پسینہ پسینہ ہورہی ہیں؟“ ان کے ساتھ بیٹھی مسز راحت پریشان لہجے میں ان سے مخاطب ہوئی تھیں۔ ”طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی......؟ میں مثنیٰ کو بلا کر لاتی ہوں۔“

”ارے نہیں! میں ٹھیک ہوں۔ کبھی کبھی ایسا ہوجاتا ہے میرے ساتھ......“ انہوں نے مسکرا کر مسز راحت کو تسلی کرائی تھی۔

ایک گھنٹے بعد ہی ڈاکٹر نے مرہم پٹی کے بعد انجکشن لگا کر چھٹی دے دی تھی۔ کچھ میڈیسن بھی دی تھیں کوئی فریکچر نہیں ہوا تھا مگر کچھ چوٹوں کے باعث درد بہت زیادہ تھا۔ سیڑھیوں پر رکھے بھاری بھر کم گملوں کے ٹکڑوں نے اس کے ہاتھ پاؤں اور جسم پر خراشیں ڈالی تھیں۔ درد و تکلیف میں اس کی ابھی تک کوئی افاقہ نہیں ہوا تھا۔ وہ طغرل کے خیال سے اپنے آنسوؤں پر قابو کیے ہوئے تھی اور جانتی تھی وہ جو ابھی دنیا بھر کی شرافت و ہمدردی چہرے پر سجائے اسے سہارا دے رہا تھا۔ کل کو ضرور اپنے انداز میں دکھائے گا۔ گھر سے اسپتال اور اسپتال سے گھر تک وہ اس کے سہارے کی بدولت راستہ طے کر سکی تھی' راستے میں میڈیسن کے علاوہ طغرل نے فروٹ اور جوسز کے ڈبے خرید لیے تھے۔ وہ گھر پہنچے تو صباحت بیگم انہیں راہداری میں ہی مل گئیں اور ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ سامنے کا منظر دیکھ کر جہاں طغرل کے دائیں بازو کا سہارا لیے پری بہت آہستگی سے چل رہی تھی' اس کا چہرہ شدتِ ضبط سے سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں صباحت کی سرچ لائٹس کی طرح چمکتی آنکھوں کے باعث جھک گئی تھیں۔

''بہو! ذرا پری کے لیے دودھ میں ہلدی ڈال کر لانا اور ہاں! دودھ گرم کرنا پہلے' کوئی نیکی کام آ گئی ہے جو بچی کی ہڈیاں سلامت ہیں ورنہ اتنا اوپر سے گرنے کے بعد ایک آدھ ہڈی ٹوٹنی تو لازمی تھی۔'' ان کے پیچھے آنے والی اماں جان کہہ رہی تھیں۔ عادلہ اور عائزہ بھی کمروں سے نکل آئی تھیں۔ وہ بھی صباحت کی طرح حیرت سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں جو آگے اماں کے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ حیرت' بے یقینی اور پھر عجیب سی آنچ عادلہ کی آنکھوں میں سلگنے لگی تھی۔ اماں جان نے ایک نظر ساکت کھڑی بہو پر ڈالی مگر وہ اس وقت پری کی تکلیف کے خیال سے اتنی ٹینشن میں تھیں کہ ان کے اس رویئے پر بھی غور نہ کر سکی تھیں جو اپنے اندر بہت سے معنی لیے ہوئے تھا۔

''مما! یہ...... یہ دیکھا آپ نے......؟ دیکھا! پری طغرل کے کتنے قریب تھی اور دادی جان کو دیکھیں ذرا! کتنی خراب ہیں دادی! ہماری ذرا ذرا سی بات ان کو بے حیائی و بے شرمی دکھائی دیتی ہے اور پری تو جیسے بالکل ہی دودھ پیتی بچی ہے۔ کتنے مزے سے وہ طغرل کے سہارے سے لگی چل رہی تھی۔'' عادلہ کا غم و غصے سے برا حال تھا وہ تو طغرل پر صرف اپنا حق سمجھتی تھی۔ صباحت کو کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی صبح سویرے انہوں نے پری کو طغرل کے ساتھ آتے دیکھا تھا اور وہ بڑی مشکل سے یقین کر پائی تھیں اور کوشش کے باوجود بھی یہ معلوم نہ کر سکی تھیں کہ وہ دونوں کہاں سے آئے تھے اور وہ پری کی دشمن بن گئی تھیں۔ آج وہ تینوں پارلر گئی ہوئی تھیں' وہاں سے واپسی پر گیٹ سے چوکیدار نے اطلاع دی کہ پری بی بی سیڑھیوں سے گر کر زخمی ہو گئی ہیں۔ طغرل صاحب اور دادی بیگم ان کو اسپتال لے کر گئی ہیں۔ انہیں پری کے گرنے کی تو کوئی فکر نہ ہوئی' فکر ہوئی تو اس بات کی کہ طغرل کیوں ساتھ گیا......؟ وہ جو پری کو کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں تھا ہر لمحہ اس کو نیچا دکھانے کی سعی میں لگا رہتا تھا' اب آہستہ آہستہ پری کی طرف متوجہ ہو رہا تھا۔ جس کا مقصد تھا' اماں پری کے لیے خاموشی سے راہ ہموار کر رہی تھیں جو ان کو گوارا نہ تھا۔ وہ بے قراری سے وہیں ٹہلنے لگی تھیں۔

''آپ! یہ کیوں بھول رہی ہیں کہ طغرل بھائی بھی تو ان میں شامل ہیں۔ ان کی مرضی کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا' وہ خود انٹرسٹڈ ہو گئے ہیں پری میں......!'' خاموش کھڑی عائزہ نے بھی لب کشائی کی۔

''خاموش رہو عائزہ! تمہیں یہ کہنے سے پہلے کچھ سوچنا چاہیے کہ تم کس کے لیے انٹرسٹڈ کا جملہ استعمال کر رہی ہو؟'' عادلہ کسی انگارے کی مانند ایک دم بھڑکی تھی۔

''آپی! آپ کیوں غصہ ہو رہی ہیں؟ میں سچ تو کہہ رہی ہوں۔''

''اپنا سچ! اپنے پاس رکھو۔ آئی بڑی سچ و جھوٹ کا فیصلہ کرنے والی عقل مند! منگنی کیا ہو رہی ہے تمہاری' آسمان پر اڑنے لگی ہو۔''

''تو اور کیا میں تو اڑوں گی' چھوٹی ہونے کے باوجود مجھے پسند کیا گیا ہے' مجھے کم از کم آپ کی طرح پاپڑ بیلنے تو نہیں پڑیں گے۔'' عائزہ نے بڑی نخوت بھرے انداز میں جواب دیا۔

''چپ کرو نا موقع دیکھتی ہو نا جگہ...... بس چونچیں لڑانے بیٹھ جاتی ہو۔ جا کر پری کی طبیعت پوچھو ورنہ اماں جان ایک ہنگامہ کھڑا کر دیں گی' میں دودھ میں ہلدی ملا کر لا رہی ہوں۔'' دونوں کے تیور بگڑتے دیکھ کر صباحت کو مداخلت کرنی پڑی تھی۔

''مما! ہلدی کی جگہ زہر ملا کر دے دیں اس منحوس کو......''

''میرا بس چلتا تو عادلہ! کب کا دے دیتی مگر وہ اماں جان......'' صباحت دانت پیستی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ ان دونوں نے بھی دادی جان کے کمرے کی راہ لی تھی۔

پری بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی کمبل اوڑھے' دادی جان اس کے سرہانے بیٹھی تھیں اور طغرل کرسی پر بیٹھا تھا۔ وہ دونوں جا کر صوفے پر بیٹھ گئی تھیں کیونکہ اس وقت دادی جان پری کو ڈانٹ رہی تھیں۔

''تم کیا کرنے گئی تھیں اوپر......؟''

''پودوں کی کانٹ چھانٹ کر رہی تھی دادی! بہت دن ہو گئے تھے پودوں کی تراش خراش کیے ہوئے...... میں نے سوچا آج کر لیتی ہوں' کل مہمان بھی آئیں گے تو اچھا لگے گا۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''مہمان بھی آئیں گے تو اچھا لگے گا' جیسے مہمان آ کر تمہارے پھولوں و پودوں کو ہی تو دیکھیں گے۔ ہزار بار سمجھایا ہے دونوں وقت مل رہے ہوں تو پیڑ پودوں کے قریب مت جایا کرو۔'' دادی غصے میں اس کی بات دہراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ ''عصر و مغرب کے درمیانی وقت میں نامعلوم کون کون سی مخلوق ظاہر ہوتی ہیں' کنواری بچیوں کو روگ بن کر لگ جاتی ہیں' اب دیکھو کل کا کام سر پر ہے اور تم زخمی ہو کر پڑ گئی ہو۔''

''آپ کیوں فکر کرتی ہیں دادی! کل کے انتظامات کا کام ان کا تھوڑی ہے۔ اگر آپ مطمئن نہیں ہیں تو میں ویٹرس کا انتظام کروا دیتا ہوں۔'' طغرل نے کہا۔

''پاپا کہہ رہے تھے انہوں نے ویٹرس کا اہتمام کیا ہوا ہے پھر اس میں اتنا فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے دادی جان!'' عائزہ نے استفسار کیا۔

''تم گر کس طرح گئیں؟ حیرت ہے وہاں تو کوئی گرنے کی ایسی جگہ نہیں ہے۔'' عادلہ نے استہزائیہ انداز میں پری سے سوال کیا۔

ان کے سوالات کا سلسلہ جاری تھا تبھی صباحت دودھ میں ہلدی ملا کر لے آئیں اور گلاس لا کر پری کے بجائے اماں جان کو تھما دیا۔

''بہو! اتنی دیر تو شاید فرہاد نے بھی دودھ کی نہر کھودنے میں نہ لگائی ہوگی جتنی کچن سے دودھ گرم کرکے لانے میں تم نے لگائی ہے۔'' اماں حسب عادت جتانے سے باز نہ آئیں۔

''ہلدی ختم ہوگئی تھی وہ ملازم سے منگوائی تھی' اس کے لاتے ہی میں یہاں لے کر آئی ہوں۔'' طغرل کی موجودگی میں وہ بہت خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتی تھیں۔

''دادی جان!'' پری نے گلاس دیکھتے ہوئے منہ بنایا تھا۔ ''میں نے کہا تھا نا مجھ سے یہ دودھ نہیں پیا جائے گا۔''

''میں خود پلاؤں گی اپنے ہاتھوں سے...... دیکھتی ہوں کیسے نہیں پیا جائے گا۔ سردی کی چوٹ ہے' یہ بہت فائدہ مند ہوگا تمہاری چوٹوں کے لیے۔ یہ دودھ تو تم کو پینا پڑے گا۔'' ان کو اس وقت صرف پری کی فکر تھی اور اتنی فکر تھی کہ کمرے میں بیٹھے نفوس کی بھی ان کو پروا نہ رہی تھی۔ طغرل بھی ان کے اس رویئے کو محسوس کررہا تھا۔ مگر سمجھ رہا تھا کہ دادو پری کی تکلیف کے خیال سے بے چین و پریشان ہیں لیکن عادلہ اور صباحت کی نظروں کا محور وہ خود تھا۔ وہ بہت جانچتی ہوئی نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

❁......☆......❁
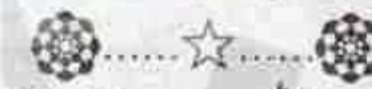
کار ڈرائیو کرتے ہوئے اعوان نے ساتھ بیٹھی ماہ رخ کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر خوب صورت مسکراہٹ تھی' اس کی مسکراہٹ نے اس کے چہرے کو روشن کر رکھا تھا۔ تراشیدہ بال ریشم کے گچھوں کی طرح چہرے اور شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بہت دل فریب لگ رہی تھی۔ اعوان بہت آہستگی سے کار ڈرائیو کررہا تھا۔

''ایک بات پوچھوں آپ سے اعوان!'' اس نے مسکرا کر اجازت طلب کی۔

''کیوں نہیں! آپ ابھی تک مجھے غیر سمجھ رہی ہیں؟ ہر بات سے پہلے اجازت غیروں سے لی جاتی ہے' دو ہفتے ہوگئے ہیں ہمیں ملتے ہوئے۔'' پھر ایک دم کچھ گھبرا کر گویا ہوا۔ ''میرا مطلب ہے...... آپ کو ڈراپ کرتے ہوئے اور آپ آج بھی پہلے کی ہی طرح اجنبی ثابت ہورہی ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں ہے ماہ رخ!''

''آپ کی یہ سوچ غلط ہے' اگر میں آپ کو اجنبی سمجھتی تو آپ کے ساتھ روز کیوں آتی؟'' ماہ رخ نے اطمینان سے کہا۔

''اجنبی نہیں سمجھتی ہیں تو پھر کیا سمجھتی ہیں؟'' اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ دھیمے سے گویا ہوا۔ ماہ رخ نے کئی لمحوں تک اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالی تھیں۔ اس کی براؤن آنکھوں میں اسے اپنا ہی عکس نظر آرہا تھا۔ وہ مسکرا کر نظریں جھکا گئی۔

''ارے' شرما گئیں! تمہارا ہی عکس ہے میری آنکھوں میں......'' اس کو نگاہیں جھکاتے دیکھ کر وہ شوخی سے گویا ہوا۔

''آنکھوں میں عکس ہونے سے کیا ہوتا ہے؟'' وہ آہستگی سے بولی۔ ''اصل عکس تو دل میں ہوتا ہے اعوان صاحب!''

''آنکھیں بھی تو دل کا آئینہ ہوتی ہیں۔ ہمارے دل میں اترنے والی ایک خاص تصویر عکس بن کر آنکھوں میں اتر آتی ہے۔'' وہ جذباتی انداز میں بولا۔

''نامعلوم کیسی باتیں کررہے ہیں آپ!'' اس نے سنجیدہ لہجے میں کہتے ہوئے رخ موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کردیا تھا۔ اس کا دل خوشی سے بے قابو ہونے لگا تھا۔ بہت محتاط طریقے سے اس نے یہ گیم کھیلا تھا۔ وہ اعوان کو اسی راہ پر لانا چاہ رہی تھی جس پر وہ بآسانی چل پڑا تھا اور اس کے لہجے کی بے قراری و اضطراب ظاہر کررہا تھا کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام نہیں ہوئی ہے منزل قریب نا سہی مگر دور بھی نہ رہی تھی۔

''ماہ رخ! آپ کو میری بات بُری لگی......؟'' اس کی خاموشی اور رخ پھیر کے بیٹھنے سے وہ بے حد متوحش ہو کر گویا ہوا تھا۔ وہ قصداً خاموش رہی۔ ''پلیز! کچھ تو کہیں...... آپ کی خاموشی مجھے پریشان کررہی ہے ماہ رخ!'' اس نے ڈرائیونگ مزید آہستہ کردی' وہ سخت مضطرب ہوگیا تھا۔

''میں آپ کی ان باتوں سے کیا سمجھوں...... کیا کہوں؟'' اس نے ایک نگاہ اس کی طرف دیکھا پھر چہرہ جھکا کر گویا ہوئی۔

''آپ کیا سمجھ رہی ہیں' میں جو آپ کا ڈرائیور بنا ہوا ہوں تو یہ کسی انسانی ہمدردی یا محض اس خیال سے کہ آپ جویریہ کی بہت اچھی دوست ہیں؟ کیا اس دور میں کوئی ایسا کرسکتا ہے' کسی مطلب کے بغیر......؟ میں نے جویریہ کے لیے کبھی یہ ذمے داری قبول نہیں کی' وہ شوفر کے ہمراہ آتی جاتی ہے اگر میں یہاں آپ کے لیے آرہا ہوں تو......''

''تو کیا مطلب ہے آپ کا! کیا غرض پوری کرنا چاہتے ہیں مجھ سے......؟'' وہ اس کی بات کاٹ کر حیران لہجے میں گویا ہوئی۔

''کوئی مطلب نہیں ہے اور نہ ہی کوئی غرض۔'' اس نے اس کی مطلوبہ جگہ پر کار روکتے ہوئے جذباتی لہجے میں کہا تھا اور وہ جب اتر گئی تو دھیمے سے کہا۔

''مجھے تم سے محبت ہے' بے حد محبت!'' وہ کار تیزی سے آگے بڑھا لے گیا۔

❁......☆......❁

فیاض تھکے ہوئے گھر میں داخل ہوئے تھے کہ لاؤنج میں طغرل سے ملاقات ہوگئی۔ پچھلے دنوں وہ بزنس اور صباحت کی فرمائشی رقم کے حصول اور پھر دیگر کاموں میں اتنے مصروف رہے تھے کہ اس سے بھی ملنے کا موقع مل سکا تھا۔ اب وہ اس کو دیکھ کر اس کے قریب ہی بیٹھ گئے۔

''بہت مصروف رہنے لگے ہیں انکل! اس ویک اینڈ آپ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی آپ سائٹ پر آئے۔'' طغرل نے مسکراتے ہوئے شکایت کی۔

''کبھی کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے' مصروفیات بڑھ جاتی ہیں میری۔''

''میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہا ہوں۔ تعمیراتی کام بہت تیزی سے ہورہا ہے فیکٹری کا' ان شاء اللہ بہت جلد مکمل ہوجائے گا اور اس کے ہیڈ آپ ہوں گے' آپ پارٹنر شپ چھوڑ دیجیے۔''

''بیٹا! میں کس طرح اپنا بزنس چھوڑ سکتا ہوں؟ پھر پارٹنر شپ کے علاوہ عابدی سے میری بہت اچھی فرینڈ شپ ہے' دونوں ہی چھوڑنا میرے لیے ممکن نہیں ہے مگر جب بھی آپ کو میری مدد کی ضرورت ہو تو بلا جھجک مجھ سے کہیے گا' میں کبھی آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔'' فیاض اس کے شانے پر ہاتھ رکھے اپنے بے تکلف انداز میں اس سے کہہ رہے تھے اور دوسری طرف کھڑکی سے کان لگائے ان کی باتیں سنتی ہوئی صباحت جل بھن کر خاک

ہوگئی تھیں پھران سے وہاں رکا نہیں گیا' غصے سے بھری وہ اپنے کمرے میں آ گئیں جہاں عادلہ جیولری پھیلائے بیٹھی تھی۔

''آپ کا موڈ کیوں آف ہے مما! اب کیا ہوا ہے؟'' عادلہ نے ماں کے بگڑے تیور دیکھ کر سوال کیا تھا۔ جواباً وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد گویا ہوئیں۔

''فیاض کبھی بھی اپنی خودداری کا قفل ہونٹوں سے نہیں کھولیں گے' خواہ کچھ بھی ہوجائے۔ کتنے اچھے موقے گنوادیتے ہیں اور دکھ بھی نہیں ہوتا ان کو۔''

''کیا پھر طغرل نے پاپا کو کوئی آفر کی ہے؟'' وہ چونک کر گویا ہوئی۔

''ہاں...... لیکن فیاض نے صاف انکار کردیا' بہت عزیز ہے ان کو عابدی صاحب کی دوستی اور اپنا بزنس جو صرف اب نقصان دے رہا ہے اور کچھ نہیں۔''

''آپ خود بات کیوں نہیں کرلیتی ہیں؟ پاپا کبھی بھی اپنی پریشانی کسی سے شیئر نہیں کریں گے' یہ بات تو پکی ہے۔ آپ ہی کچھ کریں تو اچھا ہے۔'' عادلہ نے ان کو مشورہ دیا۔

''یہ سب اتنا آسان ہوتا تو میں کب کی کرچکی ہوتی مگر یہاں بھی مسئلہ تمہارے باپ کی ناک کا ہے وہ پہلے ہی وارننگ دے چکے ہیں کہ ان کے بزنس کے متعلق بات بھائی جان' بھابی یا طغرل وغیرہ کو معلوم ہوئی تو میری اس گھر میں جگہ نہ رہے گی اور میں جانتی ہوں۔'' وہ آہ بھر کر گویا ہوئیں۔ ''فیاض نے اپنے دل میں نہ سہی' اپنے گھر میں تو جگہ دے رکھی ہے۔''

''آپ دکھی کیوں ہیں؟ پاپا کو پاپا کی مرضی پر چھوڑ دیں اور ویسے بھی وہ ہمیں کسی شے کی کمی ہونے نہیں دیتے ہیں' ہم اپنی زندگی اپنی مرضی سے اور مزے سے گزار رہے ہیں تو پھر ہمیں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''بات تو تم بڑی سمجھداری کی کررہی ہو مگر میں آگے کی سوچتی ہوں' اگر فیاض کا کاروبار بالکل ہی ٹھپ ہوگیا تو پھر ہم کس طرح ایسی زندگی گزاریں گے؟ کم پیسوں میں ہم کبھی گزارا نہیں کرسکتے بھئی!'' وہ ایک جھرجھری سی لے کر گویا ہوئیں۔

''فکر مت کریں مما! اگر ایسا ہو بھی گیا تو پاپا ہم کو کوئی احساس نہیں ہونے دیں گے' وہ کسی نہ کسی طرح ہمیں پیسہ دیتے رہیں گے۔''

''میں جاکر ڈرائیور کو بیوٹیشن کو لینے بھیجتی ہوں' وہ آکر عائزہ کے مہندی لگادے گی' صبح تک رنگ خوب نکھر جائے گا مہندی کا۔'' بیٹی کی باتوں سے ان کو بہت تسکین ملی تھی۔ کچھ دیر پہلے کی چڑچڑاہٹ اور غصہ وہ بھول کر پھر سے خوش و مطمئن نظر آرہی تھیں۔

''پاپا ابھی تک اپنے روم میں کیوں نہیں آئے؟''

''خبر مل گئی ہوگی لاڈلی بیٹی کے گرنے کی' وہیں ہوں گے اس کے پاس...... طغرل تو اتنی دیر بیٹھنے والا نہیں ہے۔'' وہ شدید بےزاری سے کہنے لگی تھیں' عادلہ نے ان سے کہا۔

''مما! طغرل پری میں دلچسپی لے رہا ہے۔ دیکھا تھا آج آپ نے کس طرح اس کو لے کر آیا تھا' کتنی محبت سے اس کو سہارا دیئے ہوئے تھا؟'' عادلہ تو گویا انگاروں پر لوٹ رہی تھی' اس کو خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔

''ہاں' دیکھ رہی ہوں اس کو۔'' وہ سخت لہجے میں بولیں۔

''کوئی حل بھی تو بتائیں؟ کہیں ایسا نہ ہو پری اس کو جال میں پھنسالے اور میں منہ دیکھتی رہ جاؤں اور اگر ایسا ہوا تو میں مرجاؤں گی۔'' اس کے انداز میں عجیب سی وحشت و سرکشی امڈ آئی تھی۔

''مریں تمہارے دشمن میری بچی! آئندہ ایسی بات مت کرنا' اپنی بچیوں کی وجہ سے تو میں زندہ ہوں۔'' انہوں نے عادلہ کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

☆

فیاض صاحب اندر داخل ہوئے تو اماں جان نماز کے بعد دعا مانگ رہی تھیں۔ شوز وہ پہلے ہی اتار چکے تھے ان کے قریب وہ بیٹھ گئے سر جھکا کر۔ اماں جان نے یہ کمرا خصوصاً اپنی عبادت کے لیے اوّل روز سے ہی مختص کیا ہوا تھا۔ گھر کے دوسرے لوگ بھی اسی کمرے میں آکر عبادت کیا کرتے تھے' یہاں آف وہائٹ کلر کے پردے تھے' کارپٹ پر وہائٹ چاندنی بچھی ہوئی تھی جس کے اطراف میں آف وہائٹ ہی گاؤ تکیے اور فلور کشنز رکھے ہوئے تھے اور سائیڈ میں اماں بی کی نماز کی چوکی تھی' اس سادہ سے کمرے میں نور ہی نور چمکتا تھا۔

یہاں ایک طمانیت بھری خاموشی تھی' دل کو سکون دینے والا سکوت تھا' فیاض صاحب کو معلوم ہی نہ ہوسکا تھا کہ وہ کب بیٹھے بیٹھے ہی نیند کی وادی میں گم ہوگئے تھے۔ آنکھ کھلی تو ان کا سر اماں کی شفیق گود میں تھا۔ وہ دعائیں پڑھ کر ان پر پھونک رہی تھیں۔ فیاض صاحب شرمندہ سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''السلام علیکم! مجھے معلوم ہی نہ ہوسکا' کب آنکھ لگ گئی۔''

''وعلیکم السلام! سارے دن کے تھکے ہوئے ہوتے ہو بیٹا! خود کو مشین بنالیا ہے تم نے' کچھ اپنی صحت کے بارے میں بھی سوچو' دن بدن کمزور ہوتے جارہے ہو میرے بچے!'' اماں جان کی نگاہوں سے ان کی محنت اوجھل نہ تھی' وہ جانتی تھیں اپنی عزت اور وقار کو قائم رکھنے کے لیے انہیں کتنی جدوجہد کرنی پڑرہی ہے' وہ کھانا کم اور فکریں زیادہ کھانے لگے تھے۔ اس بات کا احساس ان کو اور پری کو تھا۔ صباحت اور ان کی بیٹیاں تو جان کر بھی انجان بنی رہتی تھیں۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تندرستی ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔

''اماں جان! آپ کی دعائیں شامل حال ہیں اور جن کے ساتھ ماں کی دعائیں ہوتی ہیں وہ تمام مشکلات میں سرخرو ہوجاتے ہیں۔'' وہ احترام و محبت سے اماں کا ہاتھ تھام کر گویا ہوئے۔ ''آپ میرے لیے دعائیں کرتی رہا کریں۔ اماں جان! آپ کی دعاؤں کی ہر لحظہ ضرورت ہے' بہت ضرورت ہے۔'' وہ آزردگی سے گویا ہوئے۔

''فیاض! کوئی بڑی پریشانی ہے کیا! بتا مجھے' کیوں اتنا پریشان ہے؟'' وہ ان کی آنکھ میں نمی دیکھ کر تڑپ سی اٹھی تھیں۔

''ارے اماں! آپ تو گھبرا گئیں...... میں تو یوں ہی کہہ رہا تھا' ایسی تو کوئی بات نہیں ہے جو آپ پریشان ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے ان کو تسلی دینے لگے۔ اماں کی بوڑھی آنکھیں عینک کے پیچھے سے ان کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

غم...... تفکر...... اداسی...... بہت کچھ تھا ان آنکھوں...... وہ آنکھیں جو کبھی مسکراتی تھیں جو شخص کبھی بے حد

شوخ وکھلنڈر رہوا کرتا تھا اب اس کو دیکھ کر محسوس ہی نہ ہوتا تھا وہ کبھی قہقہہ لگا کر ہنسا بھی ہوگا۔ محبت پا کر بھی انسان بدل جاتا ہے اور محبت کھو کر تو بالکل بدل جاتا ہے۔ اماں اندر ہی اندر ایک سرد آہ بھر کر رہ گئی تھیں۔

"کیا ابھی سے بیٹی کی جدائی کا خیال پریشان کر رہا ہے فیاض! ابھی تو وہ رخصت نہیں ہو رہی ہے۔" انہوں نے مسکرا کر ماحول کو بدلنا چاہا۔

"نہیں اماں جان! اس حقیقت کو تو میں تسلیم کر چکا ہوں کہ ان چڑیاؤں کو ایک دن بابل کا آنگن چھوڑ دینا ہے ہاں البتہ......" وہ گہرا سانس لے کر ایک دم سے خاموش ہو گئے تھے۔ "آپ کی خوشی اور حکم پر میں نے عائزہ کے لیے ہامی تو بھر لی ہے مگر مجھے لگتا ہے میں نے پری کے ساتھ اچھا نہیں کیا اس کی حق تلفی کی ہے۔"

"یہ پہلے کی باتیں تھیں اب وقت ہی بدل گیا ہے پھر سچ بات تو یہ ہے کہ لڑکیوں کے لیے اچھے بر بڑی مشکل سے ملتے ہیں اس لیے اب چھوٹا بڑا کوئی نہیں دیکھتا ہے صرف فرض ادا کرنے کی لگتی ہے۔"

"لیکن...... وہ کہیں یہ نہ سوچے اس کی ماں نہیں ہے تو کوئی اس کی کیئر کرنے والا نہیں ہے اس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے؟" وہ دل کی بات زبان پر لے آئے تھے جو سینے پر بوجھ بنی ہوئی تھی۔

"نہیں...... نہیں...... وہ بچی ایسی نہیں ہے بہت اعلیٰ سوچ اور بڑے دل کی مالک ہے وہ لڑکی! پھر تمہارا خون ہے وہ بھلا کم ظرف کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کو تو اتنی خوشی ہے عائزہ کے رشتے کی ملازماؤں کے ہوتے ہوئے بھی وہ گھر کی جھاڑ پونچھ میں لگی رہی ہے اگر اس کو خوشی نہیں ہوتی تو وہ کیوں کرتی سب صفائی کرنے کے جنون میں ہی شام میں گر بھی گئی ہے وہ۔"

"گر گئی وہ...... مگر کہاں سے...... اس کے کوئی چوٹ تو نہیں آئی؟" وہ ایک دم مضطرب ہو کر کھڑے ہو گئے تھے۔ "کہاں ہے وہ......" وہ کہتے ہوئے اماں جان کے کمرے میں آئے تھے جہاں پری بے خبر سو رہی تھی اور سوتے ہوئے بھی چہرے پر درد کے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ خاموش کھڑے اس کے چہرے کو دیکھتے رہے تھے۔

❁......☆......❁

"آپ میری زندگی میں کس کس طرح اپنی حکومت قائم کر بیٹھیں کہ مجھے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ میں آپ کے وجود کا اس گھر میں اس حد تک عادی ہو چکا ہوں۔ یہ مجھے آپ کی غیر موجودگی میں معلوم ہوا کہ میں صفدر جمال آپ کی موجودگی کا اسی طرح عادی ہو گیا ہوں جیسے دل سے دھڑکن مانوس ہوتی ہے جس طرح چاند سے چاندنی وابستہ ہوتی ہے اور جس طرح پھول سے خوشبو وابستہ رہتی ہے اسی طرح میں بھی آپ کے بغیر ادھورا اور نامکمل تھا۔" بیڈ روم کی نیلگوں روشنی میں صفدر جمال اپنے دل کی حکایتیں بیان کر رہے تھے۔ "آج میں اقرار کر رہا ہوں مثنیٰ! صفدر جمال دنیا کے تمام رشتوں کے بغیر جی سکتا ہے مگر آپ کے بغیر زندگی زندگی نہیں لگتی ہے۔"

"اچھا......!" مثنیٰ دھیرے سے مسکرا دی۔

"آپ کو میری باتوں پر یقین نہیں آ رہا نا!" وہ بے اختیار لہجے میں بولے۔

"صفدر! کیا ہو گیا ہے آپ کو...... کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں؟"

"آپ کو میری محبت کی شدتوں کا احساس نہیں ہے میں اپنی سچی محبت کا یقین دلانا چاہتا ہوں آپ جو کہیں کی وہ میں کر کے دکھاؤں گا۔" مثنیٰ کی چند روزہ جدائی نے ان کو بہت جذباتی و حساس بنا دیا تھا۔ مثنیٰ نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں آپ کے پاس ہوں اس سے زیادہ اور ہماری محبت کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے صفدر! جو عورت اگر اپنے شوہر کے ساتھ رہنا نہ چاہے تو کوئی زبردستی اس کو روک نہیں سکتا ہے۔"

"پچھلے دنوں جو آپ کا رویہ بے رخی اور نفرت میں نے دیکھی تھی آپ مجھ سے بات کرنے میں میری صورت دیکھنے کی روادار نہ تھیں ان دنوں احساس ہوا مجھے اگر خدانخواستہ تم ایسا ہی رویہ میرے ساتھ رکھتیں تو میں......"

"اب چھوڑیں ان باتوں کو کیوں آپ یاد کر کے ڈسٹرب ہوتے ہیں؟" مثنیٰ نے مسکرا کر ٹالنا چاہا۔

"یقین کرو میں ابھی تک ڈرا ہوا ہوں اگلی بار کبھی مجھ سے اس طرح خفا مت ہونا ڈیئر! ورنہ زندگی کے معنی ہی بدل کر رہ جائیں گے۔" صفدر جمال کا لہجہ محبت میں چُور خاموشی سا ہو گیا تھا۔

"آپ بھی کبھی میرے اعتماد و بھروسے کو متزلزل کرنے کی سعی نہ کیجیے گا۔ خواہ بات کیسی بھی ہو معاملہ کوئی بھی ہو۔ میں کمزور عورت نہیں ہوں اور نا ہی میرے اعصاب کمزور ہوئے ہیں جب میں خوشیوں میں آپ کے ساتھ ساتھ ہوتی ہوں تو دکھ و آزمائش کی گھڑی میں کس طرح آپ کو تنہا چھوڑ سکتی ہوں؟ آپ نے یہ سوچ بھی کیسے لیا تھا کہ اتنی بڑی پریشانی مجھ سے چھپا کر آپ خود سب برداشت کرتے رہیں گے؟ میں آپ کے دکھ و سکھ کی ساتھی ہوں صفدر!" انہوں نے کہتے ہوئے ان کے شانے سے سر ٹکا دیا تھا۔

"شکریہ مائی ڈیئر! میں تو بہت خوش ہوں آج آپ کے منہ سے یہ اقرار محبت سننے کے لیے کتنے عرصے ترس رہا ہوں میں۔" شدت جذبات سے ان کی آواز کانپ رہی تھی۔

"آپ نے سعود کے متعلق کیا سوچا ہے؟ وہ اب شادی شدہ ہے اور اس ماہ میں اس کی تعلیم بھی مکمل ہو جائے گی پھر وہ واپس آئے گا نا پاکستان؟" وہ اب سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔

"یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے میں اس کی مرضی میں دخل دینے کا فیصلہ نہ کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں اس نے خودکشی کر کے ہمارے اعتماد و حق کو جھٹلایا ہے اس کی سزا یہی ہوگی کہ جو کرنا چاہے کرے۔ ہم اس کی صرف مالی امداد کر سکتے ہیں اور اس سے زیادہ کچھ اور نہیں۔"

"درست فیصلہ ہے آپ کا اور اس میں میں بھی آپ کا ساتھ دوں گی کیونکہ کسی بھی اولاد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی ناجائز خواہشوں کے لیے والدین کو اس طرح اذیت دے۔"

❁......☆......❁

دوسرے دن "فیاض ولا" میں خوب گہما گہمی تھی۔

دعوت رات کی تھی مگر صباحت بیگم نے صبح سے پورا گھر گویا سر پر اٹھایا ہوا تھا۔ ملازماؤں کی شامت نے بے چاریوں کو بوکھلایا ہوا تھا۔ خود صباحت بھی بوکھلاہٹ و پریشانی کا شکار تھیں ان کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کس ترتیب سے کام کروائیں جو ہر کام وقت پر ہو جائے اماں جان نے کوشش بھی کی کہ وہ ان کی مدد کروائیں مگر وہ ایک شاطر

اور کینہ پرور عورت تھیں جو کسی بھی حال میں نہیں چاہتیں کہ کل کو فیاض یا اماں ہی یہ جتائیں کہ پری کے بیمار پڑنے پر وہ تمام انتظامات نہ سنبھال سکیں۔ پری کو رات کے نامعلوم کس پہر تیز بخار چڑھ گیا تھا اور صبح تک وہ بخار میں جل رہی تھی۔ اماں نے صبح ہی ڈاکٹر کو بلا کر چیک اپ کروایا تھا جس کی میڈیسن سے ٹمپریچر کم تو ہوا تھا لیکن مکمل ختم نہیں ہوا تھا اور وہ بے سدھ پڑی تھی۔ پہلی بار پری کی تمام ذمے داری صباحت پر آئی تھی اور وہ جو ہمیشہ اس کی محنت پر اپنے نام کی مہر لگایا کرتی تھیں اب محسوس کر رہی تھیں کہ گھر کی ذمے داریاں کتنی تھکا دینے والی ہوتی ہیں اور کتنی ذہانت و سلیقہ مندی سے ان کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے یہ سب سمجھنے کے باوجود وہ پری سے محبت محسوس نہ کر رہی تھیں کہ کتنے جھنجٹوں سے اس نے ان کی جان چھڑا رکھی ہے اور اس احساس کے بجائے وہ اس کو کوس رہی تھیں۔

''مما! میری میچنگ کی سینڈل نہیں مل رہی ہے اور میری جیولری یاد سے ضرور رکھیے گا بیگ میں۔ کہیں پارلر جا کر خوار نہ ہونا پڑ جائے۔'' عادلہ اور عائزہ ساتھ وہاں آئی تھیں اور ان سے مخاطب ہوئی تھیں۔ صباحت جو پہلے ہی گھریلو معاملات سنبھال نہ پا رہی تھیں ان کی باتوں پر غصے سے گویا ہوئیں۔

''تم میرے ساتھ گھر میں تو کیا مدد کرواؤ گی اُلٹے اپنے کام بھی جان پر ہی ڈال رہی ہو؟ اب ایسی بھی کیا کاہلی کہ اپنا سامان بھی تم دونوں سنبھال کر نہیں رکھ سکتی ہو حد کرتی ہو۔''

''عائزہ کو تو آپ نے دلہن ہی بنا دیا ہے یہ تو اپنے ہاتھ سے کھاتے ہوئے بھی ہم پر احسان عظیم کر رہی ہے کام تو یہ کیا کرے گی۔'' عادلہ عائزہ کو گھورتے ہوئے کہہ اٹھی تھی۔

''تم تو بس جلتی ہی رہو مجھ سے اور کر بھی کیا سکتی ہو؟'' عائزہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''میں اور تم سے جلوں گی۔'' عادلہ نتھنے پھلاتی اس کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔ ''تم میں کون سے سرخاب کے پَر لگ گئے ہیں جو میں تم سے جل رہی ہوں؟ تمہاری منگنی کیا ہو رہی ہے پاگل ہی ہو گئی ہو مارے خوشی کے......''

''شرم کرو عائزہ! عادلہ بڑی ہے تم سے کیا تم تم کر کے بات کر رہی ہو؟ اور عادلہ! تم بھی کیوں اس قدر بد مزاجی کا مظاہرہ کرنے لگی ہو؟'' ہمیشہ کی طرح انہیں ان دونوں کے درمیان مداخلت کرنی پڑی تھی۔

''مما! غلطی آپ کی ہے پاپا کہہ بھی رہے تھے پہلے بڑوں کا نمبر ہوتا ہے بعد میں چھوٹوں کی باری آتی ہے اور آپ اپنی ضد پر اڑی رہیں دادی جان بھی آپ کی وجہ سے اس کی منگنی کرنے پر راضی ہوئی ہیں ورنہ مجھے معلوم ہے وہ کبھی ایسا نہیں ہونے دیتیں اور نا ہی اس کو اترانے کا موقع ملتا۔'' صباحت نے غور سے بیٹی کا چہرہ دیکھا تھا جہاں حسد و ملال غصہ و تنفر واضح تھا کہ وہ عائزہ کی ہونے والی منگنی سے خوش نہیں ہے۔

''عائزہ! جا کر پہلے اپنا سامان بیگ میں رکھو اور دیکھنا کچھ رہ نہ جائے اگر کچھ رہ گیا تو مسئلہ ہو جائے گا یہاں کوئی ہو گا بھی نہیں جو دے آئے۔'' عائزہ نے ماں کے سنجیدہ موڈ کو دیکھ کر چپ چاپ جانے میں عافیت جانی اور وہ چلی گئی تو وہ منہ پھلائے کھڑی عادلہ کے پاس آ کر گویا ہوئیں۔ ''مجھے تم سے یہ توقع نہ تھی کہ تم اس بات کا سوگ مناؤ گی کہ تم سے پہلے عائزہ کا رشتہ پکا ہو رہا ہے ورنہ یہ واویلا تو پری کا حق بنتا ہے۔ ایک سال بڑی ہے تم سے۔ اس کے انداز سے تو کسی طرح بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ کسی کمپلیکس کا شکار ہو رہی ہے تمہاری طرح......

غزل

میں جس کے واسطے خود آج دوستوں میں نہیں
وہ ایک شخص بھی کچھ دن سے رابطوں میں نہیں

تُو سرسرا کے چلے یا کہ دندنائے ہوا
کوئی چراغ میرے گھر کے طاقچوں میں نہیں

جدھر نگاہ کروں ریت ہے یا گرد وغبار
کہ سنگِ میل بھی صحرا کے راستوں میں نہیں

عجیب سانحہ گزرا ہے شب کے پچھلے پہر
شجر اداس ہیں پنچھی بھی گھونسلوں میں نہیں

حنائی ہاتھ کی دستک ہے یا ہوا کا گزر
تمہارے لمس کی خوش بُو تو آہٹوں میں نہیں

وہ میری لاش پہ آئے ہیں سر جھکائے ہوئے
کہ میرے یار بھی شامل تو قاتلوں میں نہیں

بس اب تو شوق ہی اُڑنے کا رہ گیا ارشد
ذرا سی جان بھی ٹوٹے ہوئے پَروں میں نہیں

(ارشد محمود ارشد......سرگودھا)

اور یہ میری نہیں بھائی جان کی خواہش ہے کہ انہوں نے تمہارے لیے نہیں بلکہ عائزہ کے لیے رشتہ کا کہا اور میں ایسے بہترین پرپوزل کو تمہارے بڑے ہونے کے خیال سے رد نہیں کر سکتی تھی۔''

''چھوڑیں مما! جب آپ کو ہی احساس نہیں ہے تو پھر عائزہ کو کیا ہو گا؟''

''او میری جان! تم کیوں ناراض ہوتی ہو؟'' انہوں نے منہ پھلائے ہوئے کھڑی عادلہ کو گلے لگاتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔

''تمہاری بہن کی پہلی خوشی ہے خوشی خوشی استقبال کرو اس خوشی کا' مجھے امید ہے بہت جلد تمہارے حصے میں بھی ایسی خوشیاں آنے والی ہیں۔''

''سچ مما! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں نا!'' وہ مسکرا اٹھی تھی۔

''ہاں! میں نے کبھی غلط کہا ہے جواب کہوں گی بھلا!''

''مگر مما! آپ جانتی ہیں میں طغرل سے محبت کرتی ہوں اور وہ ہے کہ میری طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا' جب دیکھو سویٹ سسٹر ڈیئر سسٹر پکارتا رہتا ہے۔'' وہ ان کے شانے سے لگ کر گویا ہوئی۔

''پروا مت کرو' پہلے فیاض بھی مجھے اسی طرح پکارتے تھے اور دیکھ لو آج میں ان کے بچوں کی ماں اور اس گھر کی مالکن بنی بیٹھی ہوں۔''

''مگر آپ یہ کیوں بھول رہی ہیں مما! پاپا کو کھو کر آپ نے پایا ہے۔''

''اور تم طغرل کو کھونے مت دینا کیونکہ کھویا ہوا آدمی جب عورت کی زندگی میں آتا ہے تو وہ ادھورا ہوتا ہے' کسی ایسی عمارت کی مانند جس کے کچھ خاص حصے منہدم ہو کر گر جائیں اور پھر جڑ نہ پائیں وقت کی حرارت ان

کو ریزہ ریزہ کر کے خاک بنا کر اڑا دے۔

''اوہ مما! آپ مجھے کہہ رہی ہیں خوش رہنے کے لیے اور خود اداس ہو رہی ہیں۔ آپ فکر نہ کریں میں طغرل کو کھونے نہیں دوں گی، چلیں آئیں میرے ساتھ، میں عائزہ سے بھی سوری کہہ دوں۔ غصے میں بہت کچھ میں اس کو بھی کہہ چکی ہوں، جو مجھے کہنا نہیں چاہیے تھا۔''

''شکر ہے تم نے بھی کچھ عقل مندی کا مظاہرہ کیا، ورنہ میں سمجھ رہی تھی ہم آپس میں الجھتے رہے تو اس سے ہمارے دشمنوں کو فائدہ ہو جائے گا، ویسے بھی دشمنوں کو شکست دینے کے لیے ہمارا ایک ہونا بہت ضروری ہے اور تم کو عائزہ سے جھگڑنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے، عائزہ بہت ذہین و فطین لڑکی ہے جو تمہیں خوب گائیڈ کرے گی۔''

❁ ☆ ❁

چلو ہم بھی وہاں جائیں
جہاں اک چاند اپنی چاندنی سے پیار کرتا ہے
جہاں جگنو چمکتے ہیں
جہاں شمع پر منڈلاتے ہوئے بے تاب پروانے
سلگ کر خاک میں ملتے نہیں ہیں، زندہ رہتے ہیں
چلو اس اور چلتے ہیں
جہاں اک مور اپنی مورنی کے ساتھ رقصاں ہے
جہاں پر دور تا حدِ نظر پھولوں کی وادی ہے
ہم اس گاؤں میں ٹھہریں گے
جہاں لوگوں کے میلے ہیں
دنیا کے جھمیلے میں کوئی بھی گم نہیں ہوتا
چلو ہم بھی وہاں جائیں
تمام زیست بتا آئیں

کار دھول اڑاتی کب کی نگاہوں سے غائب ہو چکی تھی۔ وہ سکتے کی کیفیت میں کھڑی تھی۔ خواہشوں کی رنگین تتلیاں جو کبھی افق کے اس پار اڑتی نظر آتی تھیں، ایک دم ہی اسے قریب، بہت قریب دکھائی دینے لگی تھیں۔ ان کے دلکش رنگ اس کو اپنے آس پاس بکھرے دکھائی دینے لگے تھے ان کے وجود سے نکلتی روشنیوں سے اس کی آنکھیں چندھیانے لگی تھیں، اس نے آنکھیں بند کیں تو ہر سو اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔

''کی گل اے کڑیئے؟'' ایک آدمی نے جو کئی لمحوں سے اس کو اس طرح کھڑے دیکھ رہا تھا، آگے بڑھ کر کرختگی سے پوچھا۔

''کوئی...... کوئی بات نہیں ہے بابا جی!'' اس نے اجنبی آواز پر آنکھیں کھول کر دیکھا تھا، قمیص شلوار میں ملبوس سر پر پگڑی باندھے وہ باریش شخص بہت تفکر بھرے انداز میں اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ جواب دے کر

تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی تھی اور خود کو ملامت کر رہی تھی کہ اس نے خوابوں میں گم ہونے سے قبل یہ بھی نہ دیکھا کہ اسٹاپ پر کھڑی ہے۔ موسم میں تو بہت حبس تھا، گرمی عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔

مگر کچھ موسم ایسے ہوتے ہیں جو دل کی خوشی سے مشروط ہوتے ہیں پھر آج اس کے دل پر محبت کا موسم تھا۔

خواہشوں کا موسم تھا
ارمانوں کا موسم تھا

مسکراہٹ از خود اس کے ہونٹوں پر کسی شوخ کلی کی مانند کھل اٹھی تھی۔ یہ علاقہ اس کے گھر سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ پہلے کچھ بھینسوں کے باڑے آئے تھے باڑوں سے چند گز کے فاصلے پر ایک ندی بہتی تھی، اس ندی کے گدلے پانی میں سارے دن بیٹھی بھینسیں ندی کا ہی حصہ محسوس ہوتی تھیں۔ باڑوں سے ملحق گوالوں کے کچے پکے گھر بنے ہوئے تھے، جہاں باہر پلنگ ڈالے مرد تاش کھیلنے میں مگن رہتے تھے پھر شام میں وہاں لوگوں کی لائنیں لگ جایا کرتی تھیں جو آس پاس کی آبادی سے تازہ اور خالص دودھ خریدنے آتے تھے۔ ایک چھپر کی اوٹ میں کھڑے ہو کر اس نے جلدی سے اپنے بکھرے بال سمیٹے، ہونٹوں سے لپ اسٹک رگڑ ڈالی اور چادر اچھی طرح اوڑھ کر آگے بڑھی تھی جب اس کی نگاہ ایک عورت پر پڑی تھی جو بالٹی میں پانی بھر کر اس طرف لے جا رہی تھی جہاں ندی سے نکلنے کے بعد بھینسوں کو چارہ ڈالا جا رہا تھا اور اسی دوران ہی دودھ نکالنے کا کام شروع کیا جاتا تھا۔ گوالے بہت چالاکی سے پہلے ہی بالٹی میں پانی بھر کر اس میں دودھ نکالتے تھے، لوگ تھوڑے فاصلے پر ہونے کے باعث بالٹی میں پانی تو نہ دیکھ پاتے تھے بس ان کی آنکھوں کے سامنے بالٹی میں گرتی دودھ کی دھاریں ہوتی تھیں جو جھاگ سے لبالب ہوتی تھیں اور لوگ وہ خالص و تازہ دودھ خریدنے شوق سے آتے تھے۔ اس نے کتنی بار وہاں سے گزرتے ہوئے ایسے مناظر دیکھے تھے اور مسکرا کر رہ جاتی تھی اب وہ کس کس کو بتاتی اور کیوں بتاتی کہ وہ دودھ تازہ ضرور ہے مگر خالص نہیں۔

وہ گھر میں داخل ہوئی تو امی اور چچی کپڑے دھونے میں مصروف تھیں آنگن میں بندھی ڈوریوں پر کپڑے سوکھ رہے تھے اور گھر میں قدم رکھتے ہی اس کی خوشیوں کے رنگ سے چمکتی خواہشوں کی تتلیاں غائب ہو گئی

تھیں۔ اب ہر سو جلتے ارمانوں کی ریت تھی جو اس کی آنکھوں میں چبھنے لگی تھی۔

"ارے ماہ رخ! وہاں کیوں رک گئی بیٹی!" ثریا کی نگاہ اس پر پڑی۔

"کتنی بار کہا ہے میرے آنے سے پہلے یہ دھوبی گھاٹ بند کر دیا کریں، مجھے الجھن ہوتی ہے۔ سارے دن کالج میں دماغ کھپاؤ، بسوں کے دھکے کھاؤ پھر دو میل پیدل چل کر گھر تک آؤ تو یہ سب دیکھ کر تھکن بڑھ جاتی ہے میری۔" وہ پاؤں پٹختی ہوئی اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"کیوں دل جلاتی ہو اپنا، ہم تو پہلے ہی کپڑے دھو کر فارغ ہو جاتے اگر خالہ غفوراں ملنے نہ آ جاتیں تو...... ان کی وجہ سے دیر ہو گئی ہے اور بس ابھی کچھ دیر میں ہی فارغ ہو جاتے ہیں۔" ثریا تیز تیز ہاتھ چلاتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

"بہت ہو گیا ثریا! زیادہ اس لڑکی کے ناز نخرے اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ حد ہوتی ہے برداشت کی بھی...... بد بخت، ہمارے کام میں مدد تو کیا کروائے گی، الٹا ہمیں ہی باتیں سنا رہی ہے۔" فاطمہ کو اس کی ہٹ دھرمی و بے نیازی سخت ناپسند تھی۔ اس وقت بھی بیٹی کو بد مزاجی کا مظاہرہ کرتے دیکھ کر ان سے رہا نہ گیا تھا۔

"ارے جانے بھی دیں آپا! ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے وہ بھی، ایک تو کالج یہاں سے کوسوں دور ہے پھر بسوں کی سواری الگ کوفت میں مبتلا کر دیتی ہے اور ہمارے گھر سے اسٹاپ بھی بہت دور پڑتا ہے، پڑھائی میں علیحدہ بچی کو مغز ماری کرنی پڑتی ہے، اگر گھر آ کر بھی سکون نہ ملے تو وہ بچی اسی طرح پریشان ہو گی نا!" ثریا کے لہجے میں اس کے لیے محبت شدت سے عیاں تھی۔

"اس کے دماغ دن بدن آسمان پر رہنے لگے ہیں، اپنے آپ کو مہارانی سمجھنے لگی ہے وہ، مجھے ڈر لگنے لگا ہے اس کی اڑان سے ثریا! ایک جست میں ہی اوپر آسمان کی بلندی کو چھونے کی کوشش میں پر بھی ٹوٹ جاتے ہیں اور وجود بھی۔" فاطمہ نلکے کے نیچے کپڑوں کا پانی نکال کر نچوڑتے ہوئے آزردگی سے کہہ رہی تھیں۔

"آپا! سوچوں کی اڑان تو بلند ہی رکھنی چاہیے۔" ثریا نے کپڑوں کا ٹب سکھانے کی غرض سے اٹھاتے ہوئے جٹھانی کو تسلی دی تھی۔

فاطمہ اور ثریا نے مل کر فٹافٹ کپڑے دھونے کے بعد پورے گھر کی صفائی کر ڈالی تھی۔ ماہ رخ جو کمرے میں جا کر سو گئی تھی، جب سو کر اٹھی تو سرمئی فرش آئینے کی طرح چمک رہا تھا، کپڑے بھی آدھے سے زیادہ سوکھ چکے تھے اور تہہ کر کے رکھے جا چکے تھے۔ دور آنگن کے دوسرے سرے پر صرف رسّی پر موٹی والی چادریں سوکھ رہی تھیں۔ چائے کی سوندھی خوش بُو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

اس نے دیکھا ماں اور چچی کچن میں کھانا پکانے میں مصروف تھیں۔

"اف! صبح گھر کے کام سے فارغ ہو کر کپڑے دھونے بیٹھ گئی ہوں گی پھر اس دوران مہمان داری بھی کی پھر کپڑے دھو کر صفائی کی اور اب رات کے کھانے کی تیاریوں میں لگی ہوئی ہیں مگر چہرے پر تھکن ہے نا کوئی بے زاری......!" واش بیسن کے آئینے سے وہ کچن کا منظر دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ وہ تھکتی کیوں نہیں ہیں۔

"رخ! ذرا یہ چائے تو گلفام کو دے دینا جا کر......" ثریا نے آواز دی تھی۔

"تم لو گی چائے؟" اس کو مگ تھماتے ہوئے استفسار کرنے لگیں۔

"میں چائے کہاں پیتی ہوں اور اس وقت تو بالکل موڈ نہیں ہو رہا ہے۔"

وہ چائے لے کر گلفام کے کمرے میں آ گئی، گلفام کہیں جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ سفید شلوار سوٹ میں اس کی سیاہ رنگت نمایاں ہو رہی تھی، اپنے کمرے میں ماہ رخ کو دیکھ کر وہ کھل اٹھا، اس کی سیاہ بھنورا آنکھوں میں چاہت کے دیپ جل اٹھے تھے۔

"اوہ آج تو چاند میرے کمرے میں ہی طلوع ہو گیا ہے، مقدر چمک اٹھے ہیں میرے تو...... بڑی خوش نظر آ رہی ہو، کیا بات ہے بھئی!"

"اپنی چائے پکڑو سیاہ فام! مجھ سے زیادہ فری ہونے کی کوشش مت کرنا۔" اس کو چائے کا مگ دیتے ہوئے وہ اٹھلا کر بولی تھی۔

"تم سے فری کون ہو رہا ہے، میں تو خوش ہو رہا ہوں آج بہت دنوں بعد تمہیں خوش دیکھا ہے اس لیے...... میں تمہیں ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ چاہت بھرے لہجے میں گویا ہوا۔

"سنو! ایک کام تھا تم سے...... پہلے وعدہ کرو کسی کو نہیں بتاؤ گے؟" وہ کچھ جھک کر رازدارانہ لہجے میں گویا ہوئی۔

"اس سے پہلے کبھی کسی کو بتایا ہے جو اب بتاؤں گا؟ چلو پھر بھی وعدہ کرتا ہوں۔"

"مجھے اپنی دوست کے ہاں پارٹی میں جانا ہے اور امی کبھی بھی اجازت نہیں دیں گی، تم ان سے کہنا تمہارے دوست کی بہن کی شادی ہے جس میں تم مجھ کو لے جانا چاہتے ہو۔" وہ جس کے لیے آئی تھی اس نے وہ مدعا بیان کر دیا تھا۔

"لیکن میرے دوست کی کسی بھی بہن کی شادی نہیں ہے اور اگر ہو گی بھی تو وہ تو سب کو یعنی سب گھر والوں کو بلائیں گے صرف تم کو کیوں بلائیں گے؟" وہ حسب عادت سادگی سے نا سمجھنے والے انداز میں بولا تھا۔

"ارے بدھو! تو میں کب کہہ رہی ہوں سچ مچ تمہارے دوست کی بہن کی شادی ہو رہی ہے۔ پہلے میری بات سمجھ تو لو میں کہہ کیا کر رہی ہوں، بے وقوف!" اس نے جھنجلاتے ہوئے دوبارہ پوری بات دہرائی تھی۔

"اوہ! اس کا مطلب ہے مجھے جھوٹ بولنا پڑے گا، یہ بات تو اچھی نہیں۔" اس کی بات سمجھ کر وہ چائے پیتے ہوئے گویا ہوا۔

"میری خاطر تم ذرا سا جھوٹ نہیں بول سکتے کیا!" وہ گداز لہجے میں بولی۔

"بات جھوٹ کی ہے اور ماں باپ کے یقین کو خراب کرنے کی بھی ہے رخ! تم ڈرو نہیں، میں خود تائی جان سے اجازت لے لوں گا، یہ میرا وعدہ ہے۔"

"اگر انہوں نے ساتھ جانے یا کسی اور کو ساتھ بھیجنے کی بات کی تو میں نہیں جاؤں گی، وہاں بڑے بڑے امیر لوگ آئیں گے کوئی ساتھ گیا تو بے عزتی ہو جائے گی، سیاہ فام! میں نے سب کو بتا رکھا ہے، میں بہت امیر خاندان کی بیٹی ہوں۔"

"فکر مت کرو، میں سب سنبھال لوں گا تمہیں جھوٹ بھی بولنا نہیں پڑے گا اور کام بھی ہو جائے گا۔" اس

نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

☆

سارے دن ہی وہ غنودگی میں رہی تھی اب نامعلوم ڈاکٹر کی دی گئی خواب آور دوائیوں کا اثر تھا یا جسم میں ہونے والے درد کی ٹیسوں کا کہ وہ سوئی جاگتی کیفیت کا شکار ہورہی تھی۔ اس دوران اس نے محسوس کیا تھا کئی لوگوں کی کمرے میں آمد رہی تھی مگر وہ غنودہ کیفیت کے باعث آنکھیں نہ کھول سکی تھی۔ جب وہ پوری طرح ہوش میں آئی تو دادی جان اس پر دم کررہی تھیں۔ پستئی چکن کے سوٹ میں ملبوس دادی نے کانوں میں جڑاؤ بالیاں پہنی ہوئی تھیں۔ کانوں کے گرد ہی موتیا کے پھول کی بالیاں بھی لٹکی ہوئی تھیں۔ ہاتھوں میں طلائی کنگن تھے ان کی تیاری گواہ تھی کہ تقریب ہورہی ہے۔ اس نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے ان سے کہا تھا۔

''دادی جان! تقریب شروع ہوگئی؟'' وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

''تقریب ختم بھی ہوگئی اور عائزہ کے سسرال والے چلے بھی گئے۔'' وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی تھیں اور وہ حیرت زدہ ہورہی تھی۔

''اوہ میں اتنا سوئی ہوں آج؟ تقریب بھی ختم ہوگئی اور مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ میں اتنی گہری نیند کی تو عادی نہیں ہوں۔''

''تم اتنی دکھی کیوں ہورہی ہو میری بچی! پوری تقریب میں کسی کو تمہارا خیال نہیں آیا کہ تم موجود نہیں ہو۔ ہاں فیاض بے چینی سے تمہارے پاس کئی چکر لگا کر گیا۔ وہ پریشان ہے باپ ہے نا اس لیے صباحت کی نظروں میں تم ملازمہ سے بھی بدتر ہو۔ میں جانتی تھی اتنی تکلیف کے باوجود تم بخار کم ہونے پر سکون سے نہ لیٹو گی اور کام میں لگ جاؤ گی اس احسان فراموش کی خدمتوں میں اس لیے ڈاکٹر کی اجازت سے میں نے تم کو نیند کی گولی زیادہ دے دی تھی اور سارے دن صباحت کا تماشا دیکھتی رہی تھی۔''

''دادی جان! کیا سوچ رہی ہوں گی عائزہ اور مما کہ میں ان کی خوشیوں میں شریک بھی نہیں ہوئی ہوں سارا دن سونے میں گزار دیا؟'' وہ روہانسی ہوئی۔

''ارے بس بس رہنے دو کیوں زبان کھلواتی ہو ساری رات بخار میں آگ کی مانند جلتی رہی ہو پھر درد سے الگ بے حال ہورہی تھیں وہ تو اللہ بھلا کرے میرے بچے طغرل کا جو رات میں بھی کئی مرتبہ آیا اور پھر صبح ڈاکٹر کو بھی وہ ہی بلا کر لایا ہے جس کی دوا سے اب جا کر تمہارا بخار اترا ہے تو تم اٹھ کر بیٹھی ہو۔ رکو پہلے میں جا کر فیاض کو خبر کردوں کہ تم اٹھ گئی ہو وہ بھی رات سے بے حد پریشان ہے۔'' وہ بیڈ سے اٹھنے لگی تھیں کہ پری نے انہیں روک لیا۔

''پاپا یہاں مجھے دیکھنے آئے تھے دادی جان!'' وہ اشتیاق بھرے لہجے میں گویا ہوئی تھی کہ یہ بہت بڑی خبر تھی اس کے لیے۔

''ہاں...... ایک بار نہیں کئی بار آیا تھا بہت پریشان ہوگیا تھا تمہاری حالت دیکھ کر...... باپ ہے وہ تمہارا منہ سے اظہار بے شک وہ نہیں کرتا مگر بہت محبت کرتا ہے تم سے...... اور کیوں نہ کرے؟ تم پہلی اولاد ہو اس کی۔'' دادی کی باتوں نے اس کے مردہ ہوتے تن میں نئی روح بیدار کردی تھی۔

غزل

مہک بُو بادِ بہاری عید کے لمحات میں
پُرمسرت خلقِ ساری عید کے لمحات میں
دل ہوا ہے نیم جاں اک بے وطن کے ہجر میں
چشم کی ہے اشک باری عید کے لمحات میں
مضمحل اس دل کی حالت ہو نہ چہرے سے عیاں
لازماً ہے راز داری عید کے لمحات میں
آشنا وہ ایک چہرہ پیکرِ صدق و وفا!
اس سے ملنا ہے ضروری عید کے لمحات میں
صحنِ دل میں ہیں کسی کی یاد کے روشن چراغ
ہے لبوں پہ آہ و زاری عید کے لمحات میں
گھر میں راہی کے اداسی شہر میں ہے شوروغل
ابتری سے دل ہے بھاری عید کے لمحات میں

برکت راہی ڈگری...... سندھ

غزل

منظر وہ صبح کا تو بہت لاجواب تھا
دیکھا تو سامنے سے گیا اک گلاب تھا
میں نے ذرا سا ڈوب کے دیکھا تو یہ لگا
دریا کا اپنا آپ یہاں زیرِ آب تھا
کس طرح میں نکالتا پھر منہ سے یوں اسے
مجھ کو تو برزبان وہ سارا نصاب تھا
تم سے ملا تو مل کے تہی میں سما گیا
کتنا وہ دلنشین میری جان میرا خواب تھا
بدلے میں جس کے جان کی بازی لگی ہوئی
وہ دور دور تھا کہ مقدر خراب تھا

نعیم رضا بھٹی...... منڈی بہاؤالدین

''چلو اٹھ کر منہ ہاتھ دھولو اور کپڑے بدل لو۔ ایک ہی دن میں ہفتوں کی بیمار دکھائی دے رہی ہو فیاض بھی تمہیں ہشاش بشاش دیکھے گا تو خوش ہوجائے گا۔'' وہ اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

کھانے کی ٹیبل پر صرف وہ تین نفوس موجود تھے۔ صباحت اور ان کی بیٹیاں مہمانوں کے جانے کے بعد ہی اپنے کمروں میں چلی گئی تھیں۔ طغرل ایک دوست کے ہاں مدعو تھا وہ سرشام ہی جاچکا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے آپ کی بیٹا!'' وہ ان کے قریب آئی تو انہوں نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''جی پاپا! ٹھیک ہوں میں۔'' خوشی کے احساسات سے وہ کانپ اٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔ یہ شفقت بھری آواز محبت کا احساس دیتا لہجہ اس کے ترسے ہوئے دل کو سکون دینے لگا تھا۔ ایک عرصے سے وہ اس لہجے اس احساس کو ترس رہی تھی۔

''واہ! ٹھیک ٹائم پر آ گیا ہوں میں۔'' طغرل ڈائننگ روم میں آتے ہوئے شوخ لہجے میں گویا ہوا اور اس کے برابر والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''تم تو کہہ رہے تھے کسی دوست کے ہاں دعوت میں جاؤ گے؟'' اماں نے اس کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''میں نے کال کی تھی کہ کھانا یہاں آ کر کھائے ہم سب کے ساتھ ہی۔'' فیاض صاحب نے طغرل کے کہنے سے قبل ہی وضاحت پیش کی تھی۔

''اچھا ہی کیا ورنہ میرا دل خراب ہورہا تھا کہ گھر کی دعوت چھوڑ کر بچہ باہر یاری دوستی نبھائے گا۔'' دادی کے لہجے میں اطمینان اتر آیا تھا۔

"آپ کیا محسوس کررہی ہیں؟ درد تو نہیں ہے اب!" وہ اس سے مخاطب ہوا تھا۔ بہت احترام و تمیز تھی اس کے لہجے میں وہ جانتی تھی یہ سب پاپا اور دادی کو متاثر کرنے کے طریقے ہیں جب کہ حقیقت تو یہ تھی کہ اس کے گرنے اور تکلیف دہ حالت کی اصل وجہ وہ خود تھا اور اب بھی کتنی بے تکلفی سے اس کے برابر میں بیٹھ گیا تھا بغیر کسی ندامت کے۔

"ٹھیک ہوں۔" دل ہی دل میں اسے گالیوں سے نوازتے ہوئے اس کو کہنا پڑا۔

"آپ لوگ اتنا لیٹ کھانا کیوں کھارہے ہیں، صباحت آنٹی، عادلہ، عائزہ وغیرہ کہاں ہیں؟" وہ روسٹڈ چکن پلیٹ میں ڈالتے ہوئے گویا ہوا۔

"پری اور آپ کا انتظار تھا اس لیے ڈنر سیٹ ہوگیا، آپ کی آنٹی اور کزنز تھک گئی ہیں اس لیے آرام کرنے اپنے کمروں میں چلی گئی ہیں۔"

"پاپا! آپ کافی پئیں گے؟" وہ اٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"آپ نے کھایا کیا ہے ابھی؟ پہلے کھانا کھالیں، کافی نہیں لوں گا۔"

"اس کا تو چڑیا جیسا پیٹ ہے، یہ اتنا ہی کھاتی ہے بس!" دادی نے اس کی طرف داری کی۔

"انکل! کافی پی لیجیے آپ کے صدقے میں مجھے بھی مل جائے گی، میرا دل چاہ رہا ہے کافی پینے کو۔" طغرل نے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے فیاض اور میں اسی ٹائم کافی یا چائے نہیں پیتے ہیں کہ پھر نیند اڑ جاتی ہے تمہیں کافی بنادے گی پری!" دادی نے لاڈ بھرے لہجے میں کہا جس کی تائید پاپا نے بھی کی تھی اور ساتھ ہی اسے کافی بنانے کو بھی کہا اور اس نے جلتی بھڑکتی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ طغرل کی نگاہ اس پر نہیں تھی، وہ پلیٹ میں موجود اسپیگھٹی کا رول کررہا تھا، کانٹا ہاتھ میں پکڑے مگر وہ اس کی گھنی سیاہ مونچھوں کے نیچے ہونٹوں پر مسکراہٹ بتارہی تھی کہ وہ اس کی دلی حالت سے لطف اندوز ہورہا ہے۔

"بدروح! نامعلوم کیوں میرے پیچھے پڑگیا ہے اگر میں پاپا اور دادی جان کو بتادوں کہ اس خبیث شخص کی وجہ سے ہی میں گری تھی اور میرا آج کا فنکشن بھی خراب ہوا ہے اور عائزہ کو بھی دلہن بنے نہیں دیکھا میں نے۔" بڑبڑاتے ہوئے اس نے کافی تیار کی اور ڈائننگ روم میں آئی تھی مگر وہاں کوئی نہ تھا، وہ دادی کے روم میں آئی وہاں بھی دادی کمبل اوڑھے سونے کی تیاری میں تھیں تب وہ اس کے کمرے میں چلی آئی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ باہر بالکونی میں کھڑا آسمان پر کچھ تلاش کررہا تھا۔

"کافی لے لیجیے!" وہ اندر نہیں گئی تھی، دہلیز پر ہی کھڑی تھی۔

"یہاں تک آگئی ہو تو اندر آنے میں کیا پرابلم ہے؟" اس نے وہیں کھڑے کھڑے پوچھا۔

"طغرل بھائی! میں اندر نہیں آؤں گی آپ آکر لے لیں۔"

"اندر کیوں نہیں آؤ گی؟" وہ اس کے قریب آگیا۔ "ناراض ہو مجھ سے یا مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟"

"میں آپ سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتی، پلیز!" وہ کافی کا مگ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے سخت لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"اس کا مطلب ہے ناراض ہو، مجھے پسند نہیں کرتی ہو اور جو لوگ کسی کو پسند نہ کریں، وہ دشمن ہوتے ہیں اور دشمنی میں لوگ ایک دوسرے کو قتل بھی کرڈالتے ہیں۔" وہ سینے پر بازو باندھے اس کی جانب دیکھ رہا تھا جس کے سر پر ڈالے گئے دوپٹے نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا ہوا تھا، کافی کا مگ سے نکلتی بھاپ میں اس کے چہرے کا عکس دل فریب تھا۔ وہ کسی خونخوار بلی کی طرح اس کو گھور رہی تھی۔

"اس بکواس سے مطلب کیا ہے آپ کا!" وہ غرائی۔

"یہی کہ پہلے کافی تم پیو پھر میں پیوں گا۔"

"مجھے اس ٹائم کافی نہیں پینی ہے، سمجھے آپ!"

"ہوں! سمجھ تو رہا ہوں، تم کافی اس لیے نہیں پی رہیں کہ اس میں زہر ملا کر لائی ہو تاکہ میں......" اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ وہ غصے بھرے انداز میں آگے بڑھی اور مگ بالکونی سے نیچے پھینک دیا جب کہ وہ ارے ارے کہتا ہوا اس کے پیچھے دوڑا تھا مگر تب تک وہ مگ پھینک چکی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی...... تم مذاق بھی نہیں سمجھتی؟ تمہاری حس لطیف بالکل زیرو ہے۔" وہ حیران انداز میں بولا تھا اور قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی، لان میں اچانک آف ہونے والی لائٹس نے دونوں کو ہی چونکا دیا تھا لمحے بھر قبل نیچے لان میں ڈم لائٹس روشن تھیں اور اب اندھیرا ہوچکا تھا۔

"یہ لائٹس کس نے آف کی ہیں؟" وہ گھبرا کر اس سے مخاطب ہوئی تھی جو خود بھی خاصا حیران کھڑا تھا۔

"معلوم نہیں؟"

"کچھ الیکٹریکل پرابلم ہوئی ہوگی۔"

"نہیں، اگر ایسا ہوتا تو پھر فیوز آؤٹ ہوجاتا۔"

"پھر کیا ہوا ہے، لان کی ہی لائٹس کیوں آف ہوئی ہیں؟" وہ دونوں ہی بالکونی میں کھڑے لان میں جھانک رہے تھے جہاں گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور آسمان پر چھائے بادلوں کے باعث روشنی کی ایک کرن بھی دکھائی نہ دے رہی تھی۔ وہ بالکونی سے ہٹنے ہی والی تھی جب اچانک عقبی حصے سے ایک سایہ سیاہ چادر میں لپٹا نمودار ہوا تھا۔ پری کی نگاہ جیسے ہی اس بہت آہستہ آہستہ حرکت کرتے ہوئے سائے پر پڑی، خوف سے اس کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ وہ دہشت سے چیخنے والی تھی کہ طغرل نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر اپنا ہاتھ مضبوطی سے جمادیا تھا۔

"خاموش رہو۔" اس نے سرگوشی کی اور اسی طرح منہ پر ہاتھ رکھے رکھے کمرے میں لے آیا تھا پھر ہاتھ ہٹا کر دروازے کی طرف بھاگا تھا۔ پری کے حواس بکھرے ہوئے ہی تھے۔

"طغرل بھائی! کہاں جارہے ہیں آپ...... وہ کوئی انسان نہیں ہے۔"

"خاموش رہو اور میرے پیچھے آنے کی کوشش مت کرنا۔" وہ جاتے ہوئے سخت لہجے میں گویا ہوا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

آگہی کے جگنو

عالیہ حرا

زرد موسم کے اجال لمحوں میں
ہم رو پڑے یونہی ہنستے ہنستے
یارب اب تو کوئی تعبیر بخش دے
کہ تھک گئی ہیں آنکھیں خواب بنتے بنتے

''تمہاری پڑھائی کب ختم ہو رہی ہے صائم......؟''

دادو نے اخبار بینی کرتے ہوئے چشمے کی اوٹ سے چینل سرچنگ کرتے صائم کو دیکھا۔

''ہوجائے گی دادو! اتنی جلدی کیا ہے؟'' لاابالی سا انداز تھا۔

''مجھے جلدی ہے تو کہہ رہی ہوں نا!''

''کیوں؟ میری بکس، نوٹس آپ نے استعمال کرنے ہیں کیا؟''

''ہاں۔'' لہجہ قابل اطمینان تھا۔

''ہیں اب آپ نے آنرز کرنا ہے۔ میرے ساتھ ہی کرلیتیں سچ میں آپ کی بڑی مدد کرواتا۔'' شوخی سے دادو کو چھیڑا لیکن ادھر خاک اثر نہ ہوا۔

''چھوڑو پڑھائی اور پریکٹیکل لائف میں آؤ اپنی سوچ کو میچور کرو صائم! زندگی کھیل نہیں ہے۔'' سنجیدگی سے پوتے کو دیکھا۔

''دادو اور سنجیدہ، سورج کدھر سے نکلا ہے، نکلا بھی ہے یا نہیں؟'' تیکھی نگاہ دادو پر ڈالی۔ ''ضرور کالی بلی نے میرا راستا کاٹا ہے ورنہ تو اس وقت میرے جوس کا ٹائم ہوتا ہے۔'' کلاک دیکھا۔

''ریشماں......!'' گلا پھاڑ کر کچن کی جانب منہ کر کے چیخا وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر تھی۔ وہ مسکرا دیا۔

''میرے لیے اورنج جوس لایا جائے۔''

''اورنج ختم ہوگئے ہیں صاحب زادے۔'' دادو کی آواز میں سنجیدگی تھی۔

''سیب لے آؤ۔''

''ریشماں! میرے لیے ایک سیب رکھا ہوا ہے رہنے دو۔''

صد حیرت!

''اچھا کچھ تو لے آؤ۔'' بے چارگی سے کہا۔

''ریشماں......! فریج سے ٹھنڈا یخ پانی لا کر صاحب زادے کو دو اور کوئی کولڈ ڈرنک مت لانا۔'' اخبار آگے کرلیا۔

''دا......دو اتنا ظلم......!''

کوئی کسی پر ظلم نہیں کرسکتا جب تک وہ خود نہ چاہے تو۔

''اس کالی بلی کو نہیں چھوڑنا میں نے......!'' وہ

کچھ سمجھ کر باہر بھاگا۔

"ایمان اپنے باپ سے ملنے گئی ہے۔" اخبار سائیڈ پر رکھ کر انہوں نے ریموٹ اپنے قبضے میں کرلیا اور خبروں کی جانب متوجہ ہوگئیں۔

دادو اور اتنی سنجیدہ! صائم کو ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ اگلے دو دن اسی سنجیدگی کی نذر ہو گئے۔

"ریشماں دادو نظر نہیں آ رہی۔" رات کو پھر ٹیبل پر اکیلا تھا۔

"وہ شاید پھوپو کے گھر گئی ہیں۔" صبح وہ سو رہی تھی دوپہر کو وہ انسٹی ٹیوٹ میں تھا شام کو پھر گھر میں سناٹا......! ایمان تو پہلے ہی رفو چکر تھی۔

"ہو نہ ہو اسی نے دادو کے کان بھرے ہیں اور خود گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہے۔" باریک بینی سے ماحول کی خاموشی کا جائزہ لیا۔ مگر کوئی سرا ہاتھ نہ آیا۔ اس کے سارے کام سارے تھرل تو راز داری سے انجام پاتے تھے۔ اس بار تو اس نے اپنے "تھرل" میں کسی کو شامل نہیں کیا تھا۔ پھر......!

"ریشماں!" کچن میں پانی پینے پہنچ گیا۔ سن گن ریشماں سے مل سکتی تھی۔

"جی!" وہ برتن دھو رہی تھی۔

"یہ دادو اتنی ناراض سی ہیں ہر چیز پر بین لگا دیا ہے کچھ ہوا ہے گھر میں......؟ ایمان بی بی اور دادو کے درمیان کچھ......!" بغور اس کا جائزہ لیا "یعنی انہوں نے میری شکایت لگائی ہو۔"

"پتا نہیں جی! میں تو اپنے کاموں میں مصروف رہتی ہوں۔"

ریشماں صائم کے عقب میں دیکھ کر جلدی سے ہاتھ چلانے لگی۔ صائم باہر آیا۔ لاؤنج میں دادو کروشیہ کر رہی تھیں۔

"دادو کہیں پکنک کا پروگرام بنائیں؟" ان کے سامنے بیٹھا۔

"بالکل بناؤ، بہت دن ہو گئے آؤٹنگ پر گئے ہوئے، مگر اپنے خرچے پر۔" دادو مصروف تھیں۔

صائم نے پہلو بدلا۔

"یا اللہ! کس کے ستارے گردش میں ہیں۔"

"دادو! میں نوکری تھوڑی کر رہا ہوں ابھی پڑھ رہا ہوں۔"

"تو پھر جتنی چادر ہے اتنے ہی پاؤں پھیلاؤ۔"

دادو اور اتنی روکھی۔

"آپ تو کہتی ہیں کہ یہ سب کچھ میرا ہے۔" لاڈ سے ان کے قریب بیٹھا۔

"ہاں تمہارا ہے مگر ایک وقت پر ایک عمر میں۔ یہ سب لٹانے کے لیے نہیں ہے تمہارے دادا اور میں نے بڑی مشکل سے اپنا گھر بنایا ہے۔ بچوں کو ایک بہتر مستقبل دیا ہے۔ ہم ان پر بوجھ نہیں تھے اس لیے انہیں شادیوں کے بعد الگ کرتے گئے۔ فضول خرچی کی اجازت تو انہیں بھی نہیں تھی اور آج تک میں اپنی گرہستی کو سلیقے سے چلا رہی ہوں۔"

صائم کے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔

کچھ نہ کچھ کالا ضرور ہے دال میں۔

"تمہاری عمر میں تمہارا باپ بہت سوبر، سنجیدہ اور ذمہ دار تھا۔ تمہیں اس کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔"

"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟"

"نہیں تو......!"

"پھر اتنی دفعات کیوں لگ رہی ہیں؟"

"تمہیں اس بات پر غور کرنا چاہیے۔"

صائم کان کھجانے لگا۔ آج کل تو کچھ اور زیر غور تھا۔

دادو اب کروشیہ کی بنت اور ڈیزائن دیکھ رہی تھیں۔ صائم نے انگلیاں بالوں میں الجھالیں۔

"مجھ سے کیا خطا سرزد ہوگئی، ضرور اس ایمان کی بچی نے......!" دانت کچکچائے۔

"ایمان نہیں ہے تو گھر میں کتنی خاموشی اور سناٹا ہے۔ میں آج جاؤں گی اس سے ملنے۔"

"اسے بلا لیں نا!" تاثرات نوٹ کر رہا تھا۔

"آ جائے گی دراصل مونس آیا ہوا ہے پاکستان۔"

"تو انہیں بیٹی سے ملنے پاکستان آنے کی کیا ضرورت ہے اتنا خرچہ کر کے اسے ہی ہمیشہ کے لیے لے لیتے۔"

"تم اپنی خیر مناؤ تمہیں کس نے بلانا ہے۔" دادو اٹھ گئیں۔

یہ لہجہ یہ انداز کہیں سے بھی احساس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ دادو کا لاڈلا پوتا ہے۔

یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا!

پہلی فرصت میں اس نے ایمان کا نمبر ملایا۔

"تم کیا پٹی پڑھا کر گئی ہو دادو کو؟" فون پر دہاڑا۔

"کیوں اب کیا ہوا ہے؟" کمال کا اطمینان تھا۔

"دادو ناراض ہیں سیدھے منہ بات نہیں کر رہی ہیں۔"

"تمہارے کرتوت ہی ایسے ہیں۔"

"تو تم نے مخبری کی ہے؟"

"کس بات کی۔" انداز چڑانے والا تھا۔ "میرا مطلب ہے کس کس بات کی۔"

صائم کو خطرے کا سائرن بجتا سنائی دیا۔

"تمہارا تھرل تمہیں لے ڈوبے گا۔"

"اب ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"تو پھر دادو سے پوچھ لو کہ کس بات پر ناراض ہیں۔" ایمان ہنس رہی تھی۔ اس کا ہنسنا صائم کو کھل رہا تھا۔

"اپنے ابا کو بولنا اس بار تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔" اس سے تو ہمیشہ ہی خطرہ محسوس ہوتا تھا لگائی بجھائی کرتی رہتی تھی۔

"کیوں دادو جتنی تمہاری ہیں اتنی میری بھی نانو ہیں یہ مت بھولو تم۔"

"اونہہ!" اس نے فون بند کر دیا۔

❀......❀......❀

"صائم شام کو میڈیکل اسٹور پر بیٹھا کرو۔ تاکہ تمہیں دوائیوں کی سوجھ بوجھ ہو۔"

دادو کا سنجیدگی کا روزہ نہیں ٹوٹا تھا۔ "آخری امتحان تم نے دے دیا ہے رزلٹ کا انتظار ہے اور تم کیا چاہتے ہو بتا دینا۔"

تو دادو کو کچھ سن گن مل گئی ہے۔ کل ایمان بھی آئیں بائیں شائیں کر رہی تھی۔ وہ چوکنا ہوا۔

"میں تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں۔ تم پر گھر بار کی ذمہ داری پڑے گی تو تم سدھرو گے۔"

"ہیں......!" مزید متحیر ہوا۔

"پلیز دادو، مجھے بتا دیں مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی ہے؟" ان کے قدموں میں آ بیٹھا۔ "یہ ناراضگی میں اور برداشت نہیں کر سکتا۔" گھٹنوں پر سر جھکایا۔

"میری تو ماں بھی آپ ہیں اور باپ بھی۔" رقت بھرا لہجہ تھا۔ وہ اس کی ڈھٹائی پر مسکرا دیں۔

"اللہ تمہارے ماں باپ کو سلامت رکھے۔ تم دونوں کو تو میں نے اپنی تنہائی اپنے بڑھاپے کا سہارا بنا رکھا ہے۔ تمہارے دادا کی وصیت پر۔"

"لیکن میرا تو آپ ہی سب کچھ ہیں مجھے تو میرے والدین آپ کے در پر چھوڑ گئے تھے۔" سسکی بھری۔

"ابھی وقت نہیں گزرا تم مجھے چھوڑ کر جا سکتے ہو۔"

"یا اللہ خیر!"

"دادو کیا خطا سرزد ہوگئی ہے مجھ سے؟"

"یہ تم خود سے پوچھو۔"

"مگر مجھے تو کچھ نہیں پتا۔ آپ کو معلوم ہے میں کتنا مصروف رہتا ہوں اچھی جاب کے لیے۔" مسکین سی صورت بنائی۔

"ہاں اور میں چاہتی ہوں تم میڈیکل اسٹور سنبھال لو تاکہ میں تمہاری شادی کرکے حج پر جاسکوں۔"

"مگر دادو میرا تو ابھی شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"تمہارا ارادہ......!" دادو ہنسیں۔

تمہارا ارادہ تو اس شاعر کی مانند ہے۔

ارادہ باندھتا ہوں سوچتا ہوں توڑ دیتا ہوں
کہیں ایسا نہ ہوجائے کہیں ویسا نہ ہوجائے

"اور میں نے تمہیں کتنا سمجھایا تھا کہ انسان کی مضبوط حیثیت کے لیے کردار کی پختگی بے حد ضروری ہے۔ کردار کا جھول انسان کو مشکوک بنا دیتا ہے اور ہمارا کردار ہماری پہچان ہے۔"

"دادو کو پتا چل گیا؟" صائم کے دماغ میں سائرن بجنے لگے۔

"میں تمہیں بہت مضبوط اور باوقار دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"خدارا دادو مجھے بتادیں کہ مجھ سے کیا خطا سرزد ہوگئی ہے۔" ہاتھ جوڑے۔

"تم نے غور نہیں کیا؟"

"مجھے نہیں پتا چل رہا۔"

"شام تک اور غور کرلو۔"

"میری خطا بہت سنگین ہے۔" غور سے دیکھا مگر وہ ٹال گئیں۔

"آج تم نے میڈیکل اسٹور جانا ہے۔ واجد صاحب بوڑھے ہورہے ہیں، تمہیں اپنی ذمہ داری سنبھالنی چاہیے۔"

"جی!"

"اب تو ناراض نہیں ہیں؟"

"شام کو بتاؤں گی۔" اٹھ کر باہر نکل گئیں۔

اور وہ دادو کی ناراضگی پر غور کرنے کے بجائے اپنے تھرل کے انجام پر غور کرنے لگا۔ فال اس کے نام نکلے ہی نکلے۔ ذہین، خوبرو تھا۔ دولت اس کی دماغ اس کا پلس پلس ہوتی جاتی۔ پھر گھر دامادی کیا بری تھی۔ مقدر کا ستارا چمکنے ہی والا تھا۔

❀ ❀ ❀

"غضب خدا کا ایسی ڈھٹائی دادو! سارے کس بل نکال دیں اس کے۔ جانے کیا سمجھتا ہے خود کو۔ تیس مار خاں......!"

لاؤنج میں کافی لوگ تھے۔ میڈیکل اسٹور کا چکر لگا کر آیا تھا۔ دادو کی ناراضگی بھی مول نہیں لینی تھی۔ ایمان بھی آچکی تھی دادو کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ یاسر اور فراز بھی تھا۔ پھوپھو بھی اور مونا آنٹی بھی۔

"السلام علیکم!" باآواز بلند سلام کیا۔ سب اسے دیکھ کر ہنس دیے۔

"میرے سر پر سینگ ہیں کیا؟" سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ابھی نکل سکتے ہیں۔" فراز ہنسا۔

ایمان کی ہنسی اندر نہیں ہورہی تھی۔

"بی جمالو! بستی کی صفائی کروا کر آئی ہو کیا؟"

"ہمیشہ جلنا میرے سے۔"

"تمہیں جلانے میں مزا آتا ہے۔ ویسے بائی دا وے تمہارے ابا چلے گئے؟"

"نہیں۔"

"ایمان کی شادی کے بعد جائیں گے۔"

فراز ہنسا۔

"اس کی شادی کس باگڑ بلے سے ہورہی ہے؟"

سب اسے دیکھ کر ہنسنے لگے۔

"تم بتاؤ کس کے کرم پھوٹ رہے ہیں۔" ایمان کو دیکھا تو ایمان دادو کو دیکھنے لگی۔

"تم اپنی خیر مناؤ۔" دادو کا لہجہ وارننگ لیے ہوئے تھا۔

"اپنی تو خیر ہی خیر ہے دادو!" بالوں میں دونوں ہاتھ پھیرتے ہوئے اترا کر سب کو دیکھا۔

"کہیں پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑھائی میں تو نہیں؟" فراز ہنسا۔

"کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔" کالر جھاڑے۔

"میں تو اڑتی چڑیا کے پر گن لوں برخوردار!" دادی اس کی جانب متوجہ تھیں۔

"تو اس میں کون سی بڑی بات ہے دادو۔ اس کے تو ہوتے ہی دو پر ہیں۔ کیوں؟" شرارت سے ہنسا۔

"ابھی اس کے پر کاٹنے والے ہورہے ہیں۔" مونا آنٹی ہنسیں۔

"بالکل گنجی مرغی کی طرح۔" فراز نے لقمہ دیا۔

"یہ تم لوگ میرے پیچھے کیوں پڑگئے ہو۔"

"اسی لیے کہ تم اپنے مستقبل کے پیچھے پڑے ہوئے ہو اور میں نہیں چاہتی کہ تم غلط راہ کا انتخاب کرو۔ اسی لیے میں نے تمہاری شادی کا ارادہ کرلیا ہے۔" مونا آنٹی کو دیکھا تھا دادو نے۔

"دادو اتنی جلدی؟ ابھی تو میں چھبیس کا ہوں۔" منمنایا۔

"یہ میرا فیصلہ ہے۔"

سب اسے شرارتی نظروں سے دیکھنے لگے۔

"یہ ظلم کیوں؟" فریاد کناں انداز میں دادی کو دیکھا۔

"اس لیے کہ وینا ملک والے حادثے کے بعد تم سنبھلے نہیں ہو۔" دادی نے ڈرون حملہ کیا۔

"آ......ہم!" صائم سنبھل کر بیٹھا۔ دزدیدہ نگاہی سے اطراف میں دیکھا۔ سب "صم بکم" تھے۔

"بلکہ شادی آن لائن میں جاکر تم نے لٹیا ہی ڈبو دی ہے۔" صائم سر کھجانے لگا

"کیوں بھٹک رہے ہو شادی کے لیے بھائی!"

"اس لیے اب میں چاہتی ہوں کہ تمہاری شادی کردوں۔ گھر کے لوگ ہیں۔ اگلے ماہ نکاح ہوگا اور رخصتی گھر کی ہے اور نکاح کے تیسرے دن ولیمہ۔"

دادو نے ایک اور میزائل گرایا۔

تو انہیں ابھی نئے تھرل کا پتا نہیں تھا۔

انہیں بتائے گا کون۔ ایمان تو آج ہی آئی ہے مارننگ شو دادو دیکھتی نہیں۔ صبح چہل قدمی کے لیے جاتی ہیں۔ رات کو جلدی سوتی ہیں یعنی ابھی اس کا تھرل محفوظ ہے۔"

خود میں سوچتے ہوئے اطمینان محسوس کیا۔

"تو تم راضی ہو؟" دادو اپنی سنا رہی تھیں۔

"دادو اتنی جلدی......؟" گڑبڑایا۔

"ابے گھامڑ! یہ تو پوچھ لے کہ شادی کس سے ہو رہی ہے؟" یاسر کان میں گھسا۔

"یار! ساتھ دو نا ہو کیوں رہی ہے؟ ابھی تو میں نے پہاڑ اور بھی سر کرنے ہیں۔"

"بس اب تیری خیر نہیں۔" فراز بھی آگے آیا۔

"میرے ساتھ تیرا ابھی بینڈ بجے گا۔" فراز خوش تھا۔

"میں کیا پوچھ رہی ہوں؟" دادو کا انداز سوتیلی ماؤں والا تھا۔

"دادو! میرا رزلٹ تو آنے دیں۔"

"تمہارا جو رزلٹ آنا ہے مجھے پتا چل گیا ہے اس

لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کرلو۔ ہمارے خاندان پر جو ٹھپہ لگانے جارہے ہو وہ میں نہیں ہونے دوں گی۔"
صائم ان کی شکل دیکھنے لگا۔
"غضب خدا کا بدنامی گھر لا رہا ہے؟ ہوتے تمہارے دادا زندہ تو لگ پتا جاتا۔ میں تو پھر ٹائم دے رہی ہوں۔ وہ اسی وقت کان سے پکڑ کر مسجد لے جاتے۔"
"مگر دادو!" گڑبڑا کر ایمان کو دیکھا۔
وہ مسکرا کر فراز کو دیکھ رہی تھی۔
"ایمان! مینگو جوس لے کر آؤ سب کے لیے۔"
"جی!" سرعت سے اٹھ کر بھاگی۔
"تمہاری شادی ایمان سے ہو رہی ہے یہ طے تھا۔ انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ جب تم نے گھر داماد ہی بننا ہے تو گھر میں رہ کر ہی بنو۔"
"فکر نہ فاقہ عیش کر کاکا۔" فراز گنگنایا۔
یاسر سہرے کے پھول گنگنانے لگا۔ مونا آنٹی مسکرا کر صائم کو دیکھ رہی تھیں۔
"دادو! مجھے اپنے پیروں پر تو کھڑا ہونے دیں۔"
"تم کھڑے ہو چکے ہو جوتوں سمیت۔"
"ہوا کیا ہے جو آپ اتنی سوتیلی ماں بن رہی ہیں۔" اٹھ کر ان کے قدموں میں جا بیٹھا۔
"دور ہٹو' تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے' تمہارے دادا کی وصیت کا پاس نہ ہوتا تو کان سے پکڑ کر تمہیں تمہارے باپ کے پاس بھیج دیتی۔"
دادو کو پتا چل گیا ہے مگر' کتنے شرم کی بات ہے۔
"مگر ہوا کیا ہے" ڈھٹائی سے سر اٹھایا۔
"دادو! لگاؤں سی ڈی؟" فراز ہنسا۔
صائم نے بے ساختہ سر گھما کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں شرارت کے رنگ تھے۔ صائم گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ دادو کی ناراضگی حق بجانب تھی مگر یہ فراز!
"لگاؤ اور اس کی یادداشت واپس لاؤ۔"
بس لمحہ بھر کی بات تھی فراز اچھل کر ٹیلی ویژن ٹرالی تک پہنچا اور اگلے ہی پل مورننگ شو چل رہا تھا۔ باقاعدہ ریکارڈ کیا گیا تھا۔ صائم صاف جھکا ہوا تھا "میرا" کے آگے کہ اجازت ہے موصوفہ بڑے انداز سے بالوں کے کرل گھما کر مسکراتے ہوئے سر ہلا رہی تھیں۔ موصوف سر تسلیم خم کر کے پیچھے ہٹے۔ اب وہ گا رہے تھے۔
"تیرے مست مست دو نین۔"
دادو اسے گھور رہی تھی۔ دم سادھے بیٹھا تھا صائم۔ "یہ کس کا کارنامہ تھا؟"
اسی وقت ایمان گلاس اور مینگو شیک لے آئی۔
سی ڈی پر کٹنگ چل رہی تھی۔ اب صائم ٹھمک ٹھمک کر ڈانس کر رہا تھا۔ پھر میوزیکل چیئر آئی گر کر ہار گیا۔ کٹنگ ختم ہو گئی۔
"آئی یادداشت؟" دادو کا لہجہ سرد تھا۔ "صائم کا سر جھک گیا۔ دیکھ لو مونا اس کے کارنامے۔ پہلے وینا ملک کے عشق میں مرا جا رہا تھا کمرا تصویروں سے بھرا ہوا تھا۔ بچپن سے شادی کا اتنا شوق ہے کہ شادی آن لائن میں جا کر اپنے لیے رشتہ ڈھونڈ رہا تھا اور اب یہ......!" رک کر سانس لیا۔ "اس اداکارہ نے شادی کے لیے ٹی وی پر اعلان کیا اور موصوف پہنچ گئے ٹی وی پر انٹرویو دینے دیکھو کیسی اوٹ پٹانگ بونگی حرکتیں کر رہا ہے۔"
"صائم کا سر مزید جھک گیا۔ یہ بے ہودگیاں دادا دیکھ لیتے تو کیا کرتے؟"
"دادی! یہ صرف جوک ہے تھرل بھرا مطلب ہے......!" سر جھکائے بیٹھے صائم کے منہ سے نکلا۔
"تمہارا مطلب جو بھی ہو اس سے پہلے کہ تم تیری میری بیاہ کر لاؤ میں خود تمہیں کھونٹے سے باندھ دیتی ہوں۔ تمہارا گھر داماد بننے کا شوق بھی پورا ہو جائے گا اور اس گھر کی عزت بھی سلامت رہے گی اور اگر تمہیں یہ بات قبول نہیں ہے تو اٹھاؤ بوریا بستر باپ کے گھر سدھارو۔" دادو اٹھیں اور مونا آنٹی کے ساتھ باہر نکل گئیں۔
سب کھلکھلاتے ہوئے اس کے گرد جمع ہو گئے۔
"میرا کا پتی! اور صائم سچ کیا جوڑی ہو گی۔"
"اگر تم لوگوں کو یہ پتا چل گیا تھا تو یہ ضروری تھا؟" سی ڈی کی جانب اشارہ کیا۔
"ویسے کون سا دشمن ہے جس نے یہ آگ لگائی ہے۔"
"مجھے تو ایمان لگتی ہے۔" فراز نے رائے دی۔
"کیوں کہ وینا ملک سے عشق کو یہ ہی منظر عام پر لائی تھی اور شادی آن لائن میں بھی اس نے فساد پھیلا کر دادی کو متوجہ کیا تھا۔"
"آفت کی پرکالہ! دوزخی!" صائم نے سر جھٹکا۔
"ویسے یار میرا قریب سے دیکھنے میں کیسی ہے؟" فراز شوخ ہوا۔ بجائے اسے تسلی دینے کے اسے اور زخمی کر رہے تھے صائم انہیں گھورنے لگا۔

❀......❀......❀

"دادو......دادو آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں کہ مجھے شادی پر اعتراض نہیں مگر ابھی شادی پر اعتراض ہے۔" صائم جانتا تھا کہ دادو ناراض ہیں سو ان کے کمرے میں آدھمکا۔
"ٹھیک ہے تم پھر یہاں سے چلے جاؤ' مجھے ایمان کی ابھی شادی کرنی ہے اس کا باپ واپس جا رہا ہے پھر جانے کب آئے سوتیلی ماں ہے۔ جانتے ہو اس کے حالات......!" صائم سے نظریں ملائے بغیر اپنا عندیہ ظاہر کر دیا۔ "اور سنو جو تم کر چکے ہو اس کے بعد کچھ اور کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ وینا' میرا' اس کے بعد مونا لیزا۔ تم کردار کے کتنے کچے ہو؟" ان کا لہجہ ہنوز وہی تھا۔
"دادو بس مذاق ہے سب۔"
"زندگی مذاق نہیں ہے صائم تمہیں سمجھدار ہو جانا چاہیے۔ بہتر ہے کہ اپنے یہ مذاق اب بند کرو ظہیر صاحب کے پوتے کو اتنے ہلکے کردار کا نہیں ہونا چاہیے۔" انہوں نے نگاہ گھمالی۔
"دادو پلیز! میں ابھی شادی نہیں کر سکتا۔" بے بسی سے کہا۔
"شادی نہیں کرنی یا ایمان سے نہیں کرنی؟" ان کا انداز دوٹوک تھا۔
صائم نے نگاہ چرالی۔
"ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی صائم! یہ سب آتے جاتے موسم ہیں ایک باعزت زندگی تمہیں دے رہی ہوں۔ اگر تمہیں ایمان سے شادی نہیں منظور تو ٹھیک ہے مگر پھر ہم سب کو چھوڑنا ہو گا۔"
دھیرے سے کہا تبھی فون بجنے لگا اسے نظر انداز کر کے فون اٹھا لیا۔ صائم باہر نکل گیا۔
اگلے دن صائم نہیں تھا۔
دادو اور ایمان خاموش تھیں۔ ایمان کو صائم پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ کیا تھا اگر دادو کا دل رکھ لیتا مگر نہیں! باہر بالکونی میں ٹہلتے ہوئے اپنے ہی خیال کو رد کر دیا یہ معاملہ تمہاری ذات کا ہے ایمان! اور تمہاری ذات اتنی ارزاں نہیں ہے صائم تمہارے لیے اچھا شوہر ثابت نہیں ہو گا۔ اس کی حرکتیں غیر سنجیدہ ہیں۔
"کمال ہے میرا کے سوئمبر میں جا بیٹھا۔" ایمان بے یقین تھی۔
"میری شادی تو ہو جانے دیتی جانے کہاں سے "پتی" تلاش کرتی آدھمکی میرا' ویرا' شیرا۔
"ایمان یہ کپڑے درزی کو دے کر آؤ۔ ڈرائیور

سے میں نے کہہ دیا ہے مونا ادھر ہی پہنچ جائے گی۔"

"دادو! یہ اتنے کپڑے؟" بڑے بڑے تھیلے دیکھ کر حیران ہوئی۔

"تمہاری شادی کے ہیں۔" اطمینان بھرے انداز میں کہا۔

"ہیں!" اس پر بجلی گری۔

اس صورت حال میں بھی کہ صائم گھر سے جا چکا تھا۔

"تمہارا باپ بھی جا رہا ہے تمہاری ماں نہیں ہے جو تمہارا گھر بسائے' اس گھر کو بھی مرد کی ضرورت ہے۔"

"دادو!" وہ گڑبڑا گئی۔

"تم صائم کو ہی چاہتی ہو؟" بغور اس کا جائزہ لیا۔

"نہیں دادو...... وہ......!"

"بس پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔"

اس کا دل رنج ور ہونے لگا۔ دادو! وہ لوٹ آئے گا۔

"ویسے بے راہ رو پنچھیوں کی ہمیں ضرورت نہیں ہے ٹائم ہمارے پاس بھی نہیں ہے اور پھر گھر مرد کے بغیر کتنا سونا ہے۔" ایمان چپ ہوگئی دادو کا انداز حتمی تھا۔

گھر میں ایک اداس سی فضا بکھرنے لگی۔

❀......❀......❀

دادو کی تیاریاں جاری تھیں۔ دیکھنا تھا قرعہ فال کس کے نام نکلتا ہے۔ صائم صاف جھنڈی دکھا گیا تھا۔ ایمان دم سادھے دن گزار رہی تھیں۔ ظالم سے محبت ہی ہوگئی تھی۔ کسی اور کا ساتھ اسے کتنا خوش رکھ سکتا ہے وہ بے چین رہتی مگر کبھی دعا میں صائم کو نہیں مانگا۔

"زبردستی محبتیں حاصل نہیں ہوتیں۔ بچپن کا ساتھ ہی ہے نا! اسے تو محبت ہے نا پروا۔ پھر' پھر مجھے کیا۔" کندھے جھٹک کر تلسی کے پودے پر جھکی تو آنکھ بھر آئی۔ دل بے ایمان ہو رہا تھا۔

آنکھ تو اکثر ندرت بانو کی بھی بھر آئی۔ صائم سے انہیں بہت توقعات تھیں۔ مگر یہ سچ ہے توقع کا کشکول ہمیشہ ہی ٹھوکر کھاتا ہے۔ ندرت بانو اور ظہیر صاحب نے اپنے بچوں کو بیاہنے کے بعد انہیں اپنے ساتھ نہیں رکھا۔ الگ الگ کرتے گئے۔ جب منجھلے بیٹے کا صائم ہوا تو قدرتی طور پر اس سے محبت تھی۔ اس کو ہمیشہ کے لیے گھر لے آئے۔ اس کی تعلیم' اس کے تمام اخراجات خود اٹھاتے تھے۔ پھر جب ان کی چھوٹی بیٹی کا دوسرے بچے کی پیدائش پر انتقال ہوگیا تو ایمان کی پرورش بھی ان کا مقدر بنی۔ بچپن سے یہ طے کرلیا تھا کہ ان دونوں کی شادی کریں گے تاکہ ان کا گھر جہاں محبتوں کی آبیاری ہوئی ہے ہمیشہ مہکتا رہے۔ اب جب کہ شادی کا وقت آیا تو صائم کے مزاج ہی نہیں مل رہے تھے۔ صائم منچلا' شرارتی غیر مستقل مزاج تھا۔ اس کو ہمیشہ ہی نیا سوجھتا تھا۔ ٹیلی ویژن کے ہر کوئز میں' ہر انعامی اسکیم میں حصہ لینا اس کا شوق تھا۔ اکثر جیت جاتا تھا۔

جیو پر شادی آئن لائن پر تھرل کے لیے پہنچا تھا۔ منتخب بھی ہوگیا۔ ایمان نے مخبری کردی دادی نے وہ لتے لیے کہ اللہ اللہ اس سے پہلے وینا ملک کے عشق میں ڈوبنے لگا تھا۔ جب بھی ایمان نے دادو تک یہ خبر پہنچائی اور اب میرا......!

دادو ہر حال میں اس کی شادی کردینا چاہتی تھیں کہ صائم ہاتھ سے نہ نکل جائے۔

مگر وہ گھر سے نکل گیا تھا۔ دادو کی محبت کو بے مول کر گیا تھا۔ ندرت بانو رنج ور اور اداس تھیں۔ انہوں نے خبر لگالی تھی کہ اب ایمان کا نکاح طے شدہ وقت پر ہی کرنا تھا۔

وقت دبے پاؤں گزر رہا تھا۔ صائم نے جھلک نہیں دکھائی تھی۔

دادو تیاریاں کر رہی تھیں۔ فرنیچر' کپڑے' برتن سب پسند کرلیا تھا۔ مگر کس دل سے یہ وہ خود ہی جانتی تھیں۔ صائم کا کہیں پتا نہیں تھا۔ گھر میں غیر معمولی اداسی بکھری تھی۔ صائم ہوتا تھا تو کچھ نہ کچھ شور شرابا کیے رکھتا تھا۔ اس روز ندرت نانو نے اسے بلوالیا۔

ایمان! تمہاری شادی اب تمہارے ننھیال میں ہوگی۔ ماموں کے بیٹے سے......! تمہیں اعتراض تو نہیں؟"

اس کے دل میں جلتا امید کا دیا اک پل میں بجھ گیا۔

"نانو!" ان کی گود میں سر رکھ لیا۔

"مجھے آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانا۔"

"جس نے ساتھ رہنا تھا جب وہ چلا گیا تو تجھے کس زور پر رکھوں؟" ان کا لہجہ بھرا رہا تھا۔

"میں آپ کے بغیر کہیں نہیں رہ سکتی۔"

"بیٹیاں تو آنگن کی چڑیاں ہوتی ہیں انہیں ہر حال میں اڑنا ہوتا ہے۔"

"اچھا ہے نا باہر چلی جائے گی تو نانو کی یاد بھی نہیں آئے گی۔"

"نانو......!" اس کے آنسو بہنے لگے۔

دونوں کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ آس امید کے پنچھی سب اپنی اڑان بھر گئے۔

بابا کے پاس رہنا اور نانو کو بھول جانا' انسان کا سوچا کبھی بھی پورا نہیں ہوتا۔ دادو دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"نکاح اپنے وقت پر ہوگا بس دو چار دن باقی ہیں ملکہ آ کر مہندی لگادے گی۔ اسی دن مایوں ہے اس اتوار کو وہ لوگ بارات لے کر آئیں گے۔" ایمان نے ان کی گود میں منہ چھپالیا۔

"ظالم' سنگدل میرا نہیں تو نانو کا ہی خیال کرلو۔ کس طرح اکیلی رہیں گی۔ نانا جان کی روح تڑپتی ہوگی صائم! اور...... تم تمہارا بچپن یہاں گزرا ہے۔ تم نانو کے بغیر اس گھر کو چھوڑ کر کیسے رہو گے بے درد' بے حس انسان۔

اب تو صائم کے لوٹنے کی امید بھی ٹوٹ گئی تھی جانے کہاں ہوگا اور صائم کی بے حسی کے سبب ندرت بانو بے حد کمزور ہو رہی تھیں۔ ایسا تو انہوں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ صائم انہیں چھوڑ کر جاسکتا ہے۔ فرصت کے لمحات میں وہ صائم کو ہی سوچے جاتی تھیں۔

صبا اور اسماء دو چار دن پہلے صبح سے آگئیں۔ سب کو اس کے رشتے کے ٹوٹنے کا افسوس تھا۔ مگر ایمان کچھ ظاہر نہ کر رہی تھی۔ اس سے مطابق چپ اختیار کرلی تھی۔

اسماء نے بتایا کہ صائم آج کل پھوپو کے گھر سو رہا تھا۔ چچا جان نے اسے گھر میں گھسنے کی اجازت نہیں دی اور وہ آئے اس لیے نہیں کہ شرمندہ تھے۔ مہندی لگواتے ہوئے ایمان خاموشی سے سنتی رہی۔ اسے طاہر کے نام پر مایوں بٹھا دیا گیا۔ آنکھیں خشک تھیں اور دل اداس۔ ایک تعلق ایک ربط تو تھا نا اس سے بھلے وہ پروا نہ کرے اور لڑکے ایسی باتوں کو دل پر لیتے بھی نہیں ہیں۔ وہ ایمان کے دل کی حالت سے بے خبر تھا اور خود اسے تو جیسے محبت چھو کر بھی نہ گزری تھی۔

سب کو افسوس تھا کیسا بے حس تھا صائم کہ دادی کے پاس آیا بھی نہیں سب نے اس کا بائیکاٹ کردیا تھا۔ پیلے جوڑے میں اس کا زرد وجود لو دے رہا تھا۔ دو روز بعد نکاح......! اس احساس سے ہی ہلکان ہو رہی تھی۔ بھلا کیسے رہے گی اس شخص کے ساتھ جس کو

کبھی سوچا ہی نہیں ہو اور کیسے بھلا پائے گی اس شخص کو جس کے ساتھ یاد کا لمحہ لمحہ جڑا ہو۔ زندگی تو اس کی برباد تھی۔ دل پر سہہ رہی تھی۔

آس ٹوٹتی ہی نہ تھی۔ نکاح والے دن دل اداس تھا دعا گو تھا رات آئے بغیر گزر جائے یا معجزہ ہو جائے۔

چمپا کے پھولوں کو دیکھتے ہوئے نم آنکھوں سے سوچا۔

آہستہ آہستہ سب آنا شروع ہو گئے حالانکہ سب نے ہال میں پہنچایا تھا۔ ندرت بانو خود کو مصروف ظاہر کر رہی تھیں۔ جب کہ صائم کی خود غرضی نے انہیں توڑ دیا تھا۔ ایمان اور صائم کے حوالے سے کیسے کیسے خواب نہ دیکھے تھے۔ یہ گھر ہنستا مسکراتا رہے۔ صائم کے دادا کی روح خوش رہے گی۔ ان کی تنہائی بھی دور ہو جائے گی۔ مگر......! بار بار آنکھوں میں آئی نمی صاف کر لیتیں۔ عمر رسیدہ لوگوں کی قسمت میں شاید دکھ ہی رقم ہوتے ہیں۔ ان کی قسمت میں یہ ہے کہ وہ تنہا رہیں۔ دونوں خالائیں اور ماموں اندر دادو کے پاس تھے۔ وہ آخری بار پورے گھر کو دیکھ رہی تھی اور آئندہ ادھر نہیں آئے گی۔ نانو کو باہر ہی بلا لے گی اپنے پاس......! انہیں اکیلا نہیں چھوڑے گی۔ صائم کی طرح بے حس نہیں ہے۔

حنائی ہتھیلیوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ انہی لوگوں سے دل کیوں مل جاتا ہے جن سے تقدیر کی لکیریں نہیں ملتیں۔ آنسوؤں کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔

"ایمان...... ایمان......!" اسماء بھاگتی ہوئی آئی۔

"کیا ہوا؟" سر اٹھا کر آنچل سے چہرہ صاف کیا۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"وہ...... وہ صائم آیا ہے۔" اس کا دل رکنے لگا۔

"رو رہا ہے دادو کی گود میں چھپ کر۔ معافی مانگ رہا ہے۔"

"اب آئے بھی تو کیا فائدہ معافی مانگے بھی تو کیا حاصل زندگی تو اس سے روٹھ ہی گئی تھی۔ حنا آلود خالی ہتھیلیوں کو دیکھا۔

"ایمان...... ایمان!" صبا بھاگی آئی۔ "طاہر بھائی نے شادی سے انکار کر دیا ہے۔ ابھی فون آیا ہے انہیں کسی گوری سے ہی شادی کرنا ہے کنیڈا میں۔" دم بخود اسے دیکھتی رہی۔

اک سناٹا' اک خاموشی' اک درد۔ وہاں سے یہاں تک پھیلتا چلا گیا۔ کیا معجزے یوں بھی رونما ہوتے ہیں مگر......!

پورے گھر نے چپ کی چادر اوڑھ لی۔

نانو رو رہی ہیں۔" فضا نے آ کر اطلاع دی۔ "صائم کو ڈانٹ رہی ہیں جانے کیا کیا کہہ رہی ہیں۔" ایمان نے گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔ "بے ایمان! اس طرح ہر ضد دادو سے منوا لیتا ہے۔ اب بھی دادو کو منا لے گا۔" گھٹنوں پر سر جھکا لیا۔

ابٹین' چنبیلی' گیندے اور مہندی کی خوش بو کے ساتھ ملال اور رنج کے لمحے مدغم ہو گئے۔ آنسو خود بخود بہنے لگے۔ نامعلوم طاہر کے انکار کے دکھ پر تھے یا پھر صائم کے لوٹنے پر......!

اچانک ہی باہر سے شور شرابے کی آوازیں آنے لگیں۔ ہر سو خوشی کی چہکار گونجنے لگی۔ میوزک آن ہو گیا۔ سب گا رہے تھے۔ ہنس رہے تھے۔ ایمان گم صم ساکت تھی۔

غائب دماغی سے پھیلی ہتھیلیاں گود میں رکھے وہ دروازے کو دیکھے گئی صبا اور فضا بھاگ کر آئیں۔

"تمہارا نکاح صائم سے ہو رہا ہے۔ بولو قبول ہے تمام تر برائیوں سمیت۔ فلرٹ سنگ دل۔" ایمان

کے حواس گم ہونے لگے۔ "دادو نے معاف کر دیا ہے تم معاف کر دو گی۔ تمام غلطیوں کو......؟ تمام عمر کے لیے سدھرنے کا وعدہ کر رہا ہے۔" اس نے سر جھکا لیا۔ آنسو پھر رواں ہونے لگے۔ "بولو نا قبول ہے؟" ایمان اس کے شانے سے لگ گئی۔

"نہیں...... نہیں...... نہیں۔" کمرے میں سناٹا پھیل گیا۔ دادو اندر آ گئیں۔ کیسی خوشی' کیسی چمک' کیسا نکھار تھا۔ گلنار ہو رہا تھا چہرہ پچھلے دنوں کی تھکن' اداسی' مایوسی' سب طاہر کا انکار اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

"میرے گھر کی رونق' میرے گھر کا نکھار......!" نانو بے تحاشا خوش ہوئیں۔

"پر دادو......! ایمان تو......!" صبا نے کچھ کہنا چاہا۔

"شش۔" ایمان نے ہاتھ دبا دیا۔ اسے نانو کی خوشی عزیز تھی۔ خوشی ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

"جاؤ صبا' فضا! پھولوں کا انتظام کرو۔" دونوں ایمان پر نگاہ ڈال کر باہر نکل گئیں۔

"تو خوش ہے نا ایمان!" انہوں نے اس کے قریب بیٹھ کر پیشانی چوم لی۔

"صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ وہ سدھر گیا ہے۔ وہ بھی ہمارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تو بھی طاہر کے ساتھ خوش نہیں رہتی۔ اس گھر کی زنجیر ٹوٹ جاتی تو یہ گھر بکھر جاتا۔ شکر ہے کہ صائم لوٹ آیا ہے۔ تو خوش ہے نا! تو اداس تھی نا بول بیٹا!"

"نانو!" اس نے ندرت بانو کی آغوش میں منہ چھپا لیا۔ "جو آپ کی مرضی! جو آپ کی خوشی۔" آنسو ٹوٹنے لگے۔ نانو اسے پیار کر رہی تھی۔ دعائیں دے رہی تھیں۔ کیسے ان کے بوڑھے دل کو توڑ دیتی۔ کیسے انکار کر دیتی۔ اب کا انکار اس سے سہا نہیں جاتا۔

"جا تو غسل کر میں زیور نکال دیتی ہوں۔" ندرت بانو کی خوشی کا ٹھکانا ہی نہیں تھا۔

اسے دلہن بنا دیا تھا۔ نانو نے اسے اپنا سارا زیور پہنایا تھا۔ اس پر بھی ٹوٹ کر روپ آیا تھا۔ پنڈال میں ایک رونق تھی اک سماں تھا۔ سب کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ اس کا انکار کیا رخ دیتا۔ ساری محفل دم توڑ جاتی۔ دور کھڑا صائم بھی خوش نظر آ رہا تھا۔ نکاح ہو گیا تھا۔ چھوارے بانٹے جا رہے تھے۔ فراز اور یاسر صائم سے چھیڑ خانی کر رہے تھے۔ ہواؤں میں ہلکی ہلکی خوش بو تھی۔ فضا میں ردھم تھا اور اس کا دل اپنے ارزاں ہونے پر ایمان کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ نانو نے محبت سے صائم کو لا کر اس کے پہلو میں بٹھا دیا۔

"تو میرا' دینا کو بھول جائے گا اب۔" فراز ہنس رہا تھا۔

"یار! نہیں کرو آج اس کی شادی ہے چھوڑو ان باتوں کو۔"

"میں نے دادو پر سب قربان کر دیا ہے۔" صائم ہنس رہا تھا۔

"اور میں نے نانو پر اپنی زندگی۔" ایمان نے ہتھیلیاں کھولیں اور بند کر لیں۔ وہ دل سے اس کے لوٹنے کی خواہاں تھی مگر خود کو بے مول کیے جانے پر شاید اسے ٹھکرا دیتی۔ مگر نانو......! شاید اس نے بھی اسے نانو کی وجہ سے قبول کیا ہے۔ ندرت بانو کی خوشی دیدنی تھی۔ انہوں نے آج ساڑھی باندھی تھی۔

"نانو!" انہیں نظروں سے پیار کیا۔ "آپ پر میری جان قربان۔"

رات ڈھل رہی تھی نانو نے جلد رخصتی کروالی۔ رخصتی کیا تھی' نیچے پنڈال سے صائم کے کمرے تک آنا تھا۔ صائم کا کمرہ جانے کب اتنے کم وقت میں

کیسے اتنا خوب صورت سجالیا تھا۔ اس کے دوستوں اور کزنز نے۔

فضا، صبا اس کے ساتھ تھیں۔ پھوپو، مامی، ابو۔ سب نے رسمیں ادا کیں اور پھر سب رخصت ہوگئے۔ نانو نے کمرے تک لاکر اس کی پیشانی چوم لی۔ ایمان کی پلکیں جھلملا گئیں۔

''ان لمحوں کو گزشتہ باتوں میں ضائع مت کرنا۔'' نانو چلی گئیں۔ گلاب، چنبیلی، پرفیوم اور روم اسپرے کی خوش بوئیں باہم یکجا ہوکر اس سے آلپٹیں۔ وہ خالی الذہن تھی۔ جانے کتنے لمحے گزر گئے پھر گھنٹے گزر گئے۔ ایمان بیڈ سے اتری کمرے سے باہر جھانکا نیچے لاؤنج میں نانو صوفے پر بیٹھی تھیں اور صائم ان کا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا۔ نانو اسے محبت سے دیکھتے ہوئے بال سہلا رہی تھیں۔

''جتنی خوشیاں آج اس گھر میں نظر آرہی ہیں صائم اس سے کہیں زیادہ میں خوش ہوں۔ تمہارے دادا کی روح خوش ہے تم سے تمہارے دادا کی بہت توقعات وابستہ تھیں۔ تو چلا گیا تھا، تو نہیں آتا تو پتا ہے کیا ہوتا؟ نانو کے آنسو نانو کی سسکیاں دل پر گرتی محسوس ہوئیں۔ ایمان کو بیاہ کر اپنا فرض تو ادا کردیتی مگر آج اس گھر سے میرا جنازہ اٹھ رہا ہوتا۔''

''دادو۔'' ان کا ہاتھ چوم لیا بھیگی پلکوں کے ساتھ۔

''چلا تو گیا تھا میں بھی کون سا خوش تھا۔ ایک پل سکون کا نہیں ملا۔ کسی نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ ابو نے گھسنے نہیں دیا، دادو کی گود میں گھسا صائم بچوں کی طرح بولتا جارہا تھا۔ نانو نے محبت سے اس کی پیشانی چوم لی۔

''تمہارے دادا کی خواہش تھی کہ اس گھر کو صائم آباد رکھے گا۔ ہماری بہت محبتیں وابستہ ہیں اس گھر سے تم اس گھر کے بیٹے ہو۔ تم اس گھر کے دکھ سکھ سمجھ سکتے ہو۔ میرا کفن دفن تمہارے ہاتھوں سے ہوتا تو مجھے مر کر زیادہ سکون ملتا۔''

''دادو۔'' ان کے ہاتھ چوم لیے۔

''تم نے ایمان کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ تم سمجھدار ہو بہت دکھی ہوئی ہے وہ۔ اسے سمجھانا اور سنو......!''

دادو نے اس کا چہرہ اونچا کیا۔

''یہ میرا، شیرا اور روینا سب کا پیچھا چھوڑ دو۔ اب تم باحیا باکردار بیوی والے ہو۔'' اس کے سر پر چپت لگائی۔ اوپر کھڑی ایمان انہیں یوں دیکھ رہی تھی گویا کسی فلم کا منظر ہو۔ اس کا دل جانے کیوں بھر آیا۔ نانو کے لہجے پر، اپنی بے بسی پر، صائم کے لوٹ آنے پر یا پھر اپنی بے قدری پر......؟

''ایمان کی قدر کرنا، اسے دکھ نہ دینا۔ میرے بعد تم ہی اس کا سب کچھ ہو۔ ہم تینوں ایک دوسرے کی ضرورت ہیں۔ تکون ہیں۔'' پیار سے صائم کے کان کھینچ رہی تھیں۔

''آپ نے مجھے معاف کردیا نا۔'' صائم ان کے ہاتھ تھامے کہہ رہا تھا۔

''معاف نہ کرتی تو تُو یہاں بیٹھا ہوتا؟'' ڈھیرے سے ماتھے پر بوسہ دیا۔

ایمان اندر پلٹ آئی۔ صائم نے تو اپنی غلطیاں بخشوالیں۔ میرا دکھ، میری اذیت، میرا کرب۔ بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔

''ایمان اٹھو اس روپ کو دھو ڈالو۔ یہ روپ نانو کے جذبوں کے لیے تھا۔ ان کی خوشی کے لیے، عادتیں بھی کبھی بدلتی ہیں، وہ ایسا ہی رہے گا۔ دل پھینک، فلرٹ اور غیر ذمہ دار۔'' اس نے سر جھٹکا اور چوڑیوں کے آگے لگے گجرے اتارنے لگی۔

''وہ دادو کی خاطر لوٹا ہے اس نے نانو کی خاطر یہ

...نگ بھرا ہے نانو خوش ہیں تو بس......!'' دائیں ...ہ کا گجرا نوچ کر اتار پھینکا۔

دروازے پر آہٹ ہوئی اور صائم اندر آ گیا۔ اس کے آنے کے بعد دوسرے ہاتھ کا گجرا اتارنے لگی۔ تغافل بھرا انداز اختیار کیا۔ وہ اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

''کیسی ہو؟''

وہ اسی طرح گجرے سے زور آزمائی کرتی رہی۔

''لاؤ میں مدد کروں۔'' اس کا ہاتھ تھاما، گجرے کا ...کھولا اور اتار دیا۔

''اچھی لگ رہی ہو۔''

ایمان نے ہاتھ گھسیٹ لیا۔

''ناراض ہو؟ حق بجانب ہو مگر اب تو لوٹ آیا ہوں۔''

''میری وجہ سے نہیں نانو کی وجہ سے۔''

''اور سدھر بھی گیا ہوں۔'' مسکرایا۔

''اچھا!'' تیکھے چتون سے دیکھا۔

''دادو نے سمجھایا ہے سب آتے جاتے موسم ہوتے ہیں اور زمانے تو تم ہو۔'' شرارت سے ماتھے کی بندیا ٹھیک کی تو اس نے ہاتھ جھٹکا۔

''شادی مبارک ہو۔'' ایمان نے منہ پھیر لیا۔

''دلہن میرے لیے بنی ہو، پھر ناراض کیوں ہو؟ آئی ایم سوری، واقعی میں غلطی پر تھا۔ بھول تھی میری۔ ...ل آگئی ہے مجھے پلیز!''

''تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے اگر ہوتی تو یوں پھیر کر نہ جاتے۔ کیا فائدہ ایسے بندھن کا جس کی بنیاد ہی کمزور ہو؟'' ایمان سنجیدہ تھی۔

''ایمان! شادی کے بعد کی محبت پائیدار ہوتی ہے۔ یہ وعدہ ہے میرا کہ......!''

''تم نے جانے کتنوں کا دل توڑا ہے اتنی دور سے چل کر آیا تھا طاہر، کس محبت سے میرا ساتھ مانگ رہا تھا اور تم نے......!'' تیکھی، غصیلی نگاہ ڈال کر منہ پھیر لیا۔

''تم......طاہر سے چاہتی تھیں؟''

''ہاں!'' ایک نگاہ غلط ڈالی۔

''یعنی یہ غلط فیصلہ ہے ہم کو اس تعلق پر سوچنا چاہیے؟''

''ہاں۔'' ایمان اپنی رو میں تھی۔ بندھن کی نزاکت کا احساس ہی نہ تھا۔ بس اسے زچ کرنا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' گلابوں کا ہار اتار کر سائیڈ پر ڈال دیا۔ بیڈ پر گرا کشن منہ پر رکھا اور رخ پھیر لیا۔

وہ تو بول کر مزا لے رہی تھی اسے چڑا رہی تھی، اپنا غصہ نکال رہی تھی۔ اتنا تو اس کا بھی حق تھا نا مگر وہ تو......وہ تو......!

اس کی ہمت ہی نہیں ہوئی کہ رخ پھیرے صائم کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتی۔

خوش بو بھری رات گزر رہی تھی مگر صائم......!

''ایک تو چوری اور سینہ زوری......!'' سر جھٹکا۔

''اتنا بھی بچہ نہیں ہے کہ سمجھ نہ سکے۔'' گھڑی پر نگاہ کی چار بجنے والے تھے نیچے کچن میں کھٹر پٹر ہو رہی تھی۔ نانو تہجد کے لیے جاگی تھیں۔ شکرانے پڑھ رہی ہوں گی آج ان کے گھر کو رونق ملی تھی اور اس نے صائم پر نگاہ کی وہ سو رہا تھا۔ جانے کتنے دن کا تھکا ہوا تھا۔ کتنی دیر بیٹھی رہی پھر اٹھ کر باہر آ گئی۔ سہج سہج کر اترتی نیچے آئی رخ موڑے ندرت بانو کا پرسکون سا انداز تھا۔

''نانو!'' ان کے بازو سے جا لگی۔

''تم۔'' وہ چونکی۔

''کیا ہوا؟''

''نانو! وہ ناراض ہوگیا ہے۔''

''کیوں؟'' شانوں سے تھاما۔

”مجھے اس پر غصہ تھا۔ بہت غصہ، میں نے اس پر نکال دیا۔“

”ایمان!“ انہیں غصہ آیا۔

”اتنا خوب صورت دن......! وہ ہم سب کی خاطر لوٹا تھا۔ اس نے مجھ سے معافی مانگی تھی تمہیں بھی منا لیتا اور تم نے......!“ انہوں نے تاسف سے دیکھا۔

”آئی ایم سوری نانو! وہ سو گیا ہے میری ہمت نہیں ہوئی کہ اسے جگاؤں۔“

”ایمان!“ اسے چیئر پر بٹھا کر سامنے بیٹھیں۔

”اب وہ جاگ گیا ہے اور خود سے جاگا ہے شرمندہ ہے اور بہت بدل گیا ہے اور میری وجہ سے نہیں تمہاری وجہ سے بھی وہ لوٹا ہے۔ اسے موقع تو دیتی نا!“

اس کا غصہ اب ندامت میں بدل رہا تھا۔

”اب صلح کروا دیں۔“ اس نے اپنے کان پکڑ لیے۔

”بہت بے وقوف ہو تم، اب تم لوگوں کی شادی ہوگئی ہے۔ نکاح کا بندھن بہت مضبوط ہوتا ہے۔ بنیادوں کو مضبوط تم دونوں کا رویہ اور تعلق کرے گا۔ ازدواجی تعلق میں ذرا ذرا سی باتوں پر جنگیں اچھی نہیں ہوتیں۔ مگر ہلکی پھلکی لڑائیاں محبت بڑھاتی ہیں۔“ ایمان شرمندگی سے سن رہی تھی۔

”اس نے مجھے ڈھنگ سے سنا نہیں فٹ سے ناراض ہوگیا۔“

”تو تم جھٹ سے منا لیتیں۔“ وہ مسکرائیں۔

اسے خود پر غصہ آنے لگا۔

”اب اسے سونے دو۔ جب تک میں چائے بنا لوں۔ دن بھی نکل آئے گا۔“ وہ مڑیں۔ وہ بھی کھڑی ہوگئی نانو کے پیچھے پیچھے۔

”آئندہ زندگی میں ذرا ذرا سی باتوں پر ناراض نہیں ہونا۔“ نانو دھیرے دھیرے اسے سمجھا رہی تھیں۔

وہ نانو کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ اس طرح سے عروسی لباس میں اپنے حلیے پر نگاہ کی اور مسکرا دی۔

دن نکل آیا۔ نانو اسے لے کر اوپر آ گئیں۔

”آؤ؟ اور بس یہ آخری بار صلح کروا رہی ہوں۔ آئندہ ایسی جنگ نہ ہو۔ ہوسکتا ہے آئندہ میں نہ ہوں۔“

”اللہ نہ کرے۔“ ایمان نے نانو کا ہاتھ تھام لیا۔

”اے صائم! اٹھو فجر کی نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ یہ کیا تم شیروانی پہن کر سو گئے۔ کتنا مہنگا لباس ہے تمہارا اب تم ایسے ہی نماز کے لیے جاؤ۔“

”اٹھو چلو۔“ شانہ ہلا کر سیدھا کیا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ نانو کے عقب میں سر جھکائے ایمان بھی کھڑی تھی۔

”اور یہ کیا تم ذرا ذرا سی باتوں پر ناراض ہوتے ہو۔ چھوڑ دو اب یہ بچکانہ حرکتیں بردبار بنو۔“

”دادو!“ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

”پوچھیں اس سے اس نے کیا کہا تھا؟“

”رات گئی بات گئی۔ اس نے کہا تم نے سنا۔ اس نے بھی بہت انتظار کیا ہے۔ اب تم لوگ میاں بیوی ہو اور ازدواجی تعلق میں درگزر اور محبت کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ چلو صلح کرو۔ نماز پڑھنے جاؤ۔ ابھی سب آجائیں گے ناشتہ لے کر۔“ محبت سے ایمان کو آگے کیا گویا ان کے درمیان پل بنیں اور دونوں کا ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ میں دے دیا۔ دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر باہر نکل گئیں۔

”میں بھی فجر کی نماز پڑھ لوں۔“

”جانتی ہو تم نے کیا کہا تھا؟“

”نہیں! جانتی ہوتی تو نہ کہتی غصے میں کہا تھا۔ آئی ایم سوری۔“ ایک لمحہ میں صلح کے جھنڈے سر بلند ہو گئے۔

وہ لب بھینچے دیکھ رہا تھا۔ دھیرے سے تازہ گجروں سے سجا دوسرا ہاتھ بھی صائم کی جانب بڑھا دیا۔ دوسرے لمحے دونوں چونکے مدتوں بعد ایک ایک ہاتھ ابھی تک ایک دوسرے کے ہاتھ میں تھا۔

”آئی ایم سوری!“ ایمان کی آنکھیں جھلملا گئیں۔

”اور آئندہ!“ وارننگ دی۔

”آئندہ کے لیے تم بھی سوری کرو۔“ مزید پھیل گئی اس نے گھورا اور پھر ہنس دیا۔

”مجھے میرا کے آخری پروگرام سے پتا چل گیا ہے کہ یہ فنکارائیں بڑی فنکار ہوتی ہیں اور کسی کی نہیں ہوتیں۔ بچارے دسوں کے دس لڑکے اپنا سا منہ لے کر چلے گئے۔ میرا کا ابھی شادی کا ارادہ نہیں ہے۔“ صائم شرمندہ تھا۔

زندگی میں اور شرمندگی کی گنجائش نہیں تھی۔ صائم نے دونوں بازو پھیلا دیے۔

”میں صائم بقائمی ہوش و حواس خود کو ہمیشہ کے لیے تمہاری ان حنائی ہتھیلیوں کی قید میں دیتا ہوں۔“

ان کجراری آنکھوں سمیت ہنس دی۔

”بے ایمان!“ بیڈ روم کی اداس فضا، رنگ، خوش بو اور محبت سے معطر ہونے لگی۔ اداسی اور تنہائی کے بادل چھٹ گئے مہکتے ہوئے لمحے زندگی میں در آئے۔

”لو سب آ گئے۔“ نیچے سے واحد کی آواز آنے لگی۔ پھر سب کی ملی جلی آوازیں ”دولہا میاں کہاں ہیں؟ دلہن صاحبہ بھی غائب......!“

شور شرابا، چٹکلے، شوخیاں اپنے عروج پر تھیں۔

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور مسکرا دیے۔

”چلو!“

”میں ایسے!“ اپنے عروسی جوڑے پر نگاہ کی۔

”اٹھا کر لے چلوں؟“ ذرا سا جھکا۔

پھر ہاتھ تھام کر شرارت سے دیکھا۔ دونوں نے باہر کی جانب قدم بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔ نیچے ڈرائنگ روم میں رونقیں عروج پر تھیں۔

دونوں نے سیڑھیاں اترنے کا سفر ایک ساتھ کیا۔ سب نے بہ یک وقت دیکھا اور مسکرا دیے۔

واؤ!

بیوٹی فل!

اسٹائلش!

”لگتا ہے عروسی جوڑا بہت پسند آیا ہے دونوں کو۔“ سب کزن چٹکلے چھوڑ رہے تھے۔ صائم ہنس رہا تھا۔ ایمان لجا رہی تھی۔

ندرت بانو نثار ہو رہی تھیں آنکھوں کی قندیلیں روشن ہو کر جگر جگر کر رہی تھیں۔ ان کے گھر کی رونقیں باقی ماندہ عمر کے لیے سنگ میل تھیں۔ کیسا سکون تھا جو ان کے دل میں اتر رہا تھا۔

”ایمان کے من آنگن میں خوشیاں قلانچیں بھر رہی تھیں۔ تو صائم کا دل مطمئن تھا۔

فجر کی نماز کے بعد اس نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ اس سے بروقت ایک صحیح فیصلہ ہوا ورنہ دیر ہو جاتی تو اس گھر کی رونقیں بھی بحال نہ ہو پاتیں۔

آج وہ مطمئن تھا......!!

شکستِ دل

سویرا فلک

> ہم اپنے آپ میں یوں گم ہوئے ہیں عرصے سے
> ہمیں تو جیسے کسی کا بھی انتظار نہیں
> کسی کو ٹوٹ کے چاہیں کہ چاہ کر ٹوٹیں
> ہمارے پاس تو اتنا بھی اختیار نہیں

''شاہین! میں آپ کو آخری وارننگ دے رہی ہوں' اگر کل تک آپ نے اپنا اسائنمنٹ جمع نہیں کرایا تو میں آپ کو اپنا لیکچر اٹینڈ کرنے کی اجازت نہیں دوں گی۔'' میڈم ناہید نے شرمساری سے نظریں جھکائی' شاہین کو سختی سے سرزنش کی اور کلاس روم سے باہر چلی گئیں۔ کالج ٹائم ختم ہوچکا تھا' کالج گیٹ پر جب دیگر لڑکیاں اپنے اپنے راستوں پر چلی گئیں تو آمنہ نے اسے جالیا۔

''کیا ہوگیا ہے شامی تمہیں...... تم کیوں اس لفنگے کے لیے اپنا مستقبل داؤ پر لگارہی ہو؟ تمہیں پتا ہے کہ یہ انٹر کا آخری سال ہے اور ہمیں میڈیکل کالج میں داخلہ لینے کے لیے اپنی پرسنٹیج بنانی ہے۔'' اور وہ جو اب تک میڈم ناہید کی تنبیہہ پر شرمسار تھی ایک دم بدمزا ہوگئی۔

''تم کیوں اسے لفنگا کہتی رہتی ہو؟ میں نے کتنی بار تمہیں بتایا ہے کہ وہ ایسا ویسا لڑکا نہیں ہے۔ وہ بہت اچھے خاندان کا کھاتا پیتا لڑکا ہے۔''

''اُف خدایا! ذرا ہوش کے ناخن لو لڑکی! اچھے خاندانوں کے لڑکے یوں گلی محلوں میں کھڑے ہوکر لڑکیوں سے عشق فرمانے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔'' آمنہ نے طنز کیا مگر شامین اپنی ہی رٹ پر قائم تھی۔

''وہ ویل آف ہے' اپنے پیروں پر کھڑا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کتنے قیمتی تحائف دیتا ہے وہ مجھے......؟ ایم بی اے تو کرلیا ہے اس نے' اب اپنے والد صاحب کا کاروبار سنبھالتا ہے۔'' وہ دونوں اب اسٹاپ پر آچکی تھیں۔

''تو پھر قباحت کیا ہے؟ اس سے کہو کہ رشتہ بھجوائے' نکاح کرلے' یوں سرعام محبت کا تماشا نہ بنائے۔'' آمنہ نے اسے پھر لتاڑا۔

''رشتہ وہ خود ہی بھجوانا چاہتا ہے' بس اس کی بڑی بہن کی بات پکی ہوجائے کہیں...... ظاہر ہے بڑی بہن کے ہوتے ہوئے اس کی شادی کیسے ہوسکتی ہے؟'' شاہین کے دلائل ختم ہی نہیں ہورہے تھے' آمنہ چڑ گئی۔

''اُف میرے خدایا! کیسے سمجھاؤں میں تمہیں' بے وقوف لڑکی! یہ سارے حیلے بہانے ہوتے ہیں لڑکوں کے...... وہ لڑکا جو سارا دن گلیوں میں بھٹکتا ہے' رات بھر تم سے فون پر باتیں کرتا ہے' آخر کس وقت اپنے باپ کے کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹاتا ہوگا؟ ایسے لڑکے ذمہ دار اور لائق نہیں' آوارہ اور ناخلف ہوتے ہیں جو باپ کے پیسوں پر عیش کرتے ہیں...... مگر تم کہاں سمجھوگی' تم نے تو اپنی آنکھیں اور دماغ بلکہ سب حسیات اس کے حوالے کردی ہیں اس لیے وہ جو جھوٹ' سچ تمہیں سناتا ہے تم اسی پر من وعن یقین کرلیتی ہو۔ اب اللہ ہی تمہیں ہدایت دے تو دے کہ وہ جسے جو چاہتا ہے وہی دیتا ہے۔'' آمنہ نے اسے تاسف سے دیکھا اور پھر اپنی مطلوبہ بس میں سوار ہوگئی جب کہ شامین سر جھٹک کر رہ گئی۔

❁ ...... ✦ ...... ❁

شاہین اور آمنہ کالج فرینڈز تھیں۔ کچھ دنوں سے شاہین میں یہ تبدیلی آئی تھی کہ دن ہو یا رات مسلسل موبائل سے چپکی رہتی۔ خیر بات یہاں تک رہتی تب بھی ٹھیک تھا مگر جب اس بات چیت سے اس کی پڑھائی کا حرج ہونے لگا تو آمنہ کے استفسار پر اس نے بخوشی اسے بتادیا کہ دوسری جانب عاطف نامی لڑکا ہے جو اس سے محبت کا دعوے دار ہے۔ وہ اکثر آمنہ کو اس کے دلکش اور محبت بھرے موبائل میسجز پڑھواتی اور عاطف کے آئے دن دیئے جانے والے قیمتی تحائف اسے دکھاتی۔ شاہین عمر کے اس دور میں تھی جب لڑکیاں نئی نئی اسکول کی حدود وقیود سے نکل کر کالج کے نسبتاً آزادانہ ماحول میں آکر خود کو کوئی انوکھی مخلوق سمجھنا شروع کردیتی ہیں۔ نوعمری کا نوخیز دور' جب انہیں اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے بس ایک ہی خواب دکھتا ہے کہ اب کہیں سے کوئی شہزادہ آئے گا اور انہیں اپنے محل میں لے جاکر رکھے گا۔ ایسے میں اگر کوئی جھوٹے ہی سہی ستائش کے پھول جھولی میں ڈال دے' وقت گزاری کو ہی سہی محبت کا دعوے دار بن بیٹھے تو وہ سچ مچ خود کو ماورائی مخلوق سمجھنے لگتی ہیں اور اس چاہت میں ساری دنیا کو فراموش کرجاتی ہیں۔ یہی شاہین کے ساتھ ہوا۔ آمنہ اس کی قریبی دوست تھی' اس نے اس امید پر تمام داستان آمنہ کے گوش گزار کی تھی کہ وہ آمنہ کی داد وستائش کی مستحق ٹھہرے گی بلکہ شاید آمنہ اس سے حسد بھی کرنے لگے کہ وہ کس قدر خوش نصیب ہے کہ عاطف جیسا امیر وکبیر اور خوب صورت نوجوان اس پر مرمٹا ہے اور یہ کہ اتنی جلدی وہ اپنی منزل یعنی شادی کو پالے گی...... مگر اس کی توقع کے برعکس آمنہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا کیونکہ وہ ان لڑکیوں میں سے تھی جو جانتی ہیں کہ جو عورت کی

غزل

> پل پل چلنا پڑتا ہے
> ہر رنگ میں ڈھلنا پڑتا ہے
> ہر موڑ پر ٹھوکر لگتی ہے
> ہر حال میں چلنا پڑتا ہے
> اس دل کو سمجھانے کی خاطر
> بس خود سے لڑنا پڑتا ہے
> کبھی خود کو کھونا پڑتا ہے
> کبھی چھپ کے رونا پڑتا ہے
> کبھی نیند نہ آئے پھولوں پر
> کبھی کانٹوں پر سونا پڑتا ہے
> کبھی مر کر جینا پڑتا ہے
> کبھی جی کے مرنا پڑتا ہے
> کبھی خوشیاں بھی تو آئیں گی
> اس آس پر جینا پڑتا ہے

اسماء سلطان...... شاہ نکڈر

عزت کرتا ہے دراصل وہی اس سے محبت کرتا ہے۔ یوں گلیوں' محلوں میں محبت کا تماشا بنانے والے دراصل محبت کے اصل مفہوم سے بھی آشنا نہیں ہوتے۔ اسے شامین پر غصہ آتا جو اس نام نہاد محبت کے چکر میں پڑ کر اپنے اصل مقصد کو تقریباً بھول ہی گئی تھی۔ اس کی ان ''سرگرمیوں'' کا سب سے اولین شکار اس کی تعلیم ہی ہو رہی تھی۔ شامین کا خیال تھا کہ آمنہ اس سے حسد کرنے لگی ہے' سو اب وہ اپنی اکثر ملاقاتوں کی تفصیلات اس سے چھپا جاتی تھی۔ اس کے ''وعظ و نصیحت'' سے وہ مکمل طور پر عاجز آ چکی تھی مگر آمنہ سے کنارہ کشی کا خسارہ بھی وہ نہ اٹھا سکتی تھی کہ اس کے تمام ادھورے رہ جانے والے پروجیکٹس وہی مکمل کروائی تھی۔ وہ اس کی سچی دوست اور خیر خواہ تھی مگر شامین جیسی لڑکیاں بُرے بھلے کا فرق پہچان جائیں تو شاید کبھی خسارہ نہ اٹھائیں۔

⊛......+......⊛

شامین کو عاطف کی آنے والی سالگرہ کے لیے گفٹ لینا تھا اور اس کام کے لیے وہ اپنی بہنوں کا سہارا تو نہیں لے سکتی تھی' سو آمنہ کی منت سماجت میں لگی ہوئی تھی اور وہ تھی کہ مان کے نہیں دے رہی تھی۔

''مگر شامی! ہمارے ایگزامز سر پر ہیں' ایسے میں ہم کوئی بھی پیریڈ مس نہیں کر سکتے۔ کتنے امپورٹنٹ ٹاپکس پر لیکچرز چل رہے ہیں آج کل...... مگر تم تو لگتا ہے کہ تمہیں امتحان میں بیٹھنا ہی نہیں ہے اس بار...... کیا منہ دکھاؤ گی گھر والوں کو جب سارے پیپرز میں فیل ہو جاؤ گی...... تمہیں یہ عاطف نامی بے وقوف کے ساتھ کلاسز بنک کر کے اِدھر اُدھر کی تفریحات میں اے ون گریڈ دلائیں گی؟'' حسب توقع آمنہ کا لیکچر شروع ہو گیا تھا۔ شامین کا منہ کڑوا ہو گیا۔ دوست ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ انسان ذاتیات میں یوں کھلم کھلا دخل اندازی پر اتر آئے۔ وہ چار حرف بھیجتی ایسی دوستی پر اگر اسے آمنہ سے سو سو کام نہ پڑتے مگر آج شامین نے اس کی طبیعت صاف کرنے کی ٹھان ہی لی۔

''ایک بات تو بتاؤ ڈیئر! یہ ایف ایس سی' بی ایس سی یا پھر ایم بی بی ایس کر کے بھی آخر تمہیں کیا کرنا ہے؟ ہم لڑکیاں ہیں مائی ڈیئر! کتنا ہی پڑھ لکھ جائیں' ماں باپ نے ایک روز کسی کھونٹے سے باندھ دینا ہے پھر باقی کی ساری زندگی چولہا جھونکتے گزر جائے گی' ساری ڈگریاں دھری رہ جائیں گی۔'' اس کے ایسے صاف اور کھلے کھلے لفظوں پر آمنہ کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

''اوہ گاڈ! یہ تم کہہ رہی ہو شامین! کتنی بدل گئی ہو تم...... یاد ہے' تم ہی نے کہا تھا کہ آج کی نسل کو تعلیم یافتہ اور باشعور ماں کی ضرورت ہے۔''

''ہاں تو جو تعلیم حاصل کر لی وہ ہمیں باشعور بنانے کے لیے کافی ہے۔'' اس نے کمال بے نیازی سے کہا اور یہ ''خیالی انقلاب'' یقیناً عاطف کی دین تھا۔ آمنہ سمجھ کر دانت کچکچا کر رہ گئی۔

''پھر ڈن ہے نا! کل نکل چلیں گے' آخری دو پیریڈ فری ہیں' ٹائم زیادہ ہو گیا تو کہہ دیں گے کہ ایگزامز کی وجہ سے لائبریری میں نوٹس بنا رہے تھے۔'' اس نے کس آسانی سے جھوٹ گھڑا تھا۔ آمنہ نے کچھ کہنا چاہا مگر لب بھینچ لیے۔ سچ ہے بدی ایسا دلدل ہے کہ اس میں جو گرا' وہ بس دھنستا ہی چلا جاتا ہے۔

⊛......+......⊛

پروگرام کے مطابق اگلے ہی دن دونوں طارق روڈ کے شاپنگ سینٹر کی خاک چھان رہی تھیں' ایک گھنٹے کی خواری کے بعد بھی شامین کی نظروں میں کوئی شے جچ ہی نہیں رہی تھی۔ حتیٰ کہ آمنہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

''سنو لڑکی! اگر اگلے دس منٹ میں تم نے اپنی شاپنگ کا اختتام نہ کیا تو میں تمہیں یہیں چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ غضب خدا کا! کچھ وقت کا احساس ہے تمہیں' چار بجنے والے ہیں۔'' آمنہ کے احساس دلانے پر خود بھی تھکن سے چُور شامین کی ہمت بھی جواب دینے لگی۔ اس نے شرمسار نظروں سے آمنہ کو دیکھا۔

''آئی ایم سوری! اصل میں مجھے عاطف کے معیار کے مطابق کوئی چیز نہیں مل رہی' وہ کس قدر قیمتی گفٹس دیتا ہے مجھے۔ اچھا بس یہ سامنے والا شاپنگ سینٹر دیکھ لیتے ہیں' کچھ کھا پی بھی لیں گے اور مجھے ضرور کچھ پسند آ جائے گا۔''

''جی! مگر آپ کی اس رشوت کے بعد بھی آپ کے ٹائم کا مارجن دس منٹ سے زیادہ نہیں بڑھے گا' یاد رکھنا......!'' آمنہ ہنوز غصے میں تھی۔

''اچھا نا! اب غصہ تھوک بھی دو۔'' اب کی بار شامین نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ ڈالے تو آمنہ کو ہنسی آ گئی۔ پھولوں کی چاٹ کھا کر جوس پینے کے بعد شامین کو ایک شرٹ اور پرفیوم پسند آ ہی گیا جسے اس نے اپنے کالج بیگ میں اڑس لیا سردیوں کی شام تھی' جلد ہی ڈھل گئی۔ یہ وقت چہل پہل کا تھا' لوگ آفس سے گھروں کو لوٹتے' کسی کے دیکھ لیے جانے کے خدشے سے انہوں نے بس اسٹاپ کی بجائے ایسی گلی کا انتخاب کیا جہاں بنگلوں کی قطاروں سے کچھ ہٹ کر گاڑیاں آتی جاتی تھیں۔

ابھی وہ مطلوبہ بس کو روکنا ہی چاہتی تھیں کہ جانے کہاں سے دو موٹر سائیکل سوار سر پر آ پہنچے اور پرس اور موبائل فون کا مطالبہ کر دیا۔ آمنہ نے خوف کے مارے فوراً بیگ ان کے حوالے کر دیا ویسے بھی اس کے بیگ میں موبائل فون اور کالج کی کتابیں ہی تھیں جب کہ شامین گویا پتھر کی ہو گئی تھی۔ مارے خوف و صدمے کے وہ نہ کچھ کہہ سکی نہ حرکت کر سکی تب پیچھے والے لڑکے نے اس کے کندھے سے بیگ جھپٹا اور موٹر سائیکل زناٹے سے آگے بڑھ گئی۔ اگلے پل آمنہ نے بے دم ہوتی شامین کو گھسیٹا' مبادا سناٹے کے باعث کوئی اور آفت نہ آ جائے...... مگر اس میں تو گویا جان ہی نہ رہی تھی۔ آمنہ اسے جھنجھوڑنے لگی۔

''شامی! ہوش کرو' ہم پھر آ جائیں گے۔ میں اپنی پاکٹ منی تمہیں دے دوں گی یا پھر تم عاطف کو سب بتا دینا۔ وہ اتنا چاہتا ہے تمہیں...... سمجھ جائے گا۔ شکر کرو' ہماری جان اور عزت بچ گئی۔'' آمنہ اسے تسلی دینے میں لگی تھی۔ نہ جانے کتنی دیر بعد شامین کی جان میں جان آئی تب وہ سسک اٹھی۔

''کچھ...... بھی...... تو...... نہیں بچا آمنہ! وہ عاطف...... میرا سب کچھ لے گیا...... مان...... بھروسا...... چاہت...... پرس......'' روتی بلکتی شامین نے گلی کی جانب اشارہ کیا تو اس کا اشارہ جان کر آمنہ بھی سکتے میں آ گئی۔

معارج تغلق اس کی توقعات سے ہمیشہ مختلف ثابت ہوتا تھا۔ اب جب وہ اس قید کی عادی ہونے لگی تھی ذہنی طور پر چیزوں کو قبول کرنے لگی تھی تو اسے رہائی دے رہا تھا۔ اب جب کہ وہ آدھا سچ جان چکی تھی تو وہ اسے باقی کا آدھا سچ جاننے کا بھی موقع نہیں دے رہا تھا۔ وہ اسے زندگی سے نکل جانے کا اذن یوں دے رہا تھا جیسے کوئی معمولی سی بات کر رہا ہو۔ اس وقت بہت سنگ دل لگ رہا تھا۔ کیا وہ اتنا بے حس تھا کہ اسے کسی بات سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا تھا؟ اس نے اپنی مرضی سے کھیل کھیلا اور اپنی ہی مرضی سے چیزوں کو توڑا موڑا اور اختتام بھی تجویز کر لیا تھا۔

''اوہ خدا! کوئی شخص اتنا سنگ دل بھی ہو سکتا ہے؟''

کیا یہ سب مذاق تھا؟ دل' جذبات' احساسات کیا اس سب کا اس کی زندگی میں کوئی عمل دخل نہ تھا؟

اسے یہ الہام یکدم کیوں ہوا تھا کہ وہ مزید یہ کھیل جاری نہیں رکھ سکتا؟

قسط نمبر 24

اور کچھ خواب

عشنا کوثر سردار

> کچھ وقت سے اک بیج ثمر ہوتا ہے
> کچھ روز میں اک قطرہ گہر ہوتا ہے
> اے بندۂ ناصبور تیرا ہر کام
> کچھ دیر میں ہوتا ہے مگر ہوتا ہے

''کیا ہوا! ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟ میں مذاق نہیں کر رہا' کیا تم مذاق سمجھ رہی ہو؟'' وہ اس کے یک ٹک دیکھنے پر بولا۔

''معارج تغلق! تم کس قسم کے انسان ہو۔ میں اس بات کو بالکل سمجھ نہیں پائی ہوں۔ تم کب کھیل کا آغاز کرتے ہو' کب تمہیں وہ کھیل لطف دیتا ہے اور کب تم اکتا جاتے ہو اس کا فیصلہ صرف تم کرتے ہو' دوسرا فریق کیوں نہیں......؟ یہ سراسر بے ایمانی ہے یا خود غرضی؟''

''نہیں یہ خود غرضی نہیں انا ئیا ملک! تمہاری اچھائی کے لیے ہے سب!'' وہ سکون سے بولا۔

''میری اچھائی کے لیے...... یا پھر تمہاری تسکین کے لیے؟'' وہ دھیمے لہجے میں بولی تھی تو معارج تغلق مسکرا دیا پھر ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ تھپتھپایا تھا اور بولا۔

''ایک خواب سمجھ کر بھول جاؤ سب...... میں نے معذرت کی نا! آئی ایم رئیلی ویری سوری۔ اگر تمہیں تنگ کیا۔'' وہ ایک بار پھر معذرت کر رہا تھا۔

''اف!'' وہ اس کی بے حسی پر اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ مگر معارج تغلق نے شانے اچکا دیے تھے۔ پھر اسے

بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

''میرے ساتھ رہنے پر اتنا زور کیوں دے رہی ہو' عشق ہوگیا ہے کیا مجھ سے؟'' اس کے لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ ''یا پھر تمہیں یہ قید پسند آ گئی ہے؟'' معارج تغلق لطف لے رہا تھا۔

''قید چاہے سونے کے پنجرے کی ہو' قید ہی ہوتی ہے معارج تغلق! مجھے تم سے کبھی انسیت بھی نہیں ہوسکتی۔ محبت تو بہت دور کی بات ہے۔ تم جیسے بے حس بندے سے محبت نہیں ہمدردی کی جاسکتی ہے۔ تم بیمار ہو' تمہیں ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ بیوی کی نہیں......!'' وہ کہہ کر پلٹی معارج تغلق نے تبھی اسے ایک جھٹکے سے کلائی سے تھام کر اپنی طرف کھینچا اور اس کے شانے پر پنجے گاڑھ دیے۔ اس کی نگاہوں سے ایک تپش نکل رہی تھی۔ انائیا کی بات اسے غصہ دلا گئی تھی۔

انائیا اسے اسی طرح کھڑی پُراعتماد انداز سے دیکھتی رہی تھی تکلیف کے احساس سے آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئی تھیں' مگر وہ اس کے سامنے کسی کمزوری کا احساس نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

''معارج تغلق مجھے رہائی دینے کے لیے تھینکس! بہت تکلیف میں رہی میری روح! اس قفس سے رہائی ملے گی تو سوچوں گی مجھے سانس لینے کی عادت رہی بھی ہے کہ میں بھی اپنے صیاد کی طرح پتھر کی ہوگئی ہوں۔'' معارج تغلق کو اس کا وہ اعتماد جیسے اچھا نہیں لگا تھا اور اس نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑ دیا تھا۔ وہ دور جا گری تھی۔ سر ٹیبل کے کونے سے ٹکرایا تھا۔ چوٹ شدید لگی تھی اور خون رسنے لگا تھا۔ انائیا ملک نے اس کی طرف آنسوؤں سے دھندلائی آنکھوں سے دیکھا۔

''تم پتھر نہیں بنی ہو ابھی انائیا ملک!'' وہ اس کے قریب آیا پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کی طرف بغور دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں سے آنسو اپنی پوروں پر چن لیے۔ ''یہ آنسو بتاتے ہیں کہ ابھی تم پتھر نہیں ہوئیں' میں تمہیں مزید تکلیف دینا نہیں چاہتا' چاہوں تو دے بھی سکتا ہوں' مگر تمہیں بتایا تھا کہ اصول پرست ہوں۔ مول کے ساتھ سود وصول نہیں کرتا جتنا چاہیے تھا وصول کرچکا اب اور نہیں۔'' مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اسے جتایا۔ وہ اس کی بے حسی پر حیران تھی۔ اسے لگتا تھا وہ کوئی جنون ہے۔ کوئی پاگل پن یا محبت وہ اس کے لیے پاگل ہے تبھی اس نے یہ انتہائی اقدام اٹھایا۔

وہ خود کو الزام دے رہی تھی کہ وہ ہی اس کی محبت شاید سمجھ نہیں پائی مگر وہ غلط تھی۔ وہ محبت نہیں تھی۔ وہ محبت ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ معارج تغلق شاید کبھی محبت نہیں کرسکتا تھا۔ اسے کبھی محبت نہیں ہوسکتی تھی۔ نہ اس سے' نہ کسی اور سے۔ وہ محبت کرنے کے اسلوب نہیں جانتا تھا۔ سینے میں دل بھی نہیں تھا اس کے اور وہ محبت کی امید رکھ رہی تھی۔

''تمہیں مرہم کی ضرورت ہے' پیشانی سے خون رس رہا ہے۔ آئی ایم سوری میری وجہ سے ایک اور چوٹ لگ گئی۔'' وہ پُرافسوس انداز سے بولا۔

انائیا ملک کی آنکھوں سے آنسو چھلک کر رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔

بھلا ہو تیرا صیاد کہ تُو نے!
رہائی تو دی اور پَر کاٹ ڈالے

معارج تغلق نے اسے شانوں سے تھام کر کھڑا کرنا چاہا تھا۔ مگر اس نے ہاتھ جھٹک دیے اور ٹیبل کی سطح سے سہارا لے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

محبت کیسی ہوتی ہوگی؟

میں نے ایک عمر چاہ کی
تمہاری آنکھوں میں جھانکنے کی
ڈھونڈنے کی بہت سعی کی۔
میں نے سفر کیا منزلوں کا
قدم سے قدم کے فاصلوں کا
تم سے تم تک پہنچنے کا
مجھے محبت کی انگلی تھامنے کی خواہشوں نے رلا دیا
تمہاری خاموش آنکھوں سے؟
یا اس بولتی چپ سے؟
محبت ایسی ہی ہوتی ہوگی شاید
قیاس کیے ہوئے قصوں جیسی
آدھے سچ اور پورے جھوٹ جیسی؟
محبت ایسی ہی ہوتی ہوگی
بے مہر' سرد' ساکت اور جامد؟
برف سی بے حس و حرکت؟

انائیا ملک اٹھی اور وہاں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

❖......○......❖

''کچھ کھیل ادھورے نہیں چھوڑے جاسکتے پارسا چوہدری! ہم اب بچے نہیں رہے اس لیے یہ بچپنا بھی اچھا نہیں لگتا۔ تم سترہ برس کی تھیں جب تم نے گھر چھوڑا' وہ عمر پختہ نہیں تھی۔ اس عمر کے فیصلے عقل سے خالی ہوتے ہیں۔ پھر تمہیں کیسے لگا کہ تم نے ٹھیک کیا؟'' عدن بیگ اس کی سمت پوری توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

پارسا چوہدری نے ایک گہری سانس لی تھی۔

''عدن بیگ! زندگی قیاس آرائیوں سے نہیں گزرتی۔ آپ آدھی بات جانتے ہیں' میں نے سترہ سال کی عمر میں گھر چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ مگر اس کی وجہ نہیں جانتے۔'' کہہ کر وہ چپ ہوگئی اور اس کی سمت سے نگاہ چرا گئی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ باقی کا آدھا سچ اس سے شیئر کرنے کے موڈ میں نہیں ہے۔ تبھی بولا۔

''ٹھیک ہے' میں تمہیں کسی شے کے لیے مجبور نہیں کروں گا۔ اگر تم نہیں بھی بتانا چاہتیں تو کوئی بات نہیں......! مگر میں اس وقت کا انتظار بھی کرسکتا ہوں۔ جب تم خود کو اتنی پرسکون محسوس کرو کہ مجھ سے وہ سب شیئر کرسکو' اس لیے کہ میں جاننا چاہتا ہوں' صرف اس لیے کہ تم سب کہہ کر سکون محسوس کرسکو۔ ان آنکھوں کو دیکھتا ہوں تو ایک بے سکونی دکھائی دیتی ہے۔ مجھے احساس ہوتا ہے جیسے تم ایک عرصے سے سکون سے نہیں سوئیں۔ تمہاری آنکھوں سے عجب سی ایک سرد سی خاموشی جھانکتی ہے۔ میں چاہتا ہوں تم ایک بار اس اضطراب سے باہر نکل کر چیزوں کو نارمل زاویے سے دیکھو' یہ سب میں اس لیے نہیں چاہتا کہ میں تم سے پیار کرتا ہوں۔ میری محبت وہ سارے دکھ درد سمیٹ سکتی ہے جو تمہارے اندر خاموشی سے دبے ہوئے ہیں' مگر یہ سب میں ایک دوست کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں۔'' وہ پرسکون انداز میں بولا تھا اور وہ محبت کے اتنے کھلے اظہار پر اسے دیکھنے لگی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ محبت کرنا کوئی جرم ہے؟ ہوگئی تو ہوگئی! اب کیا کروں؟ میری زندگی سچ پر مبنی ہے پارسا! مجھے جھوٹ کے محل کھڑے کرنا نہیں آتے۔ اب اگر تم اتنی اچھی ہو تو محبت کیسے نہ ہوتی؟ مجھے ہی کیا' کسی کو بھی ہوجاتی۔ میری جگہ وہ چوکیدار بھی ہوتا تو اسے بھی ہو ہی جاتی۔" وہ غیر سنجیدہ انداز میں بولا تو وہ ایک بار چونکی۔ پھر اس کی شرارت سمجھ کر مسکرا دی۔

"بہت خوب! مسکرایا کرو یار! زندگی یوں بھی آسان نہیں' اسے مزید الجھاوں میں مت الجھاؤ' ساری زندگی معمہ بن کر رہ جائے گی۔"

"عدن!" پارسا نے لمحہ بھر کو پکارا پھر جانے کیا سوچ کر چپ ہوگئی اور نگاہ بھی جھکالی۔

"محبت پھر کہاں کیسے ہوتی ہے؟" بڑا عجیب سوال تھا مگر وہ چونکا نہیں تھا' مسکرا ضرور دیا تھا۔

"تمہیں پتا نہیں؟" عدن بیگ نے اس کی آنکھوں میں براہِ راست جھانکا۔ پارسا نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"محبت میرا موضوع نہیں۔ جب میں سنتی ہوں کہ کسی کو کسی سے محبت ہوگئی تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔ کچھ غیر حقیقی سی بات! کہیں کوئی ضرورت تو نہیں جو ایک فریق کو دوسرے فریق سے جوڑتی ہے یا محبت صرف ایک نام ہے؟ ہم تھوڑے خود غرض ہوتے ہیں' تنہا نہیں رہ سکتے اور کسی کے ساتھ ہونے کا ارادہ باندھ لیتے ہیں۔ سو اسی غرض کو محبت کا نام دے لیتے ہیں۔" پارسا دھیمے لہجے میں سر جھکا کر بولی۔

"نہیں' ایسا نہیں ہوتا۔ جو غرض کے تحت بندھتا ہے وہ رشتا سمجھوتا تو ہوسکتا ہے' محبت نہیں اور سمجھوتا زیادہ دیر پا نہیں ہوتا۔ کسی نہ کسی لمحے اس کا احساس ہو ہی جاتا ہے۔ اس لیے رشتا باقی نہیں رہتا محبت دل سے دل کو جوڑتی ہے اور روح کو روح سے جب کوئی آپ کی خیر خواہی چاہے' بنا کسی مطلب اور غرض کے آپ کی خوشی کے لیے کچھ بھی کر گزرے' وہی محبت ہے۔"

"اور کسی کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرے؟" پارسا نے کہا تو وہ چونکا اور پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں پارسا محبت صرف فائدہ پہنچاتی ہے۔ جو چور کھڑکیوں میں آئے اور چور دروازوں کا انتخاب کرے' وہ محبت نہیں' محبت ڈنکے کی چوٹ پر اپنا اقرار کرتی ہے۔ ڈرتی نہیں۔ روٹھنے نہیں دیتی' دور جانے نہیں دیتی۔ ہمیشہ مضبوطی سے ہاتھ تھامے رکھتی ہے۔"

"اور اگر ہاتھ چھڑا کر تنہا چھوڑ دے تو محبت نہیں؟" پارسا چوہدری نے سر اٹھا کر پوچھا۔

عدن بیگ نے اسے خاموشی سے بغور دیکھا پھر سر انکار میں ہلا دیا۔

"محبت ساتھ نہیں چھوڑتی' اس کے لیے کوئی دور جا نکلے یا بہت قریب ہو۔ محبت ختم نہیں ہوتی' بڑھتی جاتی ہے۔ چاہے فاصلے صدیوں سالوں سے زیادہ ہوجائیں۔" عدن بیگ کی نظروں ایک عجیب قسم کی روشنی سے پھوٹ رہی تھی۔ پارسا چوہدری نگاہ چرا گئی اور لمحہ بھر کو پلکیں زور سے بھینچ لی تھیں۔

"محبت خواب نہیں کہ آنکھیں کھولو تو کچھ باقی نہ رہے۔ یا آنکھ کھولو تو فریب لگے' محبت حقیقت کی طرح سانس لیتی ہے۔ تم آنکھیں کھول بھی لوگی تو تمہارے اندر سانس لے گی۔" عدن بیگ مضبوط لہجے میں کہہ رہا تھا۔ پارسا چوہدری نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"ایسے مت بہلاؤ' محبت اتنی بھی اچھی نہیں عدن بیگ!" وہ کہہ کر مڑی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

❖......○......❖

زائرہ ملک نے اسے سامنے کھڑے دیکھا تو حیران رہ گئیں۔

"کیا ہوا؟ تمہیں یہ چوٹ کیسے لگی؟ تم ٹھیک تو ہونا؟" وہ دروازے کے بیچوں بیچ پتھر بنی کھڑی رہی تھی۔

"انائیا! کیا ہوا بچے؟ کوئی ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے؟ معارج کہاں ہے' تم اس کے ساتھ نہیں آئیں۔ وہ ٹھیک تو ہے۔ کہیں اسے بھی چوٹ تو......!"

"نہیں وہ ٹھیک ہے۔" انائیا ملک ساکت لہجے میں بولی۔

"ٹھیک ہے۔" زائرہ ملک حیران ہوئی۔ "پھر تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا۔ اف خدایا کتنا خون رس رہا ہے۔ گہری چوٹ ہے۔ ٹانکے لگیں گے۔ تمہیں وہ اسپتال لے کر کیوں نہیں گیا۔ کتنی بے پروا ہو تم! چلو آؤ' یہاں بیٹھو! میں ڈیٹول سے صاف کردوں۔ ورنہ سیپٹک ہوجائے گا۔" بعد میں اسپتال جا کر ڈاکٹر کو دکھادیں گے اور ٹانکے لگوا لیں گے۔" ممی نے اسے پکڑ کر صوفے پر بٹھا دیا۔ اور ملازم کو آواز دی جو فوراً ہی کے حکم پر فرسٹ ایڈ باکس لے آیا تھا۔

"تم معارج کے بنا کیوں نکلیں؟ چوٹ لگوالی نا! شکر ہے اور کوئی نقصان نہیں ہوا۔ تمہاری جان بچ گئی۔" زائرہ ملک نے اس کے زخم کو ڈیٹول سے صاف کرتے ہوئے کہا۔ "ایکسیڈنٹ کیسے ہوا تھا؟" زائرہ ملک مرہم لگاتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔ وہ اسی طرح پتھر بنی بیٹھی رہی تھی۔ "تم نے فون کر کے اسے بتایا نہیں تھا اس حادثے کے متعلق؟ کتنی بار کہا ہے احتیاط سے ڈرائیو کیا کرو' چوٹ لگوا کر بیٹھ گئیں نا! شکر خدا کا جان بچ گئی۔ میرا تو دیکھ کر ہی دل ہول رہا ہے۔ کتنا خون بہہ گیا۔ حامد جلدی سے دودھ میں ہلدی ملا کر لاؤ۔ دیکھو چھوٹی بی بی کو کس بری طرح چوٹ لگی ہے۔ فیض سے کہو گاڑی نکالے اسپتال جانا ہوگا۔ میں نے زخم تو کور کردیا ہے مگر ٹانکوں کی ضرورت ہے۔" زائرہ ملک نے پٹی باندھتے ہوئے کہا۔

"میں ٹھیک ہوں ممی!" انائیا نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا' جیسے کچھ بھی کرنے سے روک رہی ہو۔ لہجہ سرد تھا پورا وجود یخ ہو رہا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہو...... ہوا کیا ہے؟ کیا بہت بڑا ایکسیڈنٹ تھا۔ چہرہ کیسا ہونق ہو رہا ہے۔ ابھی تک جیسے جان میں جان نہیں' کیسی سرد ہو رہی ہو۔ جیسے کسی بہت بڑے حادثے سے بچ نکلنے کے بعد کوئی ساکت ہوتا ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں ممی!" انائیا سکون سے بولی۔

"ہوا کہاں تھا حادثہ! اور کیسے؟ تم نے مجھے یا اپنے نانا کو بھی فون نہیں کیا؟"

"بس اچانک میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی' حادثے کی نوعیت بڑی یا چھوٹی ہونے سے فرق نہیں پڑتا' دیکھا یہ جاتا ہے کہ نقصان کتنا ہوا۔ وہ پُرسکوت لہجے میں بولیں۔

"شکر خدا کا' تمہاری جان بچ گئی۔ میں آج ہی پانچ بکروں کا صدقہ دوں گی۔ لاؤ فون دو۔ تمہاری ساس سے بات کروں۔" زائرہ بولی۔

"نہیں کیوں فون کرنا ہے آپ کو...... ان کا کوئی قصور نہیں۔" انائیا بولی۔

"ان کا قصور نہیں مگر اس طرح اکیلے تو نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔ تم ڈرائیو نہ کر رہی ہوتیں تو یہ چوٹ تو نہ لگتی۔" زائرہ بولیں۔

زائرہ ماں تھیں۔ دل دہل گیا تھا ان کا...... انہیں اصل صورتِ حال تو معلوم ہی نہیں تھی۔

"کتنا درد ہوا ہوگا نا تمہیں! کتنا گہرا زخم ہے۔" وہ بولیں۔

"بھر جائے گا ممی! زخم بھرنے کے لیے ہی ہوتے ہیں وہ پُرسکون لہجے میں بولی۔

"کیسے سرد لہجے میں بات کر رہی ہو تم لو یہ دودھ پیو!" حامد کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس لے کر اسے تھمایا تھا اور

زبردستی پلانے لگی تھیں۔

"یہ دودھ ختم کرو پھر اسپتال چلتے ہیں۔"

"آپ پاپا کو دیکھنے گئی تھیں؟" اس کے اچانک پوچھنے پر زائرہ اسے چونک کر دیکھنے لگی تھیں پھر آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"وہ بولتے نہیں' بات نہیں کرتے۔ خدا جانے کیوں یہ موڑ آیا زندگی میں؟ وہ لوٹے بھی تو کس حالت میں!"

"پاپا کو کوئی صدمہ تھا یا احساس جرم! وہ کیوں ساری زندگی بھاگتے رہے؟ انائیا نے اس ادھوری سچائی کو جاننے کے بعد قیاس کیا تھا۔ کیا اس سے آگے کی کہانی زائرہ ملک بھی جانتی تھی۔ انائیا ملک نے اس ماضی کے اثر کو زائرہ ملک کے چہرے میں ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر وہ جیسے واقعی کچھ نہیں جانتی تھیں۔

"ہم میں سب کچھ بہت اچھا تھا۔ کبھی اندازہ بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک صبح سو کر اٹھوں گی تو یہ خواب ٹوٹ جائے گا۔ بس ایک نوٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھا دکھائی دیا تھا۔ مجھے لگا تھا معمول کی بات ہے مگر اس شام کے بعد وہ گھر نہیں لوٹے تھے۔"

"ممی! کچھ تو ہوا ہوگا' آپ سے کوئی خفگی' ناراضگی' کوئی شکوہ شکایت؟ یا پھر کسی اور سے......؟" انائیا نے جاننے کی کوشش کی تھی۔

"کسی اور سے اور کون؟ ہماری زندگی میں کوئی تیسرا نہیں تھا۔ ہم اپنی زندگی میں بہت خوش تھے انائیا! تم میں اور جہانگیر تھے اور کسی شے کی ضرورت تھی نا خواہش! اتنی محبت تھی کہ شک کی گنجائش ہی نہیں نکل سکی' ان پر شک کرنا عجیب لگتا تھا۔ جہانگیر نے مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا' کسی معمولی بات کے لیے بھی نہیں' تو پھر شک کس طرح کرتی؟ وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی مجھ سے شیئر کرتے تھے۔" زائرہ ملک بولیں۔

"پھر ایسا کیا تھا جو انہوں نے آپ سے شیئر نہیں کیا؟" انائیا نے پوچھا تو۔ زائرہ ملک چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھیں۔

"تم اس طرح کیوں کر رہی ہو؟ تمہیں خود چوٹ لگی ہے اور فضول کے قصے لے کر بیٹھ گئیں چلو اسپتال چلتے ہیں کہیں زخم کھلا رہ گیا تو اچھا نہیں ہوگا۔" ممی نے اسے زبردستی اٹھایا تو وہ ان سے کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔

معارج کے ساتھ اس کے رشتے کی کڑی اگرچہ ختم ہوگئی تھی مگر اس کا سلسلہ اس کے خاندان سے ملتا تھا۔ وہ جاننا چاہتی تھی ایسا کیا ہوا ہوگا کہ معارج انتہائی اقدام اٹھانے پر مائل ہوا۔ معارج فیملی کا کتنا بڑا نقصان کر کے اس سے بدلا لینے پر مجبور ہوگیا؟ تانیہ تغلق نے کیا جھیلا ہوگا۔ صرف محبت میں ناکامی یا اس ناکامی کے پیچھے بھی کوئی کہانی تھی؟ اور جہانگیر ملک جو بستر مرگ پر تھا اور ساری زندگی بھاگتا رہا تھا تو ایسی کیا وجہ رہی ہوگی......؟ وہ اس انتشار کے اسباب جاننا چاہتی تھی۔

تغلق محل سے نکلتے ہوئے اس نے صرف اپنا بیگ لیا تھا اور اس بیگ میں وہ ڈائری تھی اور کوئی بھی شے اس نے نہیں لی تھی۔ معارج تغلق کے انتہائی جنونی ہونے کے اسباب اس ڈائری میں قید تھے اور شاید جہانگیر ملک کے اس طرح نگری نگری بھٹکنے کی کہانی بھی اس میں پوشیدہ تھی۔

اسے وہ ڈائری پڑھنا تھی اس لیے نہیں کہ وہ متجسس تھی بلکہ ایک ختم ہو جانے والے رشتے کے لیے وہ اس ڈائری کو جہانگیر ملک اور اپنی ماں کے رشتے کے لیے پڑھنا چاہتی تھی۔

❖......○......❖

کبھی کبھی مرضی پر چلنا اتنا ٹھیک نہیں ہوتا۔

دل سے اجازت نہ لی جائے' دماغ کی مرضی معلوم نہ کی جائے تو اس میں کچھ اتنا عجیب بھی نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی چپ چاپ خود کو وقت کے دھارے پر چھوڑ دینا ہی سب سے بڑا حل محسوس ہوتا ہے۔ انابیتا بیگ نے خود کو وقت کے اس دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ جہاں اس کی کوئی مرضی تھی نا منشا!۔

"تمہیں حیدر مرتضیٰ کیسا لگا؟" ممی نے اس کی رائے جاننا چاہی تھی۔ اس نے بنا ایک لمحے کو بھی سوچے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"کیا!" ممی نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہے' یعنی اچھا ہے۔ آپ بات آگے بڑھا دیں' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" انابیتا بیگ نے عجلت میں کہا تھا جیسے لمحہ بھر کو بھی اپنی رائے نہ دی تو کہیں کچھ اور نہ ہو جائے۔ ممی نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

"تم اس طرح کیسے؟ آئی مین اتنی جلدی؟ صرف ایک ہی ملاقات میں تم کسی کو کیسے جان سکتی ہو۔ جب کہ تم نے اس کے ساتھ پوری زندگی گزارنی ہے۔!" مسز بیگ حیرت سے بولی۔

"ممی' شادیاں ایسی بھی تو ہوتی ہیں نا! جن میں لڑکی سے اس کی مرضی معلوم بھی نہیں کی جاتی' مجھے تو پھر بھی حق حاصل رہا کہ میں اس لڑکے سے ایک بار مل سکی۔ اسے لمحہ بھر کو ہی جان سکی' کافی ہے۔ یہ......اور کیا......!"

"انا! تم اتنی بچکانہ باتیں کیسے کر سکتی ہو......! وہ بھی اپنی زندگی کے بارے میں؟ ٹھیک ہے حیدر مرتضیٰ اچھا لڑکا ہے۔ مان لیا! مگر وہ ایک دور دیس سے آیا ہے۔ اس کی زندگی وہاں کیسی رہی ہوگی؟ اس کا ماضی اس کی سابقہ زندگی اس کی چھان بین ہونا ضروری ہے وہ اپنے بارے میں کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔ خود کو اچھا ثابت کر سکتا ہے۔ اچھا تصور بحال کرنے کو میٹھی میٹھی باتیں بھی کر سکتا ہے مگر اس کا اصل ایک لمحے میں تو نہیں کھلے گا نا۔ ہم کیسے ایک لمحے میں رشتے کو قبول کر کے بات آگے بڑھا دیں۔ کل کو کچھ برا ہوگیا تو بھگتنا تو تمہیں پڑے گا نا! اس بات کا کوئی احساس بھی ہے؟ بچوں جیسی باتیں کرتی ہو' کچھ تو عقل سے کام لو۔" مسز بیگ نے اسے ڈانٹا۔ تو وہ ماں کی طرف دیکھنے لگی۔

"ممی یہ سارے تو قیاس ہیں نا! اور یوں بھی شادی تو ایسے بھی ایک رسک ہی ہوتی ہے۔ کون جانے کل کیا ہو' جہاں بہت چھان بین کر کے رشتے کیے جاتے ہیں وہاں بھی تو دھوکے ہو ہی جاتے ہیں نا!"

"انا! کیسی باتیں کر رہی ہو تم' ابھی رشتا جڑا نہیں اور......! خدا نہ کرے جو ایسا کچھ تمہارے ساتھ ہو۔" ممی نے فوراً کہا۔

"ہونے کو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے نا ممی! پھر ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔" انابیتا بیگ نے کہا۔

"ایسی باتیں نہیں کرتے انا! خدا نہ کرے' جو تمہارے ساتھ کچھ غلط ہو۔ تم کو خود سے دور پرائے دیس میں بھیجنے سے بھی دل ڈر رہا ہے۔ ہم تو جان ہی نہیں پائیں گے تم کیسی ہو۔" مسز بیگ نے کہا۔

"اوہو ممی اب فون ہے انٹرنیٹ ہے اس میں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم بات کیا کریں گے نا!" انابیتا نے کہا۔

"بات تو تب کریں گے جب بات آگے بڑھے گی۔ فی الحال مجھے تسلی کر لینے دو۔ تم مجھے ان لوگوں کو کچھ پرکھنے دو' ملنے جلنے سے پتا چلتا ہے۔ کچھ نہ کچھ تو کھل ہی جاتا ہے۔" مسز بیگ نے کہا۔

"ممی آپ کا دل نہیں ہے نا اس رشتے کی طرف۔" اس نے پوچھا۔ مسز بیگ نے لمحہ بھر کو اسے دیکھا پھر برا سا منہ بنا کر سر انکار میں ہلا دیا۔ انابیتا بیگ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

❖......○......❖

"معارج یہ کیا سن رہی ہوں میں! تم نے انائیا کو گھر سے نکال دیا؟ یہ کیا حماقت ہے۔ رشتے ایسے بنتے ہیں۔" سدرہ تغلق نے بیٹے کو ڈانٹا۔

"رشتے ایسے نہیں بنتے ممی! سچ ہے مجھ سے کچھ غلطی ہوگئی تھی مگر ضروری نہیں میں ایک غلطی کو نباہتا رہوں اور کسی کو بھی اس میں بندھے رہنے پر مجبور کروں۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ مجھے لگا اس رشتے کو ختم ہوجانا چاہیے۔ اس لیے اسے کہہ دیا۔" وہ بہت سرسری انداز میں بولا۔

"معارج! یہ کوئی طریقہ نہیں مجھے اور تمہارے ڈیڈی کو سمجھ لینا چاہیے تھا کہ اس شادی کا انجام تم کیا کرنے والے ہو۔ ہم کس طرح ہاتھ جوڑ کر لائے تھے اسے گھر' اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ اسے کوئی تکلیف اب مزید نہیں ہوگی۔ یہ کون سا طریقہ ہے تمہیں یہ تربیت دی ہے ہم نے؟ ایک لڑکی کو بندوق کے زور پر پہلے بیاہا پھر گھر لائے' رسمیں رچائیں اور پھر سب ختم......! کہاں گئیں ہماری خاندانی اقدار اور نام و مرتبہ؟ ہمارے خاندان کا بیٹا اس طرح فیصلے لے رہا ہے۔ اتنے غیر ذمے دارانہ طریقے سے۔ تم نے تو ہمیں شرمندہ کردیا۔ میڈیا کو خبر ہوگئی تو ساری بنی بنائی عزت مٹی میں رل جائے گی۔" سدرہ تغلق نے اسے لتاڑا۔

"ممی! میرا دم گھٹنے لگا تھا۔ میں جانتا ہوں میں نے اپنی مرضی سے اس کا انتخاب کیا اور شادی کی مگر ہم ایک چھت کے نیچے نہیں رہ سکتے۔ میں کوشش کرکے سمجھوتے نہیں کرسکتا۔ شادی میرا خاندانی نہیں' ذاتی معاملہ ہے۔ اس میں میڈیا کو کیا لینا دینا؟ مجھے پروا نہیں وہ کیا چھاپتے ہیں۔ یا کیا نیوز بنا کر اچھالتے ہیں۔ میں بچہ نہیں ہوں۔ سمجھتا ہوں کہ ان معاملات سے کیسے نمٹتے ہیں۔" وہ بہت پرسکون انداز میں شانے اچکاتا ہوا کہہ رہا تھا۔ سدرہ تغلق اسے دیکھتی رہ گئی۔

"بیٹھو ادھر میرے پاس...... تیمور ملک سے باہر ہیں۔ انہیں واپس آلینے دو میں نہیں چاہتی اس وقت کوئی بھی ایشو بنے جب وہ ایک سرکاری دورے پر ہیں۔ تم نہیں سمجھ سکتے ان پیچیدگیوں کو تم سیاست کا حصہ نہیں ہو' تیمور بہت اچھے طریقے سے ان سب معاملات کو سنبھال سکتے ہیں۔ تمہیں لگتا بھی ہے کہ رشتا نہیں نبھ سکتا تو کچھ دیر رک کر دیکھ لو' بہت سے معاملات میں جہاں ایک چھت کے نیچے رہ کر تعلقات نہیں جڑ پاتے وہ دور رہ کر مضبوط بن جاتے ہیں۔" سدرہ تغلق نے اسے بچوں کی طرح سمجھانا چاہا تھا۔

"اوہو ممی ایسا کچھ ہونے والا نہیں ہے۔ مجھے اس سے کوئی محبت وحبت نہیں ہے۔" معارج تغلق بولا۔ سدرہ تغلق نے اسے حیرت سے دیکھا۔ پھر بولی۔

"اگر محبت نہیں تھی تو وہ جنون کہاں سے آیا؟ تم اتنے پاگل کیسے ہوگئے کہ بندوقیں لے کر اس کی منگنی کی تقریب میں جا پہنچے اور اس کی ہوتی ہوئی منگنی کو روک کر اپنا نکاح کرلیا' یہ پاگل پن کیسے آیا تم میں؟"

"میری غلطی تھی ممی! مان لیا نا! پھر اور کیا......؟" معارج تغلق نا ماننے والے انداز میں بولا۔

"یہ تم ہو معارج تغلق! جس بیٹے پر مجھے فخر تھا۔ میں نے تمہیں ایسا تو نہیں سکھایا تھا۔ پھر ایسے کیسے بن گئے تم؟ ایک لڑکی کی عزت' اس کی زندگی سے کیوں کھیلے' اگر گھر بسانا ہی نہیں تھا تو پھر وہ ڈرامے بازی بھی کیوں کی؟" سدرہ تغلق نے ڈپٹا۔

"میرا قصور تھا' سو سزا بھگت لی آپ کو مجھ پر اب بھی فخر ہونا چاہیے ممی! میں کسی کی زندگی مزید خراب نہیں کررہا۔ میں سمجھوتوں پر یقین نہیں رکھتا اور اسے اپنے ساتھ باندھ کر مزید سزا میں بھی نہیں دے سکتا۔" وہ مدھم لہجے میں بولا۔

"اس شادی کا مقصد کیا تھا معارج! کیا بات پیچھے تھی اس کے......؟"

"کیا مطلب ممی!" وہ چونکا تھا شاید وہ حیران تھا کہ ممی کو اس کی خبر کیسے ہوگئی۔

"میں پوچھ رہی ہوں تم نے یہ سب کیوں کیا؟ انائیا سے کوئی بدلہ لینا چاہتے تھے؟ جتنی انتہا پسندی تم دکھا رہے ہو۔ اس سے تو یہی پتا چلتا ہے کہ تمہیں صرف دشمنی نباہنا مقصود تھی۔ ایسے تو کوئی اپنے دشمن سے بھی نہیں کرتا' کتنی تکلیف ہوئی ہوگی اس لڑکی کو۔ تمہیں میں نے کیا سمجھایا تھا۔ اسے پیار دو' محبت دو' مگر تم نے اسے گھر سے باہر نکال دیا؟ رستم سے پتا چلا تم نے اسے چوٹ بھی پہنچائی تھی' خون بہہ رہا تھا۔ اس کی پیشانی سے۔ کیا انسانیت سوز سلوک کیا تم نے اس کے ساتھ......؟ ایسا سکھایا گیا تھا تمہیں بیوی نہیں انسان تو سمجھو' ایک انسان پر دوسرے انسان کی عزت کرنا واجب نہیں؟"

"اسے وہ چوٹ میری وجہ سے نہیں اپنی غلطی سے لگی تھی۔ میں نے رستم سے کہا تھا اسے بینڈیج کروا دے مگر شاید وہ بہت جلدی میں تھی سو چلی گئی۔" وہ سر جھکا کر بولا پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے ایک ضروری میٹنگ کے لیے جانا ہے آپ سے پھر بات کروں گا ممی! مجھے دیر ہورہی ہے۔" وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

سدرہ تغلق بیٹے کو بغور دیکھتی رہ گئی۔

❖......○......❖

انا ہیا بیگ اپنے کمرے سے ٹینس کورٹ جانے کے لیے نکلی تھی۔ جب وہ ممی کے ساتھ کھڑا دکھائی دیا تو وہ یکدم رک گئی۔ وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اس وقت اور کوئی راستا نہیں تھا۔ دامیان سوری اسے دیکھ چکا تھا۔ نا وہ واپس کمرے میں جاسکتی تھی۔ نا ہی یہ مناسب لگا اسے۔ نگاہ لمحہ بھر کو ملی۔ وہ خود کو اتنا کمزور ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی۔ تبھی اس کے سامنے آن رکی تھی۔ دامیان سوری اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

کیا ممی اسے حیدر مرتضٰی کے بارے میں بتا چکی تھیں؟ وہ ان کا چہرہ اس لمحے پڑھنے سے قاصر تھی۔ کیونکہ وہ رخ موڑے شاید کسی سے فون پر بات کررہی تھیں۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" اس نے کسی قدر روکھے لہجے میں پوچھا۔

"کیا میں یہاں نہیں آسکتا؟" دامیان سوری نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"تم سے ملنے آیا ہوں۔" وہ بہت مضبوط لہجے میں بولا۔ وہ لاجواب ہوگئی تھی۔ اسے نہیں لگا تھا وہ اتنے دھڑلے سے اسی کا نام لے دے گا۔ اسے لگا وہ کہے گا میں ممی سے ملنے آیا تھا۔ یہاں سے گزر رہا تھا وغیرہ۔

"تم کیا سمجھتی ہو' ہمت نہیں ہے مجھ میں؟" دامیان سوری بولا۔

"تمہیں فضول بات کرنے میں بہت لطف ملتا ہے؟" اس نے بھی کمزور نہ پڑنے کی ٹھان لی تھی۔ دامیان جانے کیوں مسکرا دیا۔

"مجھے تم سے یا تمہاری باتوں سے کوئی مطلب نہیں ہے دامیان سوری! ہوا میں محل بنانا ترک کردو' مجھے تم یا تمہاری ہمتوں سے کچھ لینا دینا نہیں۔" وہ پُراعتماد انداز سے بولی۔

"اور اگر کوئی ناتا جڑ گیا تو......؟" وہ جیسے اسے ستا رہا تھا۔

"دامیان! تم ممی سے ملنے آئے ہو بیٹھ کر بات کرو۔ مجھے پہلے ہی دیر ہورہی ہے۔ مجھے ٹینس کی پریکٹس کے لیے جانا ہے۔"

وہ کہہ کر آگے بڑھنے لگی تھی جب دامیان سوری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ پلٹ کر دیکھنے لگی' جیسے اسے نظروں

ہی نظروں میں سرزنش کررہی ہو۔

”انا! تم سے کچھ ضروری بات کرنا ہے' بیٹھ جاؤ۔“ دامیان نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

”میں نے بتایا نا! میں ٹینس کورٹ جارہی ہوں' مجھے دیر ہورہی ہے۔“ وہ روکھے لہجے میں بولی۔ دامیان سوری نے بغور اسے دیکھا۔ پھر اس کا ہاتھ آہستگی سے چھوڑ دیا اور اسی وقت ممی پلٹی تھیں۔

”کیا ہوا تم اس طرح کھڑے کیوں ہو؟ پہلی بار آئے ہو کیا۔ بیٹھو میں کچھ بنا کر لاتی ہوں۔“ ممی نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ انابیتا بیگ ہاتھ چھوٹ جانے کے باوجود جا نہیں سکتی تھی۔ اور اس کی سمت تک رہی تھی۔

”نہیں ممی! اس کی ضرورت نہیں۔“

”تم ابھی تک گئی نہیں انا! تمہیں ٹینس پریکٹس کے لیے نکلنا تھا نا!“ ممی نے اسے کھڑے دیکھ کر کہا۔ وہ خجل سی ہو کر ممی کی طرف دیکھنے لگی اور پھر باہر نکل گئی۔ ممی دامیان شاہ سوری کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔ وہ صوفے پر بیٹھ گیا تھا' انداز بہت تھکا ہوا تھا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے ممی! آپ اسے سمجھاتی کیوں نہیں؟“ دامیان سوری بولا۔

”میں کیسے سمجھاؤں اسے میں نے بات کی تھی اس سے مگر وہ سننے کو تیار نہیں۔ وہ حیدر مرتضیٰ سے ملی ہے اور بات آگے بڑھانے پر زور دے رہی ہے۔ میں جانتی ہوں ہم بڑے ہیں اور ان باتوں کو بچوں سے بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ مگر وہ اس بات کو نہیں سمجھ رہی۔“

”ٹھیک ہے' اگر وہ کنویں میں گرنا چاہتی ہے تو اسے ایک دھکا دے دینے میں کوئی حرج نہیں' اگر اسے خودکشی کا شوق ہے تو......!“ اسے یکدم غصہ آگیا۔

”قصور تمہارا ہے دامیان! تم نے اسے دکھی کیا ہے' لڑکی سب کچھ بھول سکتی ہے مگر اپنی بے عزتی نہیں اور اسے لگتا ہے تم ہر بار اسے بے عزت کرتے ہو اور یہ بات ہر پہلی بار سے زیادہ بری لگتی ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتا اگر تم کوئی رشتا بنانے پر اتنے ہی مائل ہو تو اسے اس طرح تنگ کیوں کر رہے ہو۔ کیا یہ بچپنا نہیں؟ شادی بیاہ کوئی بچوں کا کھیل ہے؟“ مسز بیگ نے اسے ڈپٹا۔

”ممی! کیا وہ سمجھتی نہیں' بچی ہے؟ ہم ایک عرصے تک اچھے دوست رہے ہیں۔ اب کیا ضروری ہے کہ میں اسے ہر بات صاف صاف بتاؤں۔ کیا وہ پانچویں کلاس کی اسٹوڈنٹ ہے کہ اسے ان باتوں کی سمجھ نہیں؟ حد ہوتی ہے کسی چیز کی وہ بچوں کی طرح کیوں بی ہیو کر رہی ہے؟“ دامیان سوری نے سلگ کر کہا۔

”مجھے تم دونوں کی سمجھ نہیں آتی دامیان! تم نے جس دن اپنے گھر سے پروپوزل بھجوایا تھا میں نے تم سے اس روز بھی کہا تھا۔ پہلے سب باتوں کو کلیئر کرو' اسے اعتماد میں لو' اس سے بات کرو' تم دونوں کے درمیان ٹھیک نہیں ہو رہا۔ مجھے نہیں لگتا یہ بات آگے بڑھ سکے گی۔“ ممی نے صاف گوئی سے کہا۔

”میں جانتا ہوں شادی بیاہ بچوں کا کھیل نہیں ہے تبھی تو پروپوزل بھجوایا' اسے سمجھ کیوں نہیں آتی کہ یہ کھیل نہیں۔ پروپوزل بھیجنا معمولی بات ہوتی ہے کیا؟ مذاق بنا کر رکھ دیا ہے' میرے ممی ڈیڈی کیا سوچیں گے۔ کتنی سبکی ہوگی۔“

”یہ بات سبکی سے کہیں زیادہ کی ہے' اگر تمہیں اس سے کوئی لگاؤ ہے اور رشتا طے نہیں پاتا تو بات صرف سبکی کی نہیں ہے۔ یہ نقصان اس سے زیادہ کا ہوگا۔“ ممی نے اسے سمجھایا۔

”جانتا ہوں ممی! مگر یہ بات انابیتا بیگ نہیں جانتی۔“

”تم اس کی بات مت کرو' تم نے بھی بہت بچپنا دکھایا ہے۔“

”ممی! آپ جانتی ہیں ساری بات آپ کی سمجھ میں بنا کہے آتی ہے۔ پھر اس کی سمجھ کو کیا ہو گیا ہے۔ اگر مجھے للّی میک سے کوئی رشتا بنانا ہوتا تو میں انابیتا کے لیے پروپوزل کیوں بھجواتا؟“ وہ بے بسی سے بولا۔ ممی نے اسے دیکھا پھر اس کے شانے کو تھپتھپایا۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا تم پریشان نہ ہو۔“ ممی نے کہا تو وہ ان کو دیکھتا رہ گیا۔

❖......○......❖

ممی اسے بینڈیج کروا کر لائی تھیں' وہ وہیں صوفے پر لیٹ گئی تھی۔ ممی اس کے لیے سوپ بنانے چلی گئی تھیں جب حامد نے آکر اطلاع دی تھی کہ معارج تغلق آیا ہے۔ وہ حیران ہوئی۔ جس طرح اس نے اسے آج گھر سے نکالا تھا' اس کے بعد یہاں آنے کی کیا تک بنتی تھی؟ حامد بتا کر پلٹا ہی تھا تو اس کی نظر حامد کے پیچھے کھڑے معارج تغلق پر گئی۔

کیا وہ پشیمان تھا؟ انائیا ملک کچھ زیادہ سوچ نہیں پائی تھی۔ وہ آگے بڑھ آیا تھا۔ انائیا ملک اسے سر اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔ اب کیا چاہتا تھا اس سے؟ اب کیا باقی بچا تھا؟

”تمہاری پیشانی کی چوٹ اب کیسی ہے؟“ اس نے مدھم لہجے میں پوچھا وہ حیران ہوئی۔ تو کیا وہ ایک پچھتاوے کے ساتھ اس کے پاس آیا تھا؟ وہ کچھ نہیں بولی۔ تبھی ممی کچن سے سوپ لے کر اندر داخل ہوئی تھیں۔

”تم کب آئے بیٹا! کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھو نا تمہیں انائیا کے ایکسیڈنٹ کی خبر ہو گئی تھی؟ شکر خدا کا۔ زیادہ چوٹ نہیں لگی۔ کبھی کبھی یہ بہت بے احتیاط انداز میں گاڑی ڈرائیو کرتی ہے۔ تبھی میں ہمیشہ اس کے لیے پریشان رہتی ہوں۔ میں حیران ہو رہی تھی تم نے اپنی سسرال فون کر کے کیوں نہیں بتایا۔ مگر یہ شاید کسی کو وہاں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔“ زائرہ ملک نے سوپ کا پیالا انائیا کو دیا۔

”رکھیں ممی! لیتی ہوں۔ ابھی اٹھنے کا موڈ نہیں۔ میرا سر بہت دکھ رہا ہے۔“ وہ معارج تغلق کی طرف دیکھے بنا بولی۔

”تم لیٹی رہو' میں پلا دیتی ہوں۔“ ممی نے کہا۔

”تم ابھی تک کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھو نا! فکرمند مت ہو۔ اتنی بڑی چوٹ نہیں ہے۔“ خدا نے حفاظت میں رکھا ہے۔ تین ٹانکے آئے ہیں۔ مگر خون بہت بہہ گیا تھا اس لیے کمزوری محسوس ہو رہی ہوگی۔ معارج تغلق خاموشی سے کھڑا دیکھتا رہا۔

”میں تمہارے لیے سوپ لے کر آتی ہوں۔ تم بیٹھو۔“ ممی نے کہا تھا اور وہ بیٹھ گیا۔

”میں تمہیں لینے آیا ہوں ممی نے کہا ہے۔“ معارج تغلق نے مدعا بیان کیا۔ وہ چونکی نہیں تھی' وہ اس کے مزاج سے واقف تھی۔ وہ پل میں رنگ بدلنے کی خاصیت رکھتا تھا۔

”میں بیٹھا ہوں' تم سوپ پی لو۔ پھر ملتے ہیں۔“ حکم صادر کیا۔

”میں کہیں نہیں جارہی۔ میں کوئی کٹھ پتلی نہیں ہوں۔ جس طرح مجھے اس گھر سے نکالا گیا ہے وہ بات ابھی میں نے ممی کو نہیں بتائی۔“ انائیا ملک نے کہا۔

”اچھا کیا اگر تم نے نہیں بتایا' تم سمجھ دار ہو' مجھے اس کا اندازہ تھا۔“ معارج تغلق بولا۔

”میں نے کہا میں نہیں جارہی۔“ وہ اس کی سمت دیکھے بنا بولی شاید وہ اس کی سمت دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

”یہ ممی کی خواہش ہے جو تمہیں بیٹی مانتی ہیں۔“ وہ اپنی غلطی ماننے یا معذرت کرنے پر مائل دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

”میں نے زندگی ممی کے ساتھ نہیں گزارنی۔ کھیل ختم ہو چکا ہے۔ آپ نے کہا تھا۔ ہم بچے نہیں رہے پھر اسے اب جاری رکھنے کی ضرورت کیوں آن پڑی؟ شاید تغلق خاندان کوئی اس طرح کا اسکینڈل افورڈ نہیں کرسکتا اور یہ ساری تگ و دو اپنی سیاسی اور سماجی عزت بچانے کے لیے ہے؟“ وہ رسانیت سے بولی۔

”جو بھی سمجھو مگر تمہیں گھر واپس تو چلنا ہی ہوگا۔“

”زندگی کھیل نہیں ہے۔ معارج تغلق! تم نے رشتوں کو کھیل بنا ڈالا؟ تم اپنی زندگی سے بھی کھیلے اور میری زندگی سے بھی! تم جیسا انسان میں نے زندگی میں نہیں دیکھا تم انتہائی بے حس انسان ہو جو نا دل رکھتا ہے نا جذبات نا احساسات پہلے تم اپنے دماغ کی چابی سے چل رہے تھے اور اب کسی اور کے کہنے پر‘ جس انسان کی اپنی کوئی مرضی نہیں۔ میں اپنی زندگی اس کے حوالے کیسے کرسکتی ہوں تاکہ وہ مزید کھیلے اور برباد کرے؟ میں تمہارے لیے اتنی ارزاں ہوں؟“ وہ روانی سے بولی۔

معارج تغلق اس کی سمت خاموشی سے بے تاثر چہرے کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ تبھی ممی کمرے میں سوپ کے برتن لے کر آئی تھیں۔ وہ دونوں چپ تھے۔

”آپ نے خواہ مخواہ تکلف کیا ممی! میرا سوپ پینے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔“ وہ زائرہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”میں دراصل انائیا کو لینے آیا تھا۔“

”ممی! میں جانا نہیں چاہتی۔“ وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ ممی نے سوپ نکال کر معارج کے سامنے رکھا۔ تبھی زائرہ ملک بولی تھیں۔

”انائیا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اسے کچھ دن کے لیے یہیں رہنے دو۔ میں فون کردوں گی پھر آ کر لے جانا۔ جب یہ بیمار پڑتی ہے تو بالکل بچوں جیسی ہو جاتی ہے۔ میں جانتی ہوں وہاں سدرہ اور تم سب اس کی بہت زیادہ کیئر کرو گے۔ مگر میں کچھ دنوں تک اسے یہیں رکھنا چاہتی ہوں۔“ زائرہ ملک سہولت سے بولی تھیں۔ انائیا نے چونک کر دیکھا تھا کیا وہ معارج تغلق کے ساتھ اس کی ہونے والی گفتگو سن چکی تھیں۔ معارج تغلق شاید ممی سے اختلاف نہیں کرنا چاہتا تھا تبھی سر ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

”ٹھیک ہے پھر میں چلتا ہوں۔“ انداز اور لب و لہجہ عجیب سرد سا تھا۔

”اس طرح کیسے...... کھانے کا وقت ہو رہا ہے اور تم کچھ کھائے بنا واپس جا رہے ہو؟ میں انائیا کو اسپتال لے گئی تھی۔ سو کچھ زیادہ بنا نہیں سکی مگر......!“ زائرہ ملک وضاحت دیتی ہوئی بولی۔

”کوئی بات نہیں ممی! پھر کبھی سہی‘ آپ انائیا کا خیال رکھیے۔“ کہنے کے ساتھ ہی وہ انائیا کی سمت دیکھے بنا باہر نکل گیا تھا۔ انائیا نے اس کی پشت کو دیکھا تھا۔ کتنا عجیب تھا وہ شخص صرف اپنی مرضی لاگو رکھنا چاہتا تھا۔ کتنا خود غرض تھا۔ جیسے اسے کسی اور کی مرضی سے کچھ لینا دینا نہیں۔

”کیا ہوا‘ تم کیا سوچ رہی ہو‘ چہرہ اتنا اترا ہوا کیوں لگ رہا ہے۔؟“ ممی نے اسے سوپ پلاتے ہوئے پوچھا۔ انائیا نے سر انکار میں ہلا دیا۔ ”کوئی بات ہے؟“ ممی اس کے چہرے سے اس کے اندر کا حال جیسے جاننا چاہ رہی تھیں‘ وہ کچھ نہیں بولی۔

”معارج سے کوئی جھگڑا ہوا ہے؟“

”ممی مجھے میرے کمرے تک جانے میں کچھ مدد دیں‘ میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔“ اس نے مزید سوپ سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

ممی کو لگا تھا وہ فی الحال اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی سو وہ مزید کچھ جاننے یا پوچھنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اسے سہارا دے کر کمرے میں لے جانے لگی تھیں۔

❖.......○.......❖

”پارسا!“ وہ گاڑی رکنے پر آنکھیں کھول کر اسے اجنبی نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔ عدن بیگ نے اسے بغور دیکھا۔

”کیا ہوا! تم ٹھیک ہو؟“ وہ خاموشی سے تکتی رہی تھی۔ پھر سر انکار میں ہلا دیا تھا اور چہرہ پھیرتے ہوئے بولی۔

”عدن! میرے اندر اس گھر کی دہلیز پاٹنے کی ہمت نہیں ہے۔ میں اس گھر کے اندر جانے کی اجازت خود کو نہیں دے سکتی۔“ اس کا لہجہ دھیما اور آواز مدھم تھی جو اس کے اندر کی کیفیت کی بھرپور غماز تھی۔ وہ الجھی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

”پارسا! ہم یہاں اسی مقصد سے آئے تھے۔ تم بھول گئیں اور بات تمہارے خود کو اجازت دینے کی نہیں ہے۔ بات یہ طے پائی تھی کہ تم اندر چلو گی اور سب سے ملو گی۔ تمہارا یہ سب کرنا بہت ضروری ہے پارسا چوہدری!“ عدن بیگ بولا اور وہ سر انکار میں ہلانے لگی تھی۔ عدن اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترا اور اس کی طرف آیا۔ دروازہ کھولا اور اس کا ہاتھ تھام کر باہر نکلنے میں مدد دینے لگا۔ مگر وہ بہت بے جان سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا وجود کانپ رہا تھا اور ہاتھ سرد تھا۔ وہ گاڑی سے اتر آئی مگر بہت الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

”پارسا! تمہارے اندر کے سارے ڈر ختم ہونا بہت ضروری ہے‘ اگر تم پُراعتماد زندگی جینا چاہتی ہو تو خود اپنی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینا سیکھو ورنہ تم خود سے عمر بھر یونہی بھاگتی رہو گی اور انجانے راستوں میں بھٹکتی رہو گی۔“ وہ رک گئی تھی۔

”تم سمجھ نہیں رہے عدن! اس گھر میں کوئی میری راہ نہیں دیکھ رہا‘ تم کچھ نہیں جانتے۔ صرف اندازے لگا رہے ہو۔ بنا پوری بات سنے کہانیاں بنا رہے ہو۔ تمہیں کچھ معلوم نہیں ہے۔“

”میں اس بات کے لیے انتظار نہیں کرسکتا کہ تم کب مجھے پوری بات بتاؤ گی اور ہم کوئی سدباب ڈھونڈ پائیں گے۔ سنو پارسا! زندگی خوف سے بھاگتے رہنے کا نام نہیں ہے‘ خوف سے نمٹنے کا نام بہادری ہے اور زندگی بھی‘ تم خود کیسا محسوس کرتی ہوں میں نہیں جانتا۔ مگر مجھے لگتا ہے تم اپنے ساتھ کوئی پزل کھیلتے رہنا چاہتی ہو اور یہ بات تمہیں عاجز بھی نہیں کرتی۔“ وہ اکتا کر بولا۔ پارسا چوہدری اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

”اگر تم واپس جانا چاہتے ہو تو واپس جاسکتے ہو عدن بیگ! میں اپنی زندگی بنا انگلی پکڑے گزارنا چاہتی ہوں۔“ وہ مدھم لہجے میں بولی۔

”واپس چلا جاؤں تاکہ تم انہی راستوں پر چلتی رہو اور ایک دن تھک کر بے نشان ہو جاؤ؟ میں تمہاری طرح بے حس نہیں ہوں پارسا چوہدری! میرے اندر جو انسان ہے‘ وہ مجھے اجازت نہیں دیتا کہ تمہیں اس طرح اکیلا چھوڑ کر چلا جائے۔ صرف اس لیے کہ تمہیں اس کی باتیں اچھی نہیں لگ رہیں کیونکہ تم اسے سننا اور عمل کرنا نہیں چاہتیں۔“ وہ مضبوط لہجے میں ڈپٹتے ہوئے بولا۔ پارسا چوہدری اسے یک ٹک سی دیکھنے لگی انداز یکسر رعب جماتا ہوا تھا۔

”مجھ پر اعتبار ہے؟“ وہ ایک گہری سانس بھرتا ہوا اس کی سمت دیکھنے لگا۔ ”اگر مجھ پر اعتماد ہے تو یقین رکھو میں تمہیں کچھ ہونے نہیں دوں گا۔ اگر تمہاری جان کو کوئی خطرہ ہوا تو تمہارے سامنے کھڑا ہونے والا میں پہلا آدمی ہوں گا۔ کیا اب بھی تم اعتبار نہیں کرسکتیں؟ اتنی بزدل ہو تم!“ کیا وہ اسے اکسا رہا تھا یا کوئی حربہ تھا یہ؟ پارسا چوہدری نے اس کی سمت دیکھا۔ پھر رخ موڑ کر آگے بڑھنے لگی تھی اور گیٹ کے سامنے رک کر ہاتھ ڈور بیل پر رکھ دیا۔

عدن بیگ نے اس کی سمت دیکھا' وہ مضبوطی سے اپنے قدموں پر کھڑی تھی۔ اس بھرپور اعتماد کے باوجود وہ اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا تبھی اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا۔ دروازہ کھلا' ملازم نے پارسا چوہدری کو دیکھا' چہرے پر خوشی اور حیرت دونوں کے اثرات دکھائی دیئے تھے اور پھر اچانک ہی وہ شاید خبر دینے کو پلٹ کر اندر بھاگ گیا تھا۔ پارسا چوہدری نے وہیں دروازے میں رک کر اس ملازم کے پلٹ آنے کا انتظار نہیں کیا تھا اور قدم اندر رکھ دیا تھا۔ عدن بیگ نے اس کی تقلید کی۔ اس کی تھوڑی ڈانٹ سے اس کا کھویا اعتماد بحال ضرور ہوا تھا' مگر وہ جانتا تھا اس کی اندرونی کیفیت کیا ہوگی۔

عدن نے دیکھا داخلی دروازہ کھول کر اس کی اماں باہر آئی تھیں۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو گلابو! تمہیں پتا ہے نا تمہارے ابا کو دل کا اٹیک ہوا ہے' تم کیوں ان کی دشمن بنی ہو' یہاں آنے کا اب کیا مقصد باقی بچا ہے؟ تم واپس جاؤ۔'' اماں اس روز کی طرح اب بھی اس کے واپس جانے پر زور دے رہی تھیں مگر اب کی بار وہ پیچھے نہیں ہٹی تھی۔

''اماں! میں اس گھر کی بیٹی ہوں' کیا مجھے گھر کی دہلیز میں قدم رکھنے کی بھی اجازت نہیں؟'' پارسا کانپتی آواز میں بولی تھی۔ اس کی آنکھیں پانیوں سے لبالب بھری تھیں۔

''تم سارے حق پہلے ہی کھو چکی ہو پارسا!'' اماں مضبوط لہجے میں بولیں۔

''سترہ سال! صرف سترہ سال کی تھی میں...... آپ کو لگتا ہے' آپ کی پرورش یا تربیت میں کوئی کمی تھی کہ میں کوئی غلط قدم اٹھا پائی؟''

''یہ بحث فضول ہے گلابو! میں تمہیں اندر نہیں آنے دے سکتی' تمہارے ابا کی حالت بگڑ گئی تو......؟''

''تمہارے ابا؟ آپ نے دیکھا آپ اب بھی انہیں ''میرے ابا'' کہہ رہی ہیں یعنی کوئی رشتہ ختم نہیں ہوا...... تو پھر میں کس بات کی سزا بھگت رہی ہوں؟ قصور ہی کیا تھا میرا...... کیا کیا تھا میں نے...... آپ لوگوں نے میرا یقین کیوں نہیں کیا...... مجھے کہنے کیوں نہیں دیا...... میری بات سنے بنا سزا سنا ڈالی...... فیصلہ کر دیا تھا؟'' آنسوؤں کے ساتھ بولی۔

''کون ہے اماں!'' سلو بھائی کی آواز سنائی دی تھی۔ اسے سامنے دیکھا تھا لمحہ بھر کو حیران رہ گئے تھے پھر آگے بڑھے تھے اور اسے خاموشی سے دیکھا تھا پھر گلے لگا لیا۔ ''اماں اسے اندر آنے دیں۔'' ماں سے کہا' پارسا نے سر اٹھا کر بھائی کو دیکھا تھا۔ کیا وہ اسے بھول نہیں پائے تھے...... اس کا چہرہ انہیں اب بھی یاد تھا......

''سلو بھائی!'' وہ آنسوؤں کے درمیان بس اس قدر کہہ سکی تھی۔ اماں نے اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا تھا۔ سلو بھائی نے اسے ایک نظر دیکھا پھر اس کے پیچھے کھڑے عدن بیگ کو دیکھا۔

''تم شادی کر کے آئی ہو چھوٹی؟''

پارسا یکدم چونکی تھی اور پلٹ کر اپنے پیچھے کھڑے عدن بیگ کو دیکھا۔

''آؤ...... اندر آؤ۔'' سلو بھائی سنے بنا یا انتظار کیے بنا کہ وہ کیا وضاحت دیتے ہیں اندر بڑھ گیا تھا۔ وہ عدن کے ساتھ اندر قدم رکھنے لگی تھی۔ یہ وہی گھر تھا جہاں اس نے بچپن گزارا تھا' اپنے سترہ برس گزارے تھے۔ کتنی حماقتیں کی تھیں' شرارتیں کی تھیں اور......!

''اماں! وہ اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہے۔ یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ کوئی ناروا سلوک روا رکھیں۔ بھول جائیں کل کو...... اتنے برس گزر گئے' بچی تھی وہ...... ناسمجھ! اگر میں اس وقت یہاں ہوتا تو کبھی اسے دہلیز بھی پار کرنے نہ دیتا'

آپ نے اور ابا نے غلط اقدام کیا' اسے جلاوطنی کی سزا دے ڈالی۔ خود سے الگ کر کے پھینک دیا۔ وہ دانش مندی کا اقدام نہیں تھا' وہ بچی تھی آپ تو سمجھ دار تھے...... اور اب جب وہ آٹھ سال بعد واپس لوٹی ہے تو اسے اندر بھی داخل نہیں ہونے دے رہیں۔ کیا یہ مناسب ہے؟ اس کا شوہر کیا سوچے گا کہ اس کے میکے میں اس کی کوئی قدر یا حیثیت نہیں؟''

سلمان بھائی اماں سے بات کر رہے تھے جب اس نے اندر قدم رکھا تھا۔ عدن بیگ سلمان بھائی کی ساری وضاحتیں سن چکا تھا۔ وہ اگرچہ بتا چکا تھا کہ وہ اس کا پاس ہے' مگر ایک لمحے کو دونوں کی نظریں چار ہوئی تھیں تو پارسا کو کسی قدر شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔ عدن کو بھی پارسا خجل لگی تھی مگر اس نے اسے نظروں ہی نظروں میں کچھ کہنے سے روکا تھا۔

❖......○......❖

''آپ کو زندگی میں کبھی محبت ہوئی؟ کوئی کرش یا پھر......؟'' حیدر مرتضٰی نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے سوال کیا تھا۔ اناہیتا بیگ نے اسے چونک کر دیکھا تھا۔ ''اناہیتا! میں باہر ضرور رہا ہوں مگر میں کچھ قدامت پرست سا بندہ ہوں۔ مجھے کچھ عجیب سے لگے گا اگر میری بیوی کا کوئی ماضی ہوگا۔ ٹھیک ہے' ہوتا ہے' کبھی کوئی اچھا لگ جاتا ہے۔ مگر......! میں کسی ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا جو اپنی روایتوں اور تہذیب کے ساتھ مکمل ہو۔ وہ لڑکی جو صرف مجھے چاہے اور کسی اور پرائے آدمی کے بارے میں اس نے کبھی سوچا بھی نہ ہو۔ آپ سمجھ رہی ہیں نا میری بات!'' اناہیتا چلتے چلتے رک گئی تھی اور اسے بغور دیکھا۔ وہ سمجھ گیا تھا اس کی بات اناہیتا بیگ کو بری لگی ہے تبھی مسکرا دیا۔

''میرا مطلب وہ نہیں تھا' میں اتنا دقیانوسی نہیں ہوں مگر کچھ روایت پسند ہوں۔ آپ جانتی ہیں چھوٹی چھوٹی باتیں زندگی کا سکون بگاڑ سکتی ہیں۔''

''آپ کچھ انتہا پسند واقع ہوئے ہیں؟'' وہ اندازہ کرتی ہوئی بولی۔

''نہیں' میں انتہا پسند نہیں ہوں' آپ غلط سمجھی ہیں۔'' وہ مسکرایا۔ ''دراصل میں چاہ رہا تھا' اپنے بارے میں آپ کو معمولی سے معمولی بات بھی بتا دوں اور ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سے جان لیں۔ میرے پاس وقت کم ہے' میں کچھ دنوں کے لیے آیا ہوں اور کوئی حتمی فیصلہ کر کے واپس جانا چاہتا ہوں' پھر چاہے وہ انگیجمنٹ ہو یا شادی' کسی بھی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے میں آپ کو جاننا ضروری خیال کرتا ہوں۔'' وہ اپنے دقیانوس سمجھے جانے پر مسکرا کر بولا تھا۔ اناہیتا نے اعتماد سے اسے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

''اور اگر مجھے کبھی محبت ہوئی ہو تو!'' وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''آپ ایک پُراعتماد اور ذہین لڑکی ہیں اناہیتا بیگ!'' آپ کی خصوصیات بے شمار ہیں مگر کیا' ہمیں ایک دوسرے کو جاننے کا حق نہیں؟'' وہ کھسیانا سا ہو کر بولا۔

''آپ کو ہوئی کسی سے محبت......؟ کیا مجھے یہ جاننے کا حق نہیں کہ جو انسان میری زندگی میں آ رہا ہے وہ کتنی آزادی کی زندگی جی چکا ہے اور کتنی گرل فرینڈز رکھ چکا ہے؟ ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کی حد بندیاں گنوائی جاتی ہیں مگر مرد اپنی حد بندیاں کیوں شمار نہیں کرتا؟ ایک نفسیاتی نکتہ نظر ہے۔ ہمیں وہی پتا چلتا ہے جو ہمیں کوئی بتاتا ہے۔ جب ہم کسی سے ملتے ہیں تو گن گن کر صرف اچھی باتوں کو سامنے رکھتے ہیں تاکہ تصور اچھا واضح ہو سکے مگر ضروری نہیں کہ ان باتوں سے واضح ہونے والا تصور اصلی بھی ہو۔ ایک عمر آپ نے وہاں گزاری تو پھر شادی یہاں کی لڑکی سے کیوں؟''

''ہے...... ریلیکس......!'' وہ مسکرایا۔ ''آپ تو برا مان گئیں۔ میرا ارادہ ایسا نہیں تھا۔''

''آپ کا ارادہ کچھ بھی رہا ہو حیدر مرتضٰی! مگر انداز ناقابل قبول تھا۔ میں واپس جانا چاہوں گی۔'' وہ واپسی کے لیے

چلنے لگی۔

”سنیں انابیتا!“ وہ وہیں کھڑا اسے پکارتا رہ گیا تھا۔

❖......O......❖

”محبت جب ہوتی ہے تو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ خبر تب ہوتی ہے جب وہ ساتھ نہیں رہتی‘ تمہیں بے چینی سے یہاں سے وہاں ٹہلتے دیکھ کر مجھے اندازہ ہورہا ہے کہ تم کیسا محسوس کررہے ہوگے۔“ ایکسل نے سموسہ کھاتے ہوئے اسے دیکھا۔

”ایکسل! تم چپ چاپ کھاتے رہو‘ تمہیں سوچنے کے لیے اپنے دماغ کو مجبور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ دامیان سوری نے اسے دیکھتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا اور گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس کے پاس آن بیٹھا۔ ایکسل نے پانی کی بوتل اس کی سمت بڑھائی جسے اس نے بلاتردد تھام لیا۔

”اگر اسے کل کہہ دیا ہوتا تو آج اتنا جھیلنا تو نہیں پڑتا!“ ایکسل نے کہتے ہوئے سموسوں کی پلیٹ اس کی سمت بڑھائی۔

”ایکسل یار! اور بھی غم ہیں زمانے میں کھانے کے سوا۔ مجھے کوئی اور پرابلم بھی تو ہوسکتی ہے‘ تم بیٹھے بیٹھے قیاس آرائیاں کیوں کررہے ہو؟“

”یہ قیاس آرائیاں نہیں ہیں دامیان سوری! اپنی صورت آئینے میں دیکھ لو‘ تمہیں یقین ہوجائے گا‘ میں کتنا صحیح ہوں۔ محبت تمہارے چہرے پر لکھی ہے۔“ ایکسل مسکرادیا۔

”فضول کی باتیں مت کرو ایکسل!“ دامیان سوری نے اس کی سموسوں کی پلیٹ نظر انداز کرتے ہوئے پانی کی بوتل بند کرکے رکھ دی۔

”تو تمہیں انابیتا سے کوئی محبت نہیں؟ کیا میں انابیتا سے بات کروں؟“ ایکسل نے پوچھا۔

”تم کیا بات کروگے؟“ دامیان سوری نے پوچھا۔

”تمہارے دل کا حال بتادوں گا۔“ ایکسل مسکرایا۔

”تم کبوتر کب سے بن گئے؟“ دامیان مسکرایا۔

”جب سے تم نے محبت چھپ چھپ کر کرنے کی ٹھانی۔“ ایکسل مسکرایا۔ وہ جواباً کچھ نہیں بولا‘ ایکسل کو اس کی حالت بہت دگرگوں لگی تھی۔

”ایک کیفیت ہوتی ہے محبت کی۔ جس میں زبان بندی ہو بھی جائے تو آنکھیں بہت کچھ کہتی دکھائی دیتی ہیں‘ تو کیا انابیتا بیگ یہ کوشش بھی کرنا نہیں چاہتی؟ مجھے وہ اتنی بے وقوف تو نہیں لگتی۔“ ایکسل نے افسوس کیا۔

”مجھے اس سے گلہ شکوہ نہیں۔ یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ اپنے لیے کیا بہتر خیال کرتی ہے۔“ دامیان سوری مدھم لہجے میں بولا۔

”مگر یہ تو غلط ہے دامیان! وہ بنا سوچے سمجھے ایسا کیسے کرسکتی ہے...... اور تم...... تم کیا چاہتے ہو؟ تم نے صرف ایک ضد میں یہ پرپوزل بھجوایا یا تمہیں واقعی اس سے محبت ہے؟“ ایکسل نے پوچھا۔

”تمہیں کیا لگتا ہے؟“ دامیان سوری نے پوچھا۔

”مجھے تو تم گوڈے گوڈے ڈوبے لگ رہے ہو مگر میرا اندازہ کیا کرسکے گا؟ بات تو تب ہے جب انابیتا بھی اس بات کو سمجھے‘ ویسے اسے کیوں لگتا ہے کہ تم اب بھی للی میک کے ساتھ ہو؟“

”اب بھی؟ اسے لگا ہے میں ہمیشہ سے اس کے ساتھ ہوں اور اسے صرف نیچا دکھانا چاہتا ہوں تبھی اسے اپنی زندگی میں لینا چاہتا ہوں۔“

”کوئی کچھ بھی سوچ سکتا ہے‘ انابیتا بیگ ایک لڑکی ہے دامیان! لڑکیوں کی انا کچھ جلدی اور کسی معمولی بات پر بھی ہرٹ ہوسکتی ہے۔“

”یہ معمولی باتیں ہیں ایکسل! مجھے لگا‘ اسے سمجھ میں آجائے گا کہ کوئی کس لیے اور کس زاویے سے اس کی سمت دیکھتا ہے اور اس کی طرف گامزن ہے۔“ دامیان سوری نے کہا۔

”تم نے اس سے بات کی تھی کل؟“

”نہیں‘ بات نہیں ہوسکی تھی‘ وہ مائل نہیں تھی۔“

”تو پھر؟“

”تو پھر یہ کہ میں کسی پر زبردستی نہیں کرسکتا ایکسل! اگر وہ مائل نہیں ہے تو نا سہی‘ یہ زبردستی کا سودا نہیں‘ نا ہی زندگی کوئی کھیل ہے۔ اگر اس کا دل مائل نہیں تو میں زبردستی اسے اس فیصلے کو بدلنے پر مجبور کرنہیں سکتا۔ سو بہتر ہوگا ہم دوبارہ نا ملیں‘ نا بات کریں۔ میں قصداً اس کی راہوں میں آنا اور بات کرنے کے بہانے ترک کردوں گا اور یہی مناسب ہوگا۔“ وہ فیصلہ کن انداز میں بولا تو اس کا لہجہ دھیما اور انداز الجھا ہوا تھا۔

ایکسل نے اسے بغور دیکھا۔ وہ پہلی بار دامیان کو اس کیفیت میں دیکھ رہا تھا‘ اس کا اسے افسوس تھا کہ وہ اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا کیونکہ اگر انابیتا سننے کو تیار نہیں تھی تو اس پر زبردستی نہیں ہوسکتی تھی‘ دامیان اسے بکھرا بکھرا لگا تھا۔

❖......O......❖

اور کچھ خواب سجائے تھے پلکوں پر
نئی کونپلوں کے پھوٹنے والے زمانوں میں
اور کچھ رنگ رکھے تھے آنکھوں میں
خواب بُننے والی رُتوں میں
جب تمہارے ہاتھ نے ہاتھ دھرا تھا
وہیں کوئی گلاب کھلا تھا
تارے آسمان کے راہنمائی کو آئے تھے
محبت نے جب اندر سانس لیا تھا
اور کچھ خواب رکھے تھے آنکھوں میں
جب دھڑکنوں میں اک ساز جگا تھا
وہ افسوں سا جان کا
وہ جاں گسل سا لمحہ
وہ اضطراب جاں
وہ اعتبار دل
تمہاری آنکھوں کی تحریریں
میری آنکھوں کی عبارتیں

کبھی وہ ربط جانے سے
کبھی اسباب انجانے سے
کوئی تارا جب آسمان پر ٹوٹا تھا
تو دل میں لکھی آیتوں کے کچھ حرف چھوٹے تھے
اور کچھ خواب اترے تھے
محبت وحی کی صورت اپنے ہونے کے یقین
اور اسباب ساتھ لائی تھی
وہ افسوں سا جان میں
وہ اک جنونِ مسلسل
جب تارا ٹوٹا تھا تو اک اسم اترا تھا
وہ جادو سا بکھرا جان میں
وہ رنگ بکھرے سرزمین میں
میرے بام و در سجا گئے
اور کچھ خواب دکھا گئے......!

''انائیا! اس طرح کھڑی کیا سوچ رہی ہو...... تم سوئی نہیں؟ سر پر چوٹ لگی ہے تمہارے لیے اس طرح دیر تک جاگنا مناسب نہیں' چلو بستر پر آؤ۔'' ممی نے اسے اس طرح کھڑا دیکھ کر ڈپٹا۔ انائیا نے ماں کی طرف دیکھا اور بیڈ پر آ گئی۔

''ممی آپ کو بھی نیند نہیں آ رہی؟'' زائرہ ملک جب اس پر کمبل سیدھا کر رہی تھیں تو اس نے پوچھا۔

''میں ابا کو کتاب پڑھ کر سنا رہی تھی۔ تم جانتی ہو انہیں نیند نہیں آتی جب تک کوئی کتاب نہ پڑھ لیں۔'' زائرہ ملک نے بات بنائی۔

''ہاں جانتی ہوں' نانا کی پرانی عادت ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں بولی۔ اس کے اندر بہت سے سوال تھے۔ دل میں بہت کچھ تھا وہ زائرہ ملک سے کچھ نہیں کہہ رہی تھی مگر وہ ماں تھیں' سو جان گئی تھیں کہ اس کے اندر کیا چل رہا ہے۔

''تم کوئی بات مسلسل سوچ رہی ہو' کیا ہوا ہے' مجھے نہیں بتاؤ گی؟'' انائیا ملک نے چند لمحے خاموشی سے ماں کو دیکھا تھا پھر سر نفی میں ہلا دیا۔

''کچھ خاص نہیں ہے' آپ کی پے انگ گیسٹ سو گئی؟ وہ ڈنر آپ کے ساتھ نہیں کرتی؟'' انائیا نے للی کے متعلق پوچھا تھا۔ زائرہ ملک اسے دیکھنے لگی تھیں۔ ''آپ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں' کوئی بات ہے۔ جو مجھ سے کہنا چاہتی ہیں؟'' انائیا نے پوچھا۔ زائرہ ملک نے سر اثبات میں ہلایا۔

''تمہیں ایک بات بتانا تھی۔''

''بتائیں!'' وہ سننے کو پوری طرح تیار ہوئی۔ زائرہ ملک کچھ لمحوں تک چپ رہی تھیں پھر ہمت کر کے اس کی سمت دیکھے بنا بولی۔

''للی جہانگیر ملک کی بیٹی ہے۔''

''کیا!'' انائیا ملک چونکی تھی مگر زائرہ ملک نے بہت پُرسکون انداز میں سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''جہانگیر ملک جب مجھے چھوڑ کر گئے تھے انہوں نے انگلینڈ میں دوسری شادی کی تھی۔ للی میک ان کی دوسری بیٹی ہے جو اس برٹش بیوی سے پیدا ہوئی۔'' زائرہ ملک نے تفصیل بتائی تھی۔ انائیا یک ٹک انہیں دیکھ رہی تھی۔

''ممی! آپ میں اتنی ہمت ہے کہ یہ جاننے کے باوجود بھی کہ وہ آپ کے شوہر کی دوسری بیوی کی اولاد ہے' آپ نے اسے اس گھر میں رکھا ہوا ہے؟'' انائیا ملک کو حیرت ہوئی تھی۔

''میرے لیے یہ معنی نہیں رکھتا انائیا! وہ بہت پیاری لڑکی ہے' یہاں اس کے آنے کا مقصد صرف جہانگیر ملک کی تلاش تھی۔ وہ اپنے روٹس ڈھونڈ رہی تھی۔ اس کی ماں کچھ سال پہلے لیوکیمیا کے باعث گزر چکی ہے۔ سو اس کے اندر کچھ سوال تھے جو اس کے سفر کا باعث بنے اور وہ یہاں آئی۔ اگر وہ یہاں نہیں آئی ہوتی تو میں شاید کبھی جان نہیں پاتی کہ جہانگیر ملک مجھے چھوڑنے کے بعد کہاں گیا تھا یا اس کی زندگی کیا تھی۔ کتنی بے چینی رہی ہوگی اس کے اندر کہ وہ کہیں ایک جگہ سکون کی سانس نہیں لے سکا۔ اس کا اضطراب مسلسل اس کے پاؤں جکڑے رہا اور وہ بھاگتا رہا۔ میں اس کے اس اضطراب کے معنی کیوں ڈھونڈ نہیں پائی؟ للی جب تمہارے جتنی تھی تب جہانگیر ملک وہاں سے بھی چلا گیا تھا۔ کسی نئے سفر پر' وہ اس طرح کیوں کر رہا تھا' میں جان نہیں پائی...... مگر کوئی بات ضرور رہی ہوگی جو وہ یوں بھاگتا رہا شاید اسے کوئی احساس جرم ستا رہا تھا یا......!'' زائرہ ملک چپ ہوئیں تبھی انائیا بولی۔

''کس بات کا احساس جرم' کیا ہوا تھا؟'' انائیا نے پوچھا اور زائرہ ملک نے اسے صرف خاموش نظروں سے دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''میں نہیں جانتی' شاید اس کا جواب جہانگیر ملک کے پاس ہوگا۔''

''ممی! ہم کب تک ان سوالوں اور جوابوں کے درمیان الجھے کھڑے رہیں گے؟ کب' کیوں ہوا' کیسے ہوا' کیونکر ہوا...... کیا ہماری زندگیاں اسی سے بندھی رہیں گی؟ اب جب جہانگیر آ گئے ہیں تو پھر ایک سوالیہ نشان بنا ہوا ہے کہ وہ اس کوما سے باہر آتے بھی ہیں کہ نہیں؟'' انائیا کو زائرہ ملک ایک گہری سوچ میں دکھائی دی تھیں۔ ''ممی! ہم نے ایسی زندگی کیوں جی؟'' انائیا نے سوال کیا اور اس سوال کا زائرہ ملک کے پاس جیسے کوئی جواب نہیں تھا۔ ''آپ نے للی کے متعلق مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟''

''اس وقت مجھے مناسب نہیں لگا تھا۔ تمہاری شادی کی رسمیں ہو رہی تھیں اور مجھے وہ وقت مناسب نہیں لگا تھا تمہیں بتانے کے لیے...... میرے لیے وہ تمہارے جیسی ہے۔ میں نے اسی لیے اسے اس گھر میں رہنے کی اجازت دی شاید تمہیں یقین نہ ہو مگر مجھے جہانگیر کے اس اقدام سے کوئی رتی بھر بھی افسوس نہیں ہوا یقیناً کوئی وجہ رہی ہوگی جو اس نے یہ قدم لیا میرے لیے اس کی محبت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی' وہ مجھ سے بے وفائی نہیں کر سکتا تھا' مجھے نہیں لگتا اگر اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔ مجھے لگتا ہے اس نے خود کو کوئی سزا دی یا سزا کاٹی۔'' زائرہ ملک ایک یقین سے کہہ رہی تھیں۔ انائیا ملک نے ماں کو دیکھا تھا۔ ان کا لہجہ یقین سے پُر تھا۔ وہ مزید کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

❖......○......❖

''میں نے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے دامیان! تم جانے کیوں بار بار میرے راستے میں آتے ہو اور مجھے ہر بار پہلے سے زیادہ تکلیف دینے کی کوشش کرتے ہو' مگر میں تم سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتی اور آج یہی بات بتانے کے لیے میں نے تم سے ملنے کی ٹھانی ہے' میں الجھنوں میں الجھنا نہیں چاہتی' نا ہی مجھے بچوں والے کھیل کھیلنے کا شوق ہے۔ مجھے ہارنے کا ڈر نہیں نا جیت جانے کا جنوں۔ میرے لیے زندگی صرف زندگی ہے اور اس میں بچکانہ فیصلوں کی کوئی گنجائش نہیں' نا غلطیوں کی گنجائش نکلتی ہے۔ ہمارا کوئی بھی فیصلہ بار بار کے لیے نہیں ہوتا تو پھر یہ حماقتیں بھی کیوں؟ میں

حماقتوں پر یقین نہیں رکھتی‘ ایک بار کی غلطی پچھتاووں میں مبتلا کرسکتی ہے تو میں کیوں اس بات کو دہرانا چاہوں گی؟‘‘ انابیتا بیگ نے بہت پُرسکون لہجے میں کہا اور اپنے سامنے بیٹھے دامیان سوری کو دیکھا۔

’’میرے لیے تم اچھے دوست تھے۔ میں نے کبھی کوئی ناروا سلوک تم سے روا نہیں رکھا۔ میں ہمیشہ اچھی رہی‘ تم سے اچھا برتاؤ کیا‘ مجھے تم سے جیتنا تھا نا ہارنا تھا۔ دوستی میں یہ سب نہیں ہوتا مگر تم نے کچھ زیادہ کیا‘ شاید تمہیں کوئی ضد تھی‘ مجھے پیچھے دھکیلنے کی اور اس میں تم نے مجھے خود سے بہت پرے دھکیل دیا۔ اتنا پرے کہ پھر فاصلوں نے سفر کرنا شروع کردیا اور لمحے رکے نہیں اور جس دائرے میں کھڑے تھے‘ چلے تو اپنے مدار سے ہٹنے لگے۔ آج جہاں میں دیکھتی ہوں وہاں تم میرے مدار میں دور دور تک کہیں نہیں ہو۔ اس دائرے میں میں ہوں اور مجھ سے وابستہ کچھ لوگ...... ہمارا ساتھ بس اسی دائرے کے کچھ لمحوں تک کا تھا۔ اب جب میں اس دائرے میں ہوں نا اس مدار میں تو پھر کوئی گلہ شکوہ بھی باقی نہیں بچتا۔ ہم الگ الگ مداروں میں گھومنے اور زندگی جینے والے دو لوگ بن چکے ہیں تو میں نہیں سمجھتی اب اس سے تمہیں کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے یا کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ وہ دوستی تمام ہوئی‘ سفر ختم ہوا۔ ہم اپنے اپنے راستوں پر اپنی مرضی کی زندگی جی رہے ہیں تو پھر کوئی پچھتاوا کیوں اور افسوس کیوں کر......! مجھے نہیں معلوم تم نے پرپوزل بھجوایا بھی یا نہیں...... لیکن اگر بھجوایا تو اسے منتخب یا رد کرنے کا مجھے پورا اختیار ہے۔ سو مجھے نہیں لگتا میرے لیے یہ بہتر ہے کہ میں پھر سے اس مدار میں جاؤں اور تم سے ملوں اور زندگی کے ربط بناؤں۔ اس کے لیے شاید زمانوں کا سفر درکار ہوگا اور فی الحال میں خود کو اس سفر کے لیے تیار نہیں کرسکتی۔ میں حیدر مرتضیٰ سے ملی ہوں۔ وہ ایک اچھا آدمی ہے‘ مجھے اگر زندگی جینی ہے یا ہم سفر کا انتخاب کرنا ہے تو میں اپنے دائرے سے کروں گی۔ حیدر مرتضیٰ وہ شخص ہے جس نے میرے دائرے میں قدم رکھا اور مجھ سے واسطہ رکھنا چاہا۔ اگر وہ نہیں بھی ہے تو کوئی بات نہیں اگر وہ میرے لیے بنا ہے تو میں اس کے ساتھ ذہنی طور پر خود کو مائل کروں گی کہ ہم ساتھ زندگی گزار سکیں۔ مجھے اس سے زیادہ کچھ کہنے کی یا سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘ وہ کہہ کر پلٹنے لگی تھی۔ جب دامیان سوری نے اس کی کلائی کو تھاما تھا اور ایک جھٹکے سے اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔ وہ اس کے اس اقدام پر حیرت سے اسے تکنے لگی تھی۔

’’مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ تم کسی بھی مدار میں ہو یا دائرے میں‘ میں تمہیں کھینچ کر اپنے دائرے میں لاسکتا ہوں مگر فی الحال میں اس پر مائل ہوں نا کوئی زبردستی روا رکھنا چاہتا ہوں۔ تم اب بھی للی میک سے بہتر نہیں ہو۔ وہ تم سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ تم کہتی ہو تمہیں جیت کا جنون نہیں یا ہارنے کا ملال...... حقیقت یہ ہے کہ تم دنیا کی خوف زدہ ترین لڑکی ہو جو اپنے اندر بہت سے ڈر لیے بکل مارے ایک کونے میں سمٹی بیٹھی ہو‘ تمہیں ڈر ہے تم ہار جاؤ گی اور میں جانتا ہوں یہی ڈر تمہیں اس ایک دائرے میں قید کیے ہوئے ہے۔ اگر تم سمجھتی ہو مجھے تم سے دور دھکیلنے کی وجہ میں بنا ہوں تو مجھے فرق نہیں پڑتا مگر میں حیدر مرتضیٰ نہیں ہوں‘ میں دامیان شاہ سوری ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ مجھے کیا چاہیے اور اس کے لیے مجھے کیا کرنا ہے‘ میری کہی گئی باتوں میں کتنا سچ تھا اور کتنا مذاق‘ تم نے اسے جاننے کی کبھی سعی نہیں کی۔ تم صرف اپنی انا میں جینے والی لڑکی ہو اور رہی بات دوست ہونے کی‘ تو مجھے اس ذکر سے بھی اب وحشت ہوتی ہے کہ تم جیسی خود پسند لڑکی کبھی میری دوست تھی۔ تم دوست ہونے کے قابل بھی نہیں ہو‘ میں تم سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا۔ تم کسی بھی دائرے میں رہو‘ کسی بھی مدار میں زندگی بسر کرو‘ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا‘ مجھے آج پتا چلا ہے کہ میں کچھ بے وقوف تھا اور کوئی بے وقوفی کرنے جارہا تھا۔ تم زندگی حیدر مرتضیٰ کے ساتھ بسر کرو یا کسی اور کے ساتھ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔‘‘ اس کی کلائی پر اس کی گرفت سخت تھی اور لہجہ جنونی۔ اس کی آنکھوں سے الاؤ نکلتے اس نے پہلی بار دیکھے تھے۔ انابیتا بیگ اس کی آنکھوں میں یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

’’تم اگر خود سے مجھے اجازت دو گی بھی کہ مجھے اپنے دائرے میں واپس لے جاؤ تو تب بھی میں وہ اقدام کرنے کی نہیں ٹھانوں گا کیونکہ آج میں نے جان لیا ہے کہ ہم ایک دوسرے سے میل نہیں رکھتے۔ مجھ سے غلطی ہوئی جس کا اندازہ مجھے ہوگیا ہے۔ تم نے ٹھیک کہا غلطیوں کو دہرانے کی گنجائش زندگی میں نہیں ہوتی اور حماقتوں کی جگہ کہیں نہیں۔‘‘ دامیان سوری نے کہہ کر اسے ایک جھٹکے سے چھوڑ دیا۔

اس کی گرفت اس کی کلائی پر نقش ہوگئی تھی‘ لمس ابھی تک زندہ تھا۔ اس کی شعلے اگلتی آنکھیں اس کے چہرے کو جیسے جھلسا رہی تھیں۔ کیسا تھا یہ احساس۔ محبت یا نفرت؟ عداوت یا اختلاف...... وہ بھیگتی پلکوں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

محبت میرے دل کی منڈیروں پر
راستہ بھول چڑیا بنی بیٹھی تھی
میں نے دیکھا
میرے اور اس کے درمیاں
میلوں کے فاصلے تھے
میں نے محبت کو ڈوبتے سایوں میں دیکھا تھا
اس کی نظروں میں میرے لیے صرف بیگانگی تھی
عداوت تھی
شکایت تھی
مخالفت تھی
محبت سیاہ پروں کا لباس پہنے
مجھے سمجھانے آئی تھی
کچھ جتانے آئی تھی
محبت کو میں نے دیکھا تھا
بہت غور سے
بغور نگاہ کرتے ہوئے
جب ہم اپنے اپنے مداروں میں گھوم کر تھک چکے تھے
تو انا نے بہت آہستگی سے گھٹنوں پر سر دھرا تھا
محبت نے دل میں کوئی آیت پڑھتی تھی اور کوئی ورد ہوا تھا
محبت خواب بانٹنے آئی تھی جیسے
مگر میرے لیے اس کا دامن اس روز جیسے خالی
اس کی آنکھوں میں ایسی کیفیت تھی
وہ کیسی کیفیت تھی
نہ روٹھنے کی نا سننے
وہ کیسی خواہش تھی
یا کوئی خواب ٹوٹا تھا

محبت کو میں نے دیکھا تھا
اس شام بھیگتی آنکھوں سے
محبت جب دبے پاؤں پلٹ رہی تھی
تو کیسی خاموشی جاں میں اتری تھی
میں نے محبت کو دیکھا تھا
دور تک جاتے ہوئے
محبت کو میں نے دیکھا تھا
چپ چاپ

انابیتا بیگ نے اس کی طرف سے نگاہ پھیری اور پیچھے ہٹنے لگی۔ اندر جیسے خاموشی پھیل رہی تھی۔ کچھ ٹوٹ رہا تھا۔ انتشار پھیل رہا تھا۔ کیسا احساس تھا یہ......!

❖......○......❖

"اور جب محبت باقی نہیں رہتی تو اس کا احساس بھی باقی نہیں رہتا۔ جیسے آسمان پر ٹوٹ کے گرنے والے تاروں کا شمار ممکن نہیں اس طرح محبت جب باقی نہ رہے تو احساسات کا شمار معنی نہیں رکھتا۔ تمہیں محبت نہیں ہے معارج تغلق! سو تمہیں احساس بھی نہیں نہ خسارے کا' نہ سود و زیاں کا۔ تمہارے لیے یہ سب قطعی معنی نہیں رکھتا' محبت فکر کرتی ہے خساروں کی اور جب محبت ہی نہ رہے تو باقی کیا بچتا ہے؟ صرف اک طویل خاموشی! کسی پچھتاوے کا احساس اس میں نہیں ہوتا' مجھے حیرت نہیں' تم ایسے ہی ہو۔ کسی کی پروا نا کرنے والے! مگر مجھے لگا تھا تم اس کی پروا کرو گے۔" حارث نے اسے دیکھتے ہوئے پُرافسوس انداز میں کہا۔

وہ بنا کوئی جواب دیئے اسے دیکھنے لگا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟ مجھے تمہاری آنکھیں اتنی خالی کیوں لگ رہی ہیں؟ کیا تم اتنے بے حس ہو چکے ہو کہ کوئی احساس تمہارے اندر واقعی باقی نہیں بچا؟"

"خاموش رہو حارث! فضول کی باتیں مت کرو۔ میں نے جو کیا ٹھیک کیا' مجھے اس پر پچھتاوا نہیں نا افسوس ہے۔" وہ تنے ہوئے لہجے میں بولا۔

"خود کو اتنا ٹھیک ثابت کرنا تمہیں بہت غلط ہونا ثابت کرتا ہے معارج تغلق! کسی لڑکی سے کھیل کھیلا تو کیا کمال کیا؟ وہ کم ہمت' نازک' حساس اور کمزور لڑکی' اس سے جیتنا کیا مشکل ہے؟ اس سے کوئی بھی جیت سکتا ہے پھر تم نے کیا کمال کر دیا؟" حارث نے اسے غیرت دلائی۔

"حارث! میں نے خود غلط نہیں کیا مجھے اس کا پورا احساس ہے اور یقین بھی...... میں اصول پرست ہوں اور اب بھی اسی اصول پر قائم ہوں۔ مجھے کوئی پچھتاوا نہیں کیونکہ مجھے جب احساس ہوا کچھ غلط ہو رہا ہے میں نے اس کھیل کو روک دیا۔ میرا یہ اقدام میرا اصول پرست ہونا ثابت کرتا ہے۔ میں جانتا ہوں وہ کمزور لڑکی ہے مگر میں نے اسے تختۂ مشق نہیں بنایا۔ اس کی طرف کچھ قرض نکلتا تھا جو اس کے لیے لوٹانا ضروری تھا۔ سو میں نے اسی لیے اس سے رجوع کیا۔" وہ اقرار کر رہا تھا۔

"تمہیں محبت نہیں تھی نا اس سے؟" حارث نے پوچھا۔

معارج تغلق نے کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا۔

"محبت فضول کی شے ہے' ان فضول کے جذبات کا میری زندگی میں کوئی دخل نہیں۔ میں نے اس کی طرف اگر قدم بڑھایا تو اس کی وجہ تھی اور جب وہ وجہ ختم ہوئی تب میں نے اپنے قدم واپس موڑ لیے۔" وہ جیسے تسلیم کر رہا تھا۔

"تم نے قدم واپس موڑے؟ معارج یہ ٹھیک نہیں ہے' بالکل ٹھیک نہیں' اگر کھیل بھی کھیلا تو صرف اپنے داؤ پیچ سے؟ جس میں جیت بھی تمہاری رہی اور پٹ بھی تمہاری! کیا یہ ٹھیک ہے؟ اس لڑکی کو پتا تھا کہ تم اسے تختۂ مشق بنا کر استعمال کر رہے ہو' اس کا کیا قصور تھا؟" حارث کو فکر تھی' اس کی ہمدردی محسوس ہو رہی تھی مگر معارج تغلق سننے کو تیار نہیں تھا۔

"میں کوئی برا نہیں کر رہا' اگر اس کی سزا ختم ہو گئی ہے تو اسے ساتھ باندھ کر کیوں رکھوں؟ کیا یہ واجب ہے کہ اسے مزید ساتھ رکھوں اور سزائیں دوں؟ تم گوارا کرو گے اگر میں مزید ظلم روا رکھوں؟" اس نے حارث سے پوچھا۔

"کس مٹی سے بنے ہو معارج تغلق تم! مجھے یقین نہیں ہو رہا تم میرے دوست ہو' میں تو کسی کو ایک رتی بھر تکلیف دینے کے بارے میں نہیں سوچ سکتا اور تم......! کتنے بے حس اور جذبات سے عاری انسان ہو۔ مجھے یقین نہیں ہوتا۔ اب بھی اگر تم اسے اپنی زندگی میں واپس لانا چاہتے ہو تو صرف اپنے سماجی اور سوشل اسٹیٹس کی وجہ سے کیونکہ میڈیا اچھالے گا اور لوگ تمہارے خاندان کی طرف انگلیاں اٹھائیں گے۔ صد افسوس جب ممی نے تمہیں کہا تو تم اسے واپس لینے چلے گئے۔ کیا ہے یہ معارج! تم ایسے ہو؟ اپنے فائدے کی سوچنے والے اور صرف اپنے بارے میں سوچنے والے؟ تم یہ ہو۔" حارث کو شاید اس پر غصہ آ رہا تھا اور اسے کھری کھری سنا رہا تھا اور وہ چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم سب کہہ رہے ہو کیونکہ تم وجہ نہیں جانتے۔"

"کون سی وجہ!"

"میں ہر بات تمہیں بتا نہیں سکتا' تمہیں اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔" جیسے کہہ کر بات ختم کر گیا اور حارث اسے چپ چاپ جاتا دیکھتا رہ گیا۔

❖......○......❖

فون کب سے بج رہا تھا۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا' اس کے سر میں درد تھا کہ وہ آنکھیں کھول کر موبائل فون کی اسکرین کو کتنی ہی دیر خالی خالی نظروں سے تکتی رہی تھی پھر مندی آنکھوں سے فون اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف کسی نے کچھ کہا تھا۔ اس کے اعصاب ایک لمحے میں بیدار ہوئے تھے۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھی۔

"کیا!" اس نے کہا تھا پھر فوراً اٹھ کر ممی کے کمرے کی طرف بھاگی۔

"ممی...... ممی......! اٹھیں پلیز! میں نانا کو جگاتی ہوں۔" انائیا نے ماں کو جگاتے ہوئے کہا تھا' زائرہ ملک نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔

"کیا ہوا؟"

(ان شاءاللہ باقی آئندہ)

غبارِ راہ

شمیم ناز صدیقی

کرب کے شہر میں رہ کر نہیں دیکھا تو نے
کیا گزرتی رہی ہم پر، نہیں دیکھا تو نے
اے مجھے صبر کے آداب سکھانے والے
جب وہ بچھڑا تھا وہ منظر نہیں دیکھا تو نے

چاند کا ڈولا ہو اور بجلی کا باجا ہو
ڈولے میں رانی ہو اور گھوڑے پر راجا ہو
پیار کے رستے ہوں اور پھول برستے ہوں

مسز جمال کی پُرسوز آواز کے سحر میں ہم سب کھوئے ہوئے تھے۔ آفس کے لنچ بریک میں وہ عمارہ کی فرمائش پر اکثر یہی گیت گنگناتی تھیں۔ ہر دم مسکرانے اور کھلکھلانے والی مسز جمال کے چہرے پر کرب کی لکیریں نمایاں ہو جاتیں اور وہ گیت ادھورا چھوڑ دیتی تھیں۔

''بھئی عمارہ! مجھے یہ گیت اتنا ہی آتا ہے۔''

مسز جمال کو ہمارے آفس میں آئے ہوئے ابھی کچھ ہی عرصہ ہوا تھا مگر انہوں نے اپنے اخلاق اور خلوص سے سب کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ پینتیس چھتیس سالہ مسز جمال کے چہرے پر نوعمر لڑکیوں جیسی شادابی تھی۔ مجھے وہ پہلے ہی دن بہت اچھی لگی تھیں اور میرا دل اندر ہی اندر ان کی طرف جھکتا چلا گیا تھا مگر اس دن مجھے بڑا زبردست دھچکا لگا تھا جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ مسز جمال نہ صرف شادی شدہ بلکہ تین چھوٹے چھوٹے بچوں کی ماں ہیں۔

جانے کیوں انہیں دیکھ کر مجھے گمان ہوا تھا کہ وہ ابھی تک تنہا ہیں۔ ورنہ اس عمر کی خاتون کے لیے اس بات کا امکان کم ہی ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں سب کچھ جان کر بھی میرے دل کو قرار نہیں آیا تھا۔ اکثر لنچ بریک میں وہ اپنے بچوں کی شرارتوں کا ذکر کرتی رہتی تھیں۔

''میرے بچوں میں عرفی بہت سنجیدہ اور ذہین ہے۔ اپنی عمر سے زیادہ سمجھ داری کی باتیں کرتا ہے۔ آیا کو بھی تنگ نہیں کرتا مگر اجیہ اور فیضان بہت شریر ہیں۔ آیا بے چاری کو سارا دن نچا کر رکھتے ہیں......''

''اور ان کے پاپا کیسے ہیں؟'' میں نے جاننے کے لیے یہ سوال کر دیا تھا۔ یہ سنتے ہی ان کی آنکھوں میں دیپ سے روشن ہو گئے۔

''جمال کے حد سے زیادہ لاڈ نے ہی تو دونوں بچوں کو بگاڑا ہے۔ آیا کو اتنا تنگ کرتے ہیں کہ ہر دوسرے مہینے مجھے نئی آیا تلاش کرنی پڑتی ہے۔ جمال آفس چلے جاتے ہیں۔ میں اِدھر آ جاتی ہوں۔ سارے دن کی ذمے داری آیا پر ہوتی ہے۔

اس بار تو سمجھیں کہ معجزہ ہی ہوا ہے۔ تین مہینے سے یہ آیا نکی ہوئی ہے۔'' مسز جمال کے ساتھ باتوں کا سلسلہ اس طرح چل نکلتا کہ لنچ بریک کا ایک گھنٹہ پلک جھپکتے گزر جاتا اور ہم دوبارہ اپنی اپنی سیٹوں پر چلے جاتے۔ مسز جمال کا زیادہ وقت ایم ڈی کے کاموں میں گزرتا تھا۔ وہ ان کی پی اے تھیں۔ اس لیے ان کے ساتھ زیادہ مصروف رہتیں۔ ایم ڈی صاحب بڑے بااصول اور دین دار آدمی تھے۔ ان کا بزنس میں ایک مقام تھا مگر وہ بہت سادہ طبیعت کے انسان تھے۔ جب اپنے اسٹاف کے ساتھ بات چیت کرتے تو محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ ایم ڈی ہیں۔ مسز جمال بھی ایم ڈی صاحب کی بہت تعریف کرتی رہتی تھیں۔ مسز جمال، وقار صاحب، عمارہ اور فرحت۔ یہ سب میرے کولیگ تھے۔

''آپ کو دیکھ کر تو کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا؟'' عمارہ نے بڑی سنجیدگی سے مشورہ دیا۔ وہ مسکرادی تھیں۔

''اب مجھے عمر چھپانے کی کیا ضرورت ہے، ہاں تم لوگ چھپاؤ تو کوئی بات بھی ہے۔''

''کوئی فائدہ نہیں مسز جمال! ہماری ایسی قسمت کہاں......! ہم اگر پچیس کہیں تو لوگ ہمیں تیس کا سمجھنے لگتے ہیں کہ ضرور گھٹا کر بتاتی ہے۔ ایک آپ ہیں کہ چالیس سے اوپر کا بتا رہی ہیں اور لوگوں کو یقین نہیں آرہا ہے۔'' عمارہ نے کاٹ دار لہجے میں کہتے ہوئے میری طرف دیکھا اور اٹھ کر اپنی سیٹ کی طرف چلی گئی۔ شاید مسز جمال نے بھی عمارہ کے لہجے کی کاٹ اور طنز کو محسوس کرلیا تھا۔ وہ بھی خاموش سی رہ گئی تھیں۔ سب اٹھ کر اپنی اپنی سیٹوں پر جاچکے تھے۔ میں اور وہ اکیلے بیٹھے تھے تب انہوں نے کہا۔

''رمیز! ایک بات پوچھوں، اگر مائنڈ نہ کرو تو......؟''

''ارے آپ جو پوچھنا چاہتی ہیں پوچھیں مسز جمال!'' میں نے خوش دلی سے کہا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہیں پھر بولیں۔

''تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟''

''بس خیال ہی نہیں آیا یا یوں کہیے کہ دھیان ہی نہیں دیا کہ گھر بھی بسانا ہے اور وقت گزرتا چلا گیا۔ ماں باپ بچپن میں ہی فوت ہوگئے تھے۔ مجھ سے چھوٹی دو بہنیں ہیں، ہم تینوں کو چچا چچی نے پالا۔ وہ بے اولاد تھے۔ بہنوں کی شادی کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں تنہا رہ گیا ہوں۔ چچی نے کئی بار کوشش کی مگر مجھے چچی کی بتائی ہوئی کوئی لڑکی پسند نہیں آئی۔''

''بھلا کیوں......؟ کوئی تو وجہ ہوگی۔ لگتا ہے کسی آئیڈیل وغیرہ کا چکر تو نہیں تھا۔'' مسز جمال نے فوراً ہی کریدنا شروع کردیا تو میں نے ٹال دیا۔

''میرے خیال میں میرے ہاتھ میں شادی کی لکیر ہی نہیں ہے۔'' مسز جمال دیر تک ہنستی رہیں۔ اتنا ہنسیں کہ ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تیرنے لگی۔ میں بُری طرح چونک گیا۔

''مسز جمال! آپ خوش تو ہیں نا جمال صاحب کے ساتھ......؟'' میں نے اچانک ہی سوال پوچھا تھا۔

''بھئی خوش نہ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جمال ایک آئیڈیل شوہر ہیں اور پھر ہم دونوں کی لو میرج ہے۔ رمیز حسن! میں بھی بہت عرصہ آئیڈیل کی تلاش میں بھٹکتی رہی ہوں مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے میرے خوابوں کی تعبیر جمال کی صورت میں مل گئی۔'' انہوں نے اپنے

خلوص انداز میں چہکتے ہوئے کہا تو میرے اندر کوئی چیز ٹوٹ کر رہ گئی۔

انسان بھی کبھی کبھی بہت خود غرض اور کمینہ ہوجاتا ہے۔ میرے دل میں بھی یہ موہوم سا خدشہ تھا کہ شاید مسز جمال اپنے شوہر کے ساتھ خوش نہ ہوں اور...... اور......! مگر ان کا شوہر، صرف شوہر نہیں محبوب بھی ہے...... جبھی تو جمال صاحب کے ذکر پر ان کے چہرے پر رنگ سے بکھر جاتے ہیں۔ میں اس سوچ پر اندر ہی اندر اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا۔

❁ ... ❁ ... ❁

ایک شام واپسی پر میں اور مسز جمال ساتھ ساتھ اسٹاپ کی طرف آرہے تھے۔ وہ اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں ہلکی پھلکی باتیں کر رہی تھیں اور میں خاموشی سے سنتا ہوا ان کے ساتھ چل رہا تھا تبھی وہ اچانک بولیں۔

''رمیز! تمہیں عمارہ کیسی لگتی ہے؟'' سوال اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ میں حیران رہ گیا۔

''کیا مطلب......؟''

''مطلب تو بالکل صاف ہے، تم سمجھنے کی کوشش کرو تو اور بات ہے۔'' انہوں نے بڑی سنجیدگی سے کہا، پھر کچھ دیر رک کر بولیں۔ ''تمہیں پتا ہے عمارہ تمہیں پسند کرتی ہے، وہ جتنی دیر میرے پاس بیٹھتی ہے صرف تمہاری باتیں کرتی ہے۔ کل رات فون پر بھی تمہارے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ اچھی لڑکی ہے، تم اس سے شادی کرلو۔'' مسز جمال نے اس طرح کہا جیسے وہ حکم دے رہی ہوں یا انہیں معلوم ہو کہ وہ کہیں گی تو میں کچھ بھی کرنے پر راضی ہوجاؤں گا۔ میں جواباً کچھ دیر تو خاموش رہا پھر میں نے ہامی بھرتے ہوئے کہا۔

"مگر آپ کو بھی میری ایک بات ماننی ہوگی۔ میری ایک شرط ہے۔"

"کہو کیا چاہتے ہو، کیسی شرط......؟" انہوں نے بڑے جوش سے کہا۔

"میں اس گیت کی کہانی جاننا چاہتا ہوں جو آپ اکثر گنگناتی ہیں۔" میری بات سن کر وہ ایک لمحے کو چپ سی ہوگئیں۔

"سوری رمیز! یہ گیت گنگنانے کی عادت تو یوں ہی پڑ گئی ہے کہ میری بیٹی اجیہ کہانی کے بغیر نہیں سوتی تب میں اسے یہ گیت سنا دیتی ہوں۔"

"نہیں، مجھے لگتا ہے اس گیت کے پیچھے کوئی اور کہانی ہے، کوئی ان کہا درد......" نہ جانے کیسے منہ سے نکل گیا۔

"میں نے کہا نا! یہ گیت میری زبان پر اتنا چڑھ گیا ہے کہ میں اکثر گنگناتی رہتی ہوں، آخر تمہیں میری بات کا یقین کیوں نہیں آتا؟" انہوں نے کچھ اس طرح شکایتی لہجے میں کہا کہ میں خاموش بلکہ شرمندہ سا ہوگیا۔ شاید انہیں بھی اپنے تلخ لہجے کا احساس ہوگیا تھا اس لیے فوراً موضوع بدل دیا۔

"رمیز! شادی اسی سے کرنی چاہیے جو تمہیں چاہتا ہو۔ کسی کی محبت کی قدر کرنا چاہیے۔"

"اور...... اور اگر دل کسی اور کی طرف مائل ہو تب......؟" اچانک میرے منہ سے یہ جملہ پھسل گیا تھا۔ مسز جمال نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"کبھی کبھی ایسا بھی تو ہوتا ہے رمیز! کہ ہمارا دل جس کی طرف مائل ہوتا ہے، وہ ہماری دسترس سے بہت دور ہوتا ہے اور جو ہماری دسترس میں ہوتا ہے اسے ہم خود نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس کی محبت کو بڑی بے دردی سے ٹھکرا دیتے ہیں اور یہی محبت کا المیہ ہے۔" اسی لمحے مسز جمال کی بس آ گئی اور وہ مجھے خدا حافظ کہتی ہوئی بس کی طرف بڑھ گئیں۔

مسز جمال میرے حواس پر اس طرح چھا گئی تھیں کہ میں رات گئے تک بستر پر لیٹا انہی کے بارے میں سوچا کرتا۔ آنکھیں بند کرتا تو وہ دھیرے سے میری آنکھوں کے سامنے آ جاتیں۔ ذہن و دل سے ان کے تصور کو جھٹکنے کی کوشش کرتا تو نیند ہی نہیں، چین و سکون بھی گنوا بیٹھتا۔

❁......❁......❁

ایک دن مسز جمال نے بتایا کہ جمال صاحب امریکا جا رہے ہیں۔ مسز جمال بہت خوش تھیں یہ سب بتاتے ہوئے چہک رہی تھیں۔

"جمال نے بڑی جدوجہد کی ہے، ملازمت کے ساتھ ساتھ شادی کے بعد بھی تعلیم جاری رکھی۔ اس لیے جمال کے منع کرنے کے باوجود میں نے جاب کی تاکہ ان کی جدوجہد میں کچھ تو ان کا ہاتھ بٹا سکوں۔ شکر ہے کہ اب وہ اپنی منزل کے قریب ہیں۔ اسی خوشی میں تم سب کو ایک زبردست ٹریٹ دینا چاہتی ہوں۔" انہوں نے تمام کولیگز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ...... تو پھر کب دے رہی ہیں؟" عمارہ نے فوراً ہی چہکتے ہوئے پوچھا۔

"اگلا ہفتہ رکھ لیتے ہیں۔"

"کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں یہ ٹریٹ ہونی چاہیے۔" فرحت بولی۔

"نہیں، میرے گھر پر...... اس لیے کہ میں رات کو بچوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاتی۔"

"ہاں اور اس دن جمال صاحب سے بھی ہماری ملاقات ہو جائے گی۔" وقار صاحب بولے۔

ان ہی باتوں میں لنچ کا وقت ختم ہو گیا اور ہم اپنی اپنی سیٹوں پر آ گئے۔ ان دنوں عمارہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ نہ جانے مسز جمال نے اس سے کیا کہہ دیا تھا کہ وہ ہر وقت کھلی کھلی نظر آنے لگی تھی مگر نہ جانے مجھے کیوں اسے خوش دیکھ کر کوفت ہونے لگتی۔ کوشش کے باوجود میں اپنے دل میں اس کے لیے کوئی جگہ بنانے میں ناکام رہا تھا۔ جہاں مسز جمال کا بسیرا ہو، وہاں کسی کے قدم رکھنے کی بھی گنجائش نہیں تھی۔

ان دنوں مجھ پر مایوسی کا دورہ پڑا ہوا تھا۔ جمال اگر امریکا سیٹ ہو گئے تو کچھ عرصہ بعد مسز جمال بھی چلی جائیں گی۔ مجھے محبت ہوئی بھی تو ایک ایسی عورت سے جو کسی اور کے ساتھ بہت خوش و خرم تھی مگر میں اپنی اس جنونی محبت کا ذکر کسی سے بھی نہ کر سکا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ میں مسز جمال کی نظروں سے گر جاؤں گا اور پھر لوگ کیا کہیں گے۔ میں اپنے دل کو بہت سمجھاتا، بہلاتا مگر دل کسی ضدی بچے کی طرح ایک ایسے کھلونے کی طلب کر رہا تھا جو میری پہنچ سے بہت دور تھا۔

❁......❁......❁

دعوت والے دن میں نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا تھا اور تیار ہو کر ان کے گھر کی طرف چلا آیا تھا۔ یہ ایک خوب صورت بنگلہ تھا، جس کے چھوٹے سے لان میں قطار سے گلاب اور موتیا کے گملے رکھے ہوئے تھے۔ رات کی رانی کی خوش بو سے فضا مہک رہی تھی، میں نے صدر دروازے کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ مسز جمال میرے استقبال کے لیے آ گئیں۔

"رمیز! آج تو تم لیٹ ہو گئے، سب آ چکے ہیں۔"

غصہ کی زیادتی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے تھوڑی سی چیزیں سکھائیں شاید میں اسے یاد کر سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "غصہ نہ کیا کرو" اس نے کئی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح پوچھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ "غصہ نہ کیا کرو" (ترمذی شریف، جلد اول باب ماجا)۔

پیشاب سے شدت احتیاط کا حکم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا "ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب کی وجہ کوئی بڑا گناہ نہیں۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے تو یہ پیشاب کرتے وقت چھینٹوں سے احتیاط نہیں کرتا تھا جب کہ دوسرا چغل خور کرتا تھا۔" (ترمذی شریف، جلد اول باب ماجا)

اللہ کی رضا کی خاطر مسجد تعمیر کرانا

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے "جو شخص اللہ کے لیے ایک مسجد بنائے تو اللہ اس کے لیے جنت میں ایک گھر ویسا ہی بنائے گا۔"

زاہدہ ملک...... دیپالپور

مسز جمال اپنی سلکی ساڑی کا آنچل سنبھالتی ہوئی بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ میں ہولے سے مسکرا دیا اور ان کی رہنمائی میں چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ گھر بہت خوب صورتی اور نفاست سے سجایا گیا تھا۔ ڈرائنگ روم سے ملحق ڈائننگ روم تھا۔ خوب صورت لمبی میز پر برتن ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔ اوپری منزل سے بچوں کے بولنے کی آوازیں مستقل آ رہی تھیں۔ میری نظریں

جمال صاحب کو تلاش کر رہی تھیں۔

''میرا خیال ہے تھوڑی دیر میں کھانا شروع کردیا جائے۔ جمال تو ابھی تک لوٹے نہیں ہیں۔ میں انہی کا انتظار کررہی تھی۔ ہوسکتا ہے کچھ ہی دیر میں آجائیں۔''

''بھئی جمال صاحب کو تو ضرور ہونا چاہیے تھا۔ یہ ٹریٹ انہی کی کامیابی کی خوشی میں تو دی گئی ہے۔'' وقار صاحب نے کہا۔

''اصل میں ان کے جانے میں دو ہی دن تو رہ گئے ہیں۔ ابھی بہت سے کام نمٹانے ہیں۔ آج تو ان کا پورا پروگرام تھا گھر پر ہی رہنے کا...... انہیں خود آپ سب سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا مگر ایک ضروری کال آگئی شام کو...... ایک گھنٹے کا کہہ کر گئے تھے' ابھی تک نہیں آئے ہیں۔ اب تو رات کے ساڑھے آٹھ بج رہے ہیں۔ آپ لوگ کھانے سے فارغ ہولیں تو میں اپنے تینوں بچوں سے ملواؤں گی۔ اتنے شریر ہیں کہ خدا کی پناہ!''

''وہ تو ہمیں گھر میں داخل ہوتے ہی اندازہ ہوگیا تھا۔ شوروغل کی آوازیں مسلسل آرہی ہیں' آپ انہیں نیچے بلالیں۔'' میں نے کہا۔

''ارے رمیز! وہ اتنا دنگا فساد کریں گے کہ اللہ کی پناہ! سارے ڈائننگ روم کو الٹ پلٹ کردیں گے۔ آج تو میں انہیں اوپر ہی رکھوں گی۔ کھانے سے فارغ ہوکر تھوڑی دیر کے لیے بلاؤں گی۔'' مسز جمال کہتی ہوئی ہم سب کو ڈائننگ ٹیبل پر لے آئیں۔ لذیز کھانوں کی خوشبو نے ہم سب کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ ٹیبل پر انواع اقسام کے کھانے سجے ہوئے تھے بلاشبہ انہوں نے خاصا اہتمام کر رکھا تھا۔

''یہ سب آپ نے اکیلے بنایا ہے؟'' عمارہ نے پوچھا۔

''جمال کو باہر کے کھانے بالکل پسند نہیں......'' مسز جمال نے کہا۔ ''اس لیے دعوت کے موقع پر بھی تمام ڈشز میں خود بناتی ہوں۔''

''آپ کے شریر بچے آپ کو اتنا کچھ کرنے دیتے ہیں؟'' فرحت نے اپنی پلیٹ میں بریانی نکالتے ہوئے پوچھا۔

''تھوڑی بہت سختی تو بچوں پر کرنی ہی پڑتی ہے۔ آفس سے آکر بھی میں کھانا خود بناتی ہوں' جمال کو کھانا میرے ہاتھ کا ہی پسند ہے۔ اس لیے یہ ذمے داری تو مجھ کو ہی پوری کرنی پڑتی ہے۔'' مسز جمال میزبانی کرنے کے علاوہ ہمارے ساتھ کھانے میں بھی شریک تھیں۔

ٹرن...... ٹرن...... ٹرن...... تبھی فون کی بیل پر باتوں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ وہ ''سوری'' کہتے ہوئے فون کی طرف بڑھ گئیں۔ میں نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے وال کلاک کی طرف دیکھا' ساڑھے نو بج رہے تھے۔ جمال صاحب ابھی تک نہیں پہنچے گھر میں ایک سناٹا سا محسوس ہورہا تھا۔ اب بچوں کی آوازیں بھی نہیں آرہی تھیں۔ میں اٹھنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ فون سن کر مسز جمال آگئیں۔

''جمال کا فون تھا' کہہ رہے تھے میری طرف سے اپنے کولیگز سے معذرت کرلینا۔ میں ایک گھنٹے بعد گھر پہنچوں گا۔''

''کوئی بات نہیں مسز جمال! پھر کبھی سہی......'' وقار صاحب نے فوراً ہی کہا۔

''ایک منٹ! ذرا میں بچوں کو لے آؤں۔ بڑی خاموشی چھا گئی ہے۔'' وہ کہتی ہوئی زینے کی طرف چلی گئیں اور تھوڑی ہی دیر میں وہ اکیلی

واپس آگئیں۔

''مجھے پہلے ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ سو چکے ہیں۔ صبح اجیہ اور عرفی کو اسکول جانا ہوتا ہے نا۔ آیا کوشش کرتی ہے کہ بچے نو بجے تک سوجائیں۔'' مسز جمال صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہنے لگیں۔

''جب تک یہ بچے جاگتے رہتے ہیں گھر میں رونق سی لگی رہتی ہے اور سوتے ہیں تو ایک دم سناٹا چھا جاتا ہے۔'' وہ بڑی روانی سے بول رہی تھیں۔

''اگلے ماہ اجیہ کی برتھ ڈے آرہی ہے اس پر اپنے شرارتی بچوں سے ضرور ملواؤں گی۔ پہلے میرا خیال تھا یہ ٹریٹ اسی دن دوں گی مگر پھر میں نے سوچا اجیہ کی برتھ ڈے تک تو جمال امریکا جاچکے ہوں گے' اس لیے ہم دونوں نے سوچا ٹریٹ پہلے دے دی جائے۔''

''مگر جمال بھائی تو پھر بھی غیر حاضر ہیں۔'' عمارہ نے برجستہ کہا تو وہ کچھ خجل سی ہوگئیں۔

''میں انہیں آفس لاکر ضرور ملواؤں گی۔ جمال کو بھی تم سب سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے عمارہ سے کہا۔ وہ بھی ہولے سے مسکرادی۔

❁......❁......❁

میں اندر ہی اندر یک طرفہ محبت کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایک شادی شدہ عورت ہے اور مجھے اس کے بارے میں اس طرح سوچنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ مگر سچ کہتے ہیں کہ محبت اندھی ہوتی ہے۔ اس بات کا مجھے یقین ہوگیا تھا کہ محبت ذات پات' اونچ نیچ' عمر کا فرق کچھ نہیں دیکھتی۔ میرے دل میں مسز جمال کے لیے جو محبت کی کونپل پھوٹی تھی' وہ رفتہ رفتہ ایک تناور درخت بنتی جارہی تھی اور اس محبت کی جڑیں میرے

اندر ہی اندر پھیلتی جارہی تھیں۔

وہ موسم سرما کی سرد سی شام تھی‘ میرا آج کا سارا دن اداس گزرا تھا‘ آج مسز جمال نہیں آئی تھیں اور ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ انہیں آفس میں آتے ہوئے پورا سال ہورہا تھا اور اس عرصے میں وہ آج پہلی بار غیر حاضر تھیں اور جس دن جمال صاحب امریکا گئے تھے تو اس دن بھی انہوں نے چھٹی نہیں کی تھی۔ رات کی فلائٹ سے وہ جمال کو سی آف کرکے صبح آفس آگئی تھیں اور آج جمال صاحب کے جانے کے ایک ہفتے بعد اچانک چھٹی کرلی تھی۔ میرا دل بے چین سا ہوگیا تھا جانے وہ کیوں نہیں آئیں...... کہیں طبیعت تو خراب نہیں ہوگئی۔ میں نے اکثر انہیں لنچ بریک میں دوائیں کھاتے دیکھا تھا۔ مگر کبھی پوچھنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ اتنی پابندی سے دوائیں کیوں استعمال کرتی ہیں۔ میں اپنے وقت سے پہلے ہی آفس سے اٹھ گیا تھا۔ بہت دیر تک بس اسٹاپ پر کھڑا اپنی بس کا انتظار کرتا رہا۔ پھر جانے کیا سوچ کر میں نے رکشہ روک لیا۔ صرف بیس منٹ بعد میں مسز جمال کے گھر کے گیٹ پر موجود تھا۔ میں نے کال بیل بجائی۔ بیل بجتی رہی مگر مسز جمال گیٹ کھولنے نہیں آئیں۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا‘ دور دور تک گلی میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ان پوش علاقوں میں یہ بڑی خرابی ہوتی ہے۔ باہر سے تمام بنگلے ایک جیسی ویرانی لیے ہوتے ہیں‘ کسی کو کسی کی خبر نہیں ہوتی۔ کسی سے کسی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں کیا جاسکتا کہ کون کس حال میں ہے۔ سب اپنی اپنی دنیا میں مگن رہتے ہیں۔ میں نے کچھ سوچتے ہوئے آہستہ سے گیٹ کو اندر کی طرف دھکا دیا تو گیٹ کھلتا چلا گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ مسز جمال اندر موجود ہیں۔

راہداری عبور کرتے ہی میرے کانوں سے بچوں کے شور ہنگامے کی آوازیں ٹکرائیں۔

''اُف! اتنا شور......!'' جبھی مسز جمال کے کانوں تک بیل کی آواز نہیں گئی تھی۔ میں انہیں آواز دیتا لیونگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ پورا گھر سائیں سائیں کررہا تھا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ آوازیں تو اوپر سے آرہی ہیں۔ میں اوپری منزل پر جانے کے لیے زینے کی طرف بڑھنے ہی لگا تھا کہ میز پر رکھے رائٹنگ پیڈ پر میری نظر پڑی۔ تجسس سے مجبور ہوکر میں نے وہ پیڈ اٹھالیا۔ ارادہ یہی تھا ایک نظر دیکھوں مگر اس تحریر پر میری نظریں جم کے رہ گئیں۔ یہ ایک خط تھا‘ جو میرے ہی نام تھا۔

''رمیز! میں تمہاری نظروں کا مفہوم خوب سمجھتی ہوں۔ یہ بھی جانتی ہوں کہ تم میرے لیے مخلص ہو مگر میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں‘ میں تو صرف جمال کی ہوں۔ اپنے بچوں کی ماں ہوں‘ جن کے دم سے میں جی رہی ہوں۔ آج میں تمہیں بتاؤں کہ مجھے جگر کا کینسر ہے مگر میں اپنے آپ سے جنگ لڑرہی ہوں۔ جمال کے لیے اپنے بچوں کے لیے جو میری زندگی کا سرمایہ ہیں۔ نہ جانے کیوں میرا جی چاہتا ہے میں تمہیں وہ سب کچھ بتاؤں جو کسی کو نہیں بتایا۔ تمہیں میں کوئی اور درجہ تو نہیں دے سکتی مگر ہاں ایک رشتہ ایسا ہے جو تم سے جوڑ سکتی ہوں۔ وہ ہے دوستی کا رشتہ!

میں نے جس گھر میں آنکھ کھولی‘ وہ ایک خوش حال گھرانا تھا۔ میرے پاپا اپنے بہن بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھے۔ میری دادی نے پاپا کی نسبت بچپن میں ہی اپنی بھتیجی سے طے کردی تھی مگر پاپا نے اپنی مرضی سے شادی کرلی تھی۔ اپنی پسند سے شادی کرنے کی سزا پاپا کو یہ ملی کہ ان کے والدین

نے ان سے قطع تعلق کرلیا۔ شروع شروع میں پاپا نے بہت کوشش کی کہ وہ لوگ ان کی خطا کو معاف کردیں مگر ان سب نے نہ پاپا کی شکل دیکھی نہ میری ماں کی......

پاپا کی اپنی اشتہاری ایجنسی تھی۔ کسی چیز کی کمی نہ تھی مگر بہن بھائیوں اور ماں باپ سے کٹ جانے کا ملال ضرور تھا۔ شادی کے دو سال بعد میری پیدائش پر پاپا دادی کو منانے گئے مگر دادی نے ملنے سے انکار کردیا۔ پاپا مایوس لوٹ آئے۔

پھر انہوں نے دادی یا بہن بھائیوں سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے میرا نام طیبہ رکھا۔ موسم تبدیل ہوتے چلے گئے۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ میں نے شعور کی حدوں میں قدم رکھا تو مجھے احساس ہونے لگا کہ دنیا کی ہر چیز گھر میں موجود تھی۔ کبھی کسی چیز کے لیے ترسنا نہیں پڑا‘ بات منہ سے نکلتی اور پوری ہوجاتی مگر مجھے ایک کمی محسوس ہوتی تھی کہ ہم اپنے خونی رشتوں سے جدا ہیں۔ تایا‘ چچا‘ پھوپی سب ہوتے ہوئے بھی ہم ان سے نہیں مل سکتے تھے۔ مما اکیلی تھیں‘ ان کے صرف ایک ہی بھائی تھے جو کینیڈا میں تھے جن کا کچھ عرصہ پہلے ایک حادثے میں انتقال ہوگیا تھا۔ میں شعور کی منزل پر پہنچی تو ہر لڑکی کی طرح میں نے بھی حسین خواب پلکوں پر سجانا شروع کردیئے۔ میں ان دنوں فورتھ ائر میں تھی۔ مما کو میرے لیے اچھے رشتے کی تلاش تھی۔ میں تیکھے نقوش اور گلابی رنگت کی مالک تھی۔ شاید اسی لیے مما مجھے پیار سے گڑیا کہتی تھیں۔ مما کا خیال تھا کہ لڑکیاں خوب صورت ہوں تو جلد ہی اپنے گھر کی ہوجاتی ہیں مگر مما کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ ان دنوں میں امتحان سے فارغ ہوئی تھی کہ پاپا کا اچانک ہارٹ فیل ہوگیا۔ ہمارے

''نایاب موتی''

❁ استاد کی عزت کرو یہ وہ ہستی ہے جو تمہیں اندھیرے سے نکال کر روشنی کی راہ دکھاتی ہے۔ (حضرت محمدؐ)

❁ زیادہ علم والوں سے علم سیکھ اور کم علم والوں کو علم سکھا۔ (حضرت محمدؐ)

❁ علم وہ خزانہ ہے جس کا ذخیرہ بڑھتا رہتا ہے۔ (حضرت علیؓ)

❁ علم ایسا بادل ہے جس سے رحمت ہی رحمت برستی ہے۔ (بابا فرید گنج شکرؒ)

❁ علم ایک ایسا درخت ہے جس کا پھل نہ کبھی سڑتا ہے نہ کبھی خشک ہوتا ہے۔ (کبیر داس)

❁ علم کی محبت اور ماں باپ کی عزت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ (حکیم محمد سعید)

❁ لگن اور اعتماد انسان کو کامیابی سے ہمکنار کردیتے ہیں۔ (ہٹلر)

❁ انسان کی بہترین خصلت علم ہے۔ (بوعلی سینا)

❁ طلب علم سے شرم مناسب نہیں کیونکہ جہالت شرم سے بدتر ہے۔ (افلاطون)

اریج سحر‘ چوٹالہ

سروں سے سائبان اٹھ گیا تھا۔ پاپا کی تدفین میں تایا چچا پھوپی بھی شریک ہوئے مگر ہمارے سروں پر کسی نے شفقت کا ہاتھ نہ رکھا۔ رسمی سی تعزیت کرکے سب رخصت ہوگئے اور پھر کبھی پلٹ کر نہ آئے۔ پاپا کی اچانک جدائی نے مجھے اور مما کو ہراساں کردیا تھا۔

وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ مما نے ایک اچھی فرم میں جاب کرلی تھی۔ انہوں نے پاپا کا بزنس

سمیٹ کر ساری رقم میری شادی کے لیے رکھ دی تھی۔ انہیں میری شادی کی بہت فکر تھی۔ میرے لیے کئی لوگوں کے پیام آئے مگر کچھ مما کو پسند نہ آئے کچھ کا لالچ صاف نظر آ گیا جو مجھ سے زیادہ میری دولت کے طلب گار تھے۔ ہم دونوں بالکل اکیلے خاموشی کے ساتھ وقت گزار رہے تھے۔ نہ کوئی خوشیوں میں خوش ہونے والا تھا اور نہ کوئی غم بانٹنے والا' ہم خود ہی اپنی خوشیوں پر خوش ہوتے اور اپنے دکھوں پر خود ہی آنسو بہا لیتے۔ میں ہر طرح سے مما کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی رہتی تھی مگر میں اپنے میٹھے لفظوں سے مما کے زخموں کو مندمل نہیں کر سکتی تھی۔ وہ بیمار رہنے لگی تھیں۔ ایک دن ان کی حالت بگڑ گئی' میں مما کو اسپتال لے کر گئی۔ وہ نیم بے ہوشی کی سی حالت میں تھیں' وہ رات مجھ پر بہت بھاری ثابت ہوئی۔ مما مجھے بالکل اکیلا چھوڑ کر چلی گئیں۔ میں بہت روئی' تڑپی مگر بے سود......! مرنے والے کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔ وقت کا کام ہے گزرنا' وہ کسی کے لیے رکتا نہیں۔ چلتا چلا جاتا ہے' وقت کے ساتھ ساتھ میری عمر بھی دوڑ رہی تھی۔

خود کو مصروف رکھنے کے لیے میں نے کئی طرح کے کورسز کیے' ساتھ جاب بھی کرنے لگی مگر تنہائی کا دکھ مجھے دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا۔ نوعمری میں دیکھے ہوئے خوابوں میں سجا چہرہ اب بھی مجھے پریشان کیے رکھتا پھر ایک دن اچانک وہ چہرہ مجھے مل گیا۔ میں نے بغور دیکھا وہ ہو بہو میرے ذہن کے کینوس پر بنی تصویر تھی۔

وہ شام بہت خوب صورت تھی۔ میں اپنی دوست عذرا کے ساتھ آرٹ گیلری گئی تھی' وہاں تصویروں کی نمائش تھی۔ وہ وہیں اچانک مجھے مل گیا' نہ جانے کیا سوچ کر میں نے اس سے ربط بڑھایا اور اسے گھر تک لے آئی پھر پہلی ملاقات میں ہی اس سے اظہار کر بیٹھی کہ تم وہی ہو جس کی مجھے تلاش تھی۔ عجیب اتفاق تھا' وہ بھی میری طرح اکیلا تھا اور اس کی محبت بے لوث تھی۔ اتنے مخلص شخص کو میں کھونا نہیں چاہتی تھی یوں میں طیبہ سے مسز جمال بن گئی۔ میری تنہائیاں آباد ہو گئیں۔ اب میں سب کے سامنے بہت سرخ رو تھی مگر آج میں بہت بے کلی محسوس کر رہی ہوں۔ جبھی تم سے مخاطب ہو کر سب کچھ لکھ ڈالا ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے یہ سب کچھ تم سے روبرو کہہ دیا ہے' اب میں بہت ہلکی پھلکی ہو گئی ہوں۔ ذہن سے ایک بوجھ اتر گیا ہے۔ ایک بار مجھے میرے ڈاکٹر نے مشورہ دیا تھا کہ جب دل پر بوجھ بڑھنے لگے تو کسی دوست کو مخاطب کر کے اپنے دل کی ساری باتیں کہہ ڈالو' دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ اندر کی گھٹن کم ہو جائے گی۔ آج میں نے اسی بات پر عمل کیا ہے۔ شاید انسان کے پاس سب سے قیمتی اور سب سے بے اعتبار چیز زندگی ہوتی ہے۔ مجھے اس زندگی نے وہ دھوکا دیا کہ ایک جھٹکے اور ایک ہی حادثے میں میرا سب کچھ چھین لیا...... تو اب اس زندگی پر بھروسا کیسے ہو......! اس زندگی کا کیا بھروسا کہ کب دغا دے جائے......!''

آخری سطر پڑھ کر میں چونک گیا۔ بچوں کے شور و غل کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں۔ میں تیزی سے زینہ چڑھنے لگا۔ چھت پر صرف دو کمرے بنے ہوئے تھے۔ میں اس کمرے کی طرف بڑھا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اب آوازیں بالکل واضح آ رہی تھیں۔

''مما...... مما! میرا بھالو بھائی نے لیا ہے۔ دو مجھے دو......''

''فیضان! کیوں شور و غل کر رہے ہو؟ ایک جگہ بیٹھ جاؤ' میں تھپڑ لگا دوں گی۔ بہت تنگ کرتے ہو تم مجھے۔'' مسز جمال کا تیز لہجہ میرے کانوں سے ٹکرایا۔ وہ غصے میں بچوں کو ڈانٹ رہی تھیں۔

''نہ تم مجھے چین سے بیٹھنے دیتے ہو نہ اپنے پاپا کو۔ کچھ خیال ہے' تمہارے پاپا سو رہے ہیں' اتنا شور مچایا ہوا ہے۔ چلو سب اپنی اپنی جگہ سکون سے بیٹھ جاؤ۔ مل کر کھیلا کرو' ہر وقت بہن کو ستاتے ہو۔ شاباش! بھالو اجیہ کو دو۔ عرفی! اجیہ کو نہ چھیڑو' ادھر آؤ میرے پاس......!'' مسز جمال اب نرمی سے بچوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں مگر لگتا تھا کہ بچے سدا کے ہٹ دھرم تھے۔ ایک ہی تکرار تھی۔

''مما! میرا بھالو بھائی نے لیا ہے۔''

''اجیہ! مما کو نہ ستاؤ' مما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' میں کچھ دیر باہر کھڑا سنتا رہا پھر نہ جانے کیوں بغیر دستک دیے دروازے کو آہستہ سے اندر کی طرف دھکا دیا۔ بے آواز دروازہ کھلتا چلا گیا اور میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''جمال! جمال...... تم دیکھ رہے ہو' یہ بچے کتنے شریر ہوتے جا رہے ہیں؟ انہیں صرف تمہارے حد سے زیادہ لاڈ نے بگاڑا ہے۔ مگر...... مگر ایک بات ہے جمال! ان کا شور و غل ہی تو میری زندگی ہے۔ یہ نہ بولیں تو پورے گھر میں سناٹا چھا جاتا ہے۔''

میں سانس روکے دم بخود کھڑا تھا۔ مسز جمال کی پشت میری طرف تھی اور چہرہ اسی طرف تھا جہاں دیوار پر ایک بڑی سی تصویر لگی تھی۔

یہ ایک پُرکشش اور وجیہہ مرد کی تصویر تھی۔ کشادہ پیشانی' بھوری آنکھیں' ہونٹوں پر خوب صورت دل فریب سی مسکراہٹ اس تصویر کو مزید حسن بخش رہی تھی۔ کشادہ پیشانی پر بڑی خوب صورتی سے گھنگھریالے بال بکھرے ہوئے تھے۔

کمرے میں سوائے مسز جمال کے کوئی نہیں تھا اور ایک ساتھ تین ٹیپ چل رہے تھے۔ ملی جلی آوازیں...... ایک شور ہنگامہ۔ مسز جمال مستقل ان کیسٹ کی چلتی ہوئی آوازوں کے ساتھ ساتھ بول رہی تھیں۔

''جمال! جمال! تمہیں پتا ہے میرا کولیگ رمیز ایک مخلص دوست ہے۔ میں اس کی نظروں کا مفہوم خوب سمجھتی ہوں بہت اچھی طرح...... مگر جمال اسے نہیں پتا! میں اب تمہارے ساتھ رہنے کی عادی ہو گئی ہوں۔ مجھے تمہاری یادوں کے ساتھ رہنے کی عادت ہے۔ کوئی مجھے ان یادوں سے نکالنا بھی چاہے تو نہیں نکال سکتا۔ یہاں میری پوری دنیا آباد ہے' یہ میرے دل کی بستی ہے۔ میں آزاد ہوں اس بستی میں...... کتنا سکون ہے یہاں۔ تمہیں پتا ہے جمال! رمیز مجھے کھوجنا چاہتا ہے مگر میں اسے یہ حق نہیں دوں گی کہ وہ میری بسی بسائی دنیا کو ملیامیٹ کر دے۔ جمال! میں تم سے کچھ نہیں چھپاتی۔ تم سے سب کہہ دیتی ہوں......'' بچوں کے شور و غل کی آواز مستقل جاری تھی۔ تبھی ان کا لہجہ ٹوٹا۔ ''ارے! تم لوگ مانتے کیوں نہیں...... فیضان! اجیہ کو نہ ستاؤ' چین سے بیٹھ جاؤ۔'' مسز جمال نے ہاتھ بڑھا کر تینوں ٹیپ آف کر دیئے۔ کمرے میں یک لخت مکمل سناٹا چھا گیا۔ اب ویران کمرے میں صرف مسز جمال کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

میں دم بخود کھڑا رہا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ مسز جمال کو اس دنیا سے باہر نکال لاؤں یا انہیں اسی خول میں بند رہنے دوں۔

قسط نمبر 33

پتھروں کی پلکوں پہ

نازیہ کنول نازی

پتھر بنا دیا مجھے رونے نہیں دیا
دامن بھی تیرے غم نے بھگونے نہیں دیا
دل کو تمہاری یاد کے آنسو عزیز تھے
کوئی بھی درد اور سمونے نہیں دیا

ابھی ٹھہرو ابھی کچھ دن لگیں گے
وصل کو خواہش بنانے میں
تمہیں اپنا سمجھنے کے لیے دل کو منانے میں
وفا کیا ہے تقاضائے محبت کی حدیں کیا ہیں؟
حدوں کی سرحدیں کیا ہیں؟
پھران کے پار جانے کا سبب کیا ہے؟
دھیان و بے دھیانی میں
تمہاری بھیگتی باتوں کی ندیا کی روانی میں
کہانی ہی کہانی میں
ابھی ٹھہرو ابھی کچھ دن لگیں گے
رشتہ بے نام کو ہم نام کرنے میں
کہانی کو کسی آغاز سے انجام کرنے میں
کہیں اظہار کرنے میں کہیں اقرار کرنے میں
ابھی ٹھہرو ابھی کچھ دن لگیں گے

نگاہیں ٹیلی ویژن اسکرین پر جمائے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا جب انوشہ آہستہ سے دروازہ کھول کر کمرے میں چلی آئی۔

''السلام وعلیکم!''

وہ بے ساختہ چونکا تھا۔

"وعلیکم السلام! خدا کا شکر ہے کہ شکل نظر آئی۔ کہاں تھیں دن بھر؟"
"انٹرویو دینے گئی تھی جاب کے لیے اور میرا انتخاب بھی ہو چکا۔"
"اچھا...... انٹرویو دیتے ہی انتخاب ہو گیا؟"
"جی ہاں......" اس کی مبہم مسکراہٹ پر وہ تپ گئی تھی۔
"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم جاب کیوں کرنا چاہتی ہو؟"
اگلے ہی پل وہ سنجیدہ ہوا تھا۔ انوشہ نے رخ پھیر لیا۔
"ہاں...... جو تعلق آپ نے زور زبردستی اور دھوکے سے میرے ساتھ باندھا ہے۔ میرے لیے اس تعلق کی کوئی اہمیت نہیں، میں اب بھی نفرت کرتی ہوں تم سے، میرے لیے اب بھی تمہارا ایک روپیہ اپنی ذات پر خرچ کرنا حرام ہے، تم جانو یا نہ جانو مگر میں نے اب تک تمہارے گھر میں سوائے پانی کے اور کوئی چیز اپنے حلق سے نہیں اتاری، تم سمجھتے ہو تم نے اس سنسان جزیرے کو فتح کر کے بڑا کام کیا، مگر میں آخری سانس تک خود پر تمہارا حق تسلیم نہیں کروں گی۔"
ایک سناٹا تھا جو ان الفاظ پر شاہ زر کے اندر تک اتر گیا تھا۔ وہ سپاٹ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔
نفرت اور ضد کی اگر کوئی حد تھی تو انوشہ رحمٰن پر وہ حد ختم تھی۔
"ٹھیک ہے اور کچھ......؟"
گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے اس لڑکی کی نفرت سے شکست تسلیم کی تھی۔
"اور کچھ نہیں، میں ایک ہی کمرے میں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتی، اس لیے میں نے اوپر کا ایک کمرہ اپنے لیے سیٹ کر لیا ہے۔"
"تم" اور "آپ" کے درمیان پھنسی وہ نظریں جھکائے مزید مطالبات پیش کر رہی تھی۔
شاہ زر نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔
"ٹھیک ہے، بات اگر رشتے کی بے وقعتی اور حساب کتاب تک آ ہی پہنچی ہے تو پھر اس معاملے کو اچھی طرح سے حل کرتے ہیں...... ہوں......"
اب وہ گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"تمہارے لیے میری ہر چیز حرام ہے تو پھر میرے لیے تمہاری خدمتیں حلال کیسے ہو سکتی ہیں؟ مانا کہ اس گھر میں ہر کام کے لیے ملازمین موجود ہیں مگر پھر بھی تم میرے بیٹے کو سنبھالتی ہو، اس کا خیال رکھتی ہو تمہارے اس کام کا بھی معاوضہ ہونا چاہیے۔"
"ہرگز نہیں...... آپ بھول رہے ہیں کہ آپ کے بیٹے سے میرا بھی کوئی تعلق ہے، جائز ماں ہوں، میں اس کی، اور آج تک کسی ماں نے اپنے بچے کی پرورش کے پیسے نہیں لیے، ہاں البتہ آپ کے پیسے بنتے ہیں میری طرف، اس گھر میں رہنے کے پیسے، اور وہ میں ضرور دوں گی۔"
اس لڑکی کی کوئی کل سیدھی نہیں تھی۔
شاہ زر لب بھینچ کر اپنے اندر اٹھتے غصے کے طوفان کو ضبط کر گیا۔

"اس سے پہلے کہ میرے لبوں سے کچھ غیر مناسب الفاظ نکلیں، یہاں سے چلی جاؤ انوشہ، پلیز......" وہ اس لڑکی سے کبھی جیت نہیں سکتا تھا۔ انوشہ بنا اس کے چہرے پر نگاہ کیے خاموشی سے کمرا چھوڑ گئی۔

❁......❁......❁

شدید سردی میں بنا کمبل کے ٹی وی کے سامنے بیٹھا وہ انگلش مووی سے دل بہلا رہا تھا جب ریان زور سے اس کے کمرے کا دروازہ دھکیلتے ہوئے اندر چلا آیا۔
"چاچو مما بلا رہی ہیں۔"
"مما سے کہو چاچو فری نہیں ہے۔"
بنا نگاہ اسکرین سے ہٹائے اس نے پٹ سے جواب دے دیا۔
"کیا کر رہے ہیں؟"
"مووی دیکھ رہا ہوں۔"
"چاچو...... ٹیچر کہہ رہی تھیں مووی دیکھنے سے گناہ ہوتا ہے۔ اللہ میاں بہت مارتا ہے۔"
"اچھا...... کس چیز سے مارتا ہے اللہ؟"
وہ مسکرایا تھا۔ ریان چپ ہو گیا۔
"پتا نہیں، یہ تو ٹیچر نے نہیں بتایا۔"
"تو پوچھنا ناں یار ٹیچر سے اور اب جاؤ اپنا ہوم ورک کرو شاباش۔"
ٹیلی ویژن اسکرین پر جو سین تھا وہ ریان کے دیکھنے لائق نہیں تھا تبھی اس نے اسے کمرے سے بھگا دیا۔
عین اسی لمحے اس کے سیل پر باقر کی کال آئی تھی۔
"کہاں ہو شہزادے، کال کیوں ریسیو نہیں کر رہے تھے؟"
"سائیلنٹ پر تھا یار، کہو کیا بات ہے؟"
"میں آ رہا ہوں تیری طرف، آج رات بہت غضب کا پروگرام سیٹ کیا ہے ہم نے۔"
"اچھا...... کچھ اسپیشل ہے کیا؟"
"ہاں، بہت اسپیشل ہے۔"
"چلو ٹھیک ہے آ جاؤ، میں گھر پر ہی ہوں۔"
سرعت سے کہہ کر اس نے کال ڈراپ کر دی تھی اور اب اسے باقر کی آمد کے ساتھ رات کے ڈھل جانے کا بھی انتظار تھا۔
"کیا پروگرام ہے؟"
اگلے بیس منٹ میں باقر اس کے پاس تھا۔
"بتایا تو ہے، بہت اسپیشل پروگرام ہے۔ شام میں آصف کی طرف چلیں گے۔ اس کے گھر والے کراچی گئے ہیں آج، تنہا ہو گا گھر پر، وہاں مووی وغیرہ دیکھیں گے پھر ہوٹلنگ وغیرہ کر کے کچھ پینے پلانے کا پروگرام ہو گا اور اس کے بعد اسپیشل پروگرام......"

ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگاتے ہوئے اس نے بتایا تھا۔

"عدی نے برا سا منہ بنا کر رخ پھیر لیا۔

"چلو......"میں سمجھا پتا نہیں کیا اسپیشل پروگرام ہوگا' یہ تو روز کا کھیل ہے۔"

"یار اس بار لڑکی بہت غضب کی ہے اور زیادہ پروفیشنل بھی نہیں۔"

موویٰ دیکھنے کی بجائے یار کلب چلیں گے اور کچھ ہلا گلا کریں گے۔"

"ٹھیک ہے......جیسی تیری خوشی۔"

وہ سارے دوستوں کا لاڈلا تھا۔ اس لیے ہر بار اسی کی خواہش کا احترام کیا جاتا تھا۔

"اب انکل کی طبیعت کیسی ہے؟"

اگلے ہی پل چلغوزے چھیلتے ہوئے باقر نے اس سے پوچھا تو عدی نے ٹی وی آف کر دیا۔

"پہلے سے بہتر ہیں۔"

"اور وہ ان کی دل کا کیا بنا' تجھے کچھ دیں گے کہ نہیں؟"

"مجھے کچھ نہیں چاہیے ان سے نہ دیں کچھ......"

"مگر یار یہ تیرا حق ہے' تو اپنا حق چھوڑ دے گا۔"

"ڈیم اٹ یار' چل مارکیٹ چلتے ہیں' کچھ چیزیں خریدنی ہیں اپنی گرل فرینڈ کے لیے۔"

وہ بیزاری سے بولا تو باقر فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

❀......❀......❀

طلال ہمدانی کا شمار ارب پتی رئیسوں میں ہوتا تھا۔ اپنی جوانی آرمی میں بھرپور عیش و عشرت کے ساتھ بسر کرنے کے بعد ریٹائر ہو کر انہوں نے اپنا ذاتی کاروبار شروع کر دیا تھا۔ جس میں ان کے دو بڑے بیٹوں عفان اور منان نے ان کی بھرپور مدد کی۔

عدنان کا نمبر چوتھا تھا۔ اس کی پیدائش پر طلال صاحب اپنی محبوب بیگم کو کھو بیٹھے تھے۔ لہٰذا ایک گرہ سی پڑ گئی تھی دل میں' اس کے لیے اور اس گرہ نے ان دونوں باپ بیٹوں کو کبھی ایک دوسرے کے قریب ہونے ہی نہیں دیا۔ عدنان سے بڑا اشنان تھا اور وہ تعلیم کے سلسلے میں ملک سے باہر تھا۔ عفان اور منان دونوں شادی شدہ تھے اور ایک ہی گھر میں اکٹھے رہ رہے تھے۔ دونوں کی بیگمات سگی بہنیں تھیں لہٰذا امن و سکون تھا گھر میں' ریان عفان ہمدانی کا بیٹا تھا اور عدنان سے بے حد کلوز تھا۔ منان کے گھر ابھی اولاد نہیں ہوئی تھی لہٰذا گھر بھر کی محبتوں کا واحد وارث وہی تھا۔

عفان شاہ زر کا دوست تھا اور اسی کے کہنے پر اسکول کے بعد اس نے ریان کو گوری کی اکیڈمی میں اسلامی تعلیمات کے لیے بھیجنا شروع کیا تھا۔

ماں کے وجود سے محرومی اور باپ کے سرد رویے نے عدنان کو خودسر اور عیاش بنا دیا تھا' اسے ہر وہ کام کر کے دل کو تسکین حاصل ہوتی تھی جو اس کے گھر والوں' خصوصاً باپ کو ناگوار گزرتا' ایم بی اے کرنے کے باوجود اسے جاب یا بزنس میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

اخلاق سوز فلمیں دیکھنا، شراب پینا اور غلط کاریوں کو اپنا محبوب مشغلہ اپنانے میں اس کے بگڑے ہوئے آوارہ دوستوں نے اس کی پوری پوری مدد کی تھی۔ وہ بلا کا ضدی اور موڈی تھا۔ گھر بھر میں اسے ریان کے سوا کوئی بھی پسند نہیں کرتا تھا تاہم اسے اس کی پروا بھی نہیں تھی۔

کئی بار اس پر کیس بنتے بنتے تھے۔ کئی بار وہ روڈ ایکسیڈنٹ کی نذر ہوا تھا مگر ہر حادثے کے بعد اس کی ذات پر چڑھی بے حسی کی چادر مزید موٹی ہوتی جاتی تھی۔

اس رات بھرپور عیاشی کے بعد وہ گھر واپس لوٹا تو نشے سے اس کا انگ انگ چور تھا۔

اپنے کمرے میں آنے کے بعد اس کا شدت سے دل چاہا کہ کاش کوئی نرم آغوش ہو جو اس کے وجود کو قیمتی متاع کی طرح سمیٹ کر میٹھی نیند سلا دے، مگر وہاں اس سرد کمرے میں سوائے بے جان چیزوں کی سجاوٹ کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ بددل سا جوتے اتارے بغیر بیڈ پر گر پڑا۔ جسم ہلکا ہلکا گرم ہو رہا تھا۔ اگلے روز کہیں شام میں اس کی آنکھ کھلی تھی اور آنکھ کھلتے ہی پہلا احساس ''درد'' کا ہوا تھا۔ یوں لگا جیسے سارا وجود درد کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہو، تیز بخار کی حدت نے ایک ایک عضو جیسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر خواہش کے باوجود جسم کو حرکت نہ دے سکا۔

حلق میں جیسے کانٹے اگ آئے تھے اور آنکھیں یوں جل رہی تھیں گویا انگارے ہوں۔ یہ سب سرد موسم سے بے پروائی اور ضرورت سے زیادہ عیاشی کے سبب ہوا تھا۔ مگر اسے احساس نہیں تھا نہ ہی گھر کے کسی فرد نے اس کے کمرے میں جھانکنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ تیز بخار کے حصار میں دکھتے وجود کے ساتھ بے سدھ سا وہ یونہی پڑا رہا تھا جب اچانک اسے اپنی پیشانی پر نرم ہاتھوں کی سکون آمیز گرماہٹ کا احساس ہوا، خمار سے بوجھل نگاہوں کو بمشکل کھول کر دیکھا تو ریان اس کے کندھے کے قریب بیٹھا اپنے ننھے منے ہاتھوں سے اس کا سر دبا رہا تھا۔

اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

''چاچو...... میں نے کہا تھا ناں مووی نہ دیکھیں اللہ مارتا ہے۔''

معصوم سا منہ بنا کر وہ اسے یاد کروا رہا تھا، عدی نے ذرا سا مسکرا کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''ٹھیک ہے اور کس کس بات پر اللہ مارتا ہے؟''

''ٹیچر کہہ رہی تھیں جب ہم سے کسی کو تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ ناراض ہو جاتا ہے، کیونکہ اللہ اپنے بندوں سے بہت پیار کرتا ہے۔''

''اور اللہ خوش کیسے ہوتا ہے؟''

''یہ تو ٹیچر کو پتا ہے، کل پوچھوں گا ان سے، میری ٹیچر بہت اچھی ہیں۔''

''چاچو سے بھی زیادہ اچھی؟''

''اوں...... اچھی تو بہت ہیں مگر چاچو سے زیادہ نہیں۔''

وہ مسکرایا تو عدی نے ہاتھ بڑھا کر اسے خود سے لپٹا لیا۔

''چاچو...... میری ٹیچر بہت اچھی کہانیاں سناتی ہیں، قرآن پاک میں اللہ نے ہماری بہتری اور بھلائی کے لیے جو باتیں کی ہیں وہ سب بتاتی ہیں ہمیں اور ساری دعائیں بھی یاد کرواتی ہیں۔''

''اور کیا کیا کرتی ہے آپ کی ٹیچر؟''

''بچوں سے پیار کرتی ہیں، نماز پڑھنا سکھاتی ہیں، آپ ٹیچر سے نماز پڑھنا سیکھو گے؟''

''نہیں یار، میری پٹائی کریں گی وہ۔''

''نہیں چاچو، میری ٹیچر پٹائی نہیں کرتیں، بہت پیار سے پڑھاتی ہیں۔''

''چلو پھر ٹھیک ہے، تب تو سیکھنا ہی پڑے گا۔''

ریان کے بالوں میں پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے اسے بہلایا تھا تبھی اس کی دوست زاویہ ہلکے سے دروازہ ناک کرتے ہوئے کمرے میں چلی آئی۔

''ہائے عدی، کیسے ہو؟ باقر سے پتہ لگا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔''

''ہاں یار، کل رات بس خیال نہیں کیا تو بخار ہو گیا، تم سناؤ کیسی ہو، کہاں ہوتی ہو آج کل؟''

''میں نے کہاں ہونا ہے، تمہیں تو پتا ہے کسی مسئلے میں پھنس گئی تھی اوپر سے اس اسٹوپڈ انسان نے مووی بنا کر نیٹ پر پھیلا دی، پاپا اور مما نے تو قطع تعلق کر لیا، آج کل دانی کے ساتھ رہ رہی ہوں اب اس کی بھی نت نئی فرمائشیں شروع ہو گئی ہیں۔''

''ہوں...... یہ تو ہے، آگ گھی کے پاس رہے تو اس کا بچے رہنا ناممکن ہے۔ اب یہ سارے حالات تو فیس کرنا ہی پڑیں گے کیونکہ واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔''

''ایک راستہ ہے...... اگر تم مجھ سے شادی کر لو تو، میں ہر برائی چھوڑ سکتی ہوں۔''

زاویہ نے کہا تھا اور وہ بے ساختہ مسکرا اٹھا تھا۔

''سوری یار، میں ابھی شادی کی پوزیشن میں نہیں ہوں، تم دانی سے کہو وہ کر لے گا۔''

''تم سے پہلے اسے ہی کہا تھا، شادی کے لیے، ایکسکیوز کر لیا ہے اس نے، مگر دوست کی حیثیت سے تعلق بنانا چاہتا ہے۔''

بہنوں کی عدالت

قارئین بہنوں کے بے حد اصرار پر ہم یہ نیا سلسلہ آنچل کے سال گرہ نمبر سے شروع کر رہے ہیں۔ جس میں قارئین بہنیں اپنے پسندیدہ رائٹرز سے اپنی من پسند کوئی بھی بات یا سوال پوچھ سکتی ہیں۔ بہنوں کی عدالت کی پہلی پیشی کے لیے عفت سحر طاہر کے لیے آپ ادارے کو ۵ فروری تک سوالات ارسال کر سکتی ہیں۔ مئی کے آنچل کے لیے ڈاکٹر تنویر انور خان ان کے لیے ۵ مارچ تک اپنے سوالات ادارے کو لازمی ارسال کر دیں۔

”پھر کیا کرنا ہے؟“

”کیا کرسکتی ہوں، چڑیا کے گھونسلے سے گرے بچے کا کوئی مقام نہیں ہوتا، نہ ہی درخت سے گرے پتوں کو کوئی اٹھا کر جھولی میں بھرتا ہے۔ یہاں گرنے والی ہر شے کے مقدر میں روندے جانا لکھ دیا گیا ہے عدی سو میں بھی آج کل ہر ایک کے پاؤں تلے آرہی ہوں۔“

”جسٹ شٹ اپ یار، اتنا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ویسے بھی تم نے کوئی انوکھا غلط کام نہیں کیا، آج کل سبھی یہی کررہے ہیں پیار میں، پھر ان کی شادیاں بھی ہوجاتی ہیں اور ہنسی خوشی زندگی بھی گزار لیتے ہیں، تمہیں بھی کوئی نہ کوئی اچھا لڑکا مل ہی جائے گا۔“

”خود فریبی ہے یہ اور کچھ نہیں، بہرحال کرنی تو بھگتنا ہی پڑتی ہے، جس طرح کسی پھل کا اگر چھلکا اتار کر اسے فروخت کیا جائے تو اسے کوئی نہیں خریدتا بالکل اسی طرح چادر اتری عورت بھی مکروہ ہوجاتی ہے یہ پردا ہی ہے عدی جو ہزار آزمائشوں اور مصیبتوں سے بچاتا ہے، ہم نفس کی آگ میں بھسم ہوکر جب اس پردے کی حرمت کا سودا کرلیتے ہیں تو پھر دربدر، ٹھوکریں کھانا ہی مقدر بن جاتی ہیں۔“

”اوہیلو، زیادہ مذہبی اور فلسفی ہونے کی ضرورت نہیں ہے، زندگی تھرل کا نام ہے، موج مستی، انجوائے منٹ کا نام ہے، اسے موج مستی میں گزارو، بس۔“

”نہیں عدی، بڑی گمراہی ہے یہ، بڑا ظلم ہے یہ اپنی ذات پر، جس چیز کی کوئی گارنٹی نہیں اس پر بھروسہ کرکے خود کو تباہ کرنا کہاں کی دانش مندی ہے؟“

”میرا خیال ہے اب تم مار کھاؤ گی مجھ سے، کہیں ریان کی ٹیچر سے مل کر تو نہیں آرہیں۔“

”نہیں......“ وہ اداسی سے مسکرائی تھی۔

عدنان نے کمبل پرے پھینک دیا۔

”تم بیٹھو میں ابھی فریش ہوکر آتا ہوں، پھر آؤٹنگ کے لیے چلتے ہیں۔“

خراب طبیعت کی پروا کیے بنا وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ زادیہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

ریان نے دیکھا اس کے بازو اور پیٹ عریاں تھے۔ اس وقت جو جین اس نے پہن رکھی تھی وہ اس کے خوب صورت جسم کو مزید عیاں کررہی تھی بے ساختہ اس کے تصور میں اپنی ٹیچر کا سراپا آگیا۔ خوب صورت عبایا میں سر پر اسکارف لپیٹے وہ اتنی پرنور دکھائی دیتی تھی کہ ریان زیادہ دیر اس کی آنکھوں میں دیکھ ہی نہ پاتا مگر سامنے بیٹھی یہ عورت اس کی مما کی کاپی ہی لگ رہی تھی، وہ بجھا بجھا سا اٹھ کھڑا ہوا۔

”اگر میں مما سے کہوں کہ وہ ٹیچر جیسے کپڑے پہنیں تو کیا مما مان جائیں گی؟ اگر چاچو اس آنٹی سے وہ کپڑے پہننے کے لیے کہیں تو کیا یہ مان جائیں گی......“

انہی سوالوں میں الجھا وہ عدنان کے کمرے سے نکل گیا تھا۔

اگلے روز اکیڈمی میں وہ گوری کو یہ بات بتا رہا تھا۔

”ٹیچر میری مما اور چاچو کی دوست آپ کے جیسے کپڑے کیوں نہیں پہنتیں؟“

گوری اس کے سوال پر مبہم سا مسکرائی تھی۔

”اس سوال کا جواب بہت گمبھیر ہے ریان، آپ نہیں سمجھو گے، خدا کی اس کائنات میں روئے زمین پر اس شخص سے زیادہ بدنصیب اور قابل ترس شخص اور کوئی نہیں، جسے وہ پاک ذات ہدایت نصیب نہ کرے، قرآن پاک کی سورہ الروم پارہ نمبر ۲۱ آیات نمبر ۲۸ اور ۲۹ میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے۔

”اللہ غالب حکمت والا ہے اور وہ تمہارے لیے تمہارے ہی مال کی ایک مثال بیان فرماتا ہے، بھلا انسانوں میں جن غلاموں کے تم مالک ہو وہ اس مال میں جو ہم نے تم کو عطا کیا ہے، تمہارے شریک نہیں؟ کیا تم اس میں ان کو اپنے برابر سمجھتے ہو؟ اور کیا تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جیسے اپنوں سے ڈرتے ہو؟ اور ہم اسی طرح عقل والوں کے لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں مگر جو ظالم ہیں بے سمجھے اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں تو جس کو خدا گمراہ کرے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔“

آیت کا ترجمہ سناتے ہوئے اس کی آنکھیں ہلکی سی نم ہوگئی تھیں۔

”اللہ مہلت دیتا ہے، اختیار بھی دیتا ہے، مگر انسان جب سرکشی اور جہالت میں حد سے بڑھ جاتا ہے تو پھر وہ اپنی گرفت میں جکڑ لیتا ہے، اپنی پکڑ میں لے لیتا ہے اور خدا کی پکڑ بہت سخت ہوتی ہے ریان، بہت پچھتاتا ہے انسان پھر اپنی کوتاہیوں پر، بالکل ویسے ہی جیسے آخرت میں اس پاک ذات کے منکر، کافر اپنے ہاتھ کاٹیں گے دانتوں سے اور اپنی گمراہی پر واویلا کریں گے مگر ان کو معافی نہیں ملے گی، مہلت پوری ہوجائے تو سزا اور جزا کا عمل شروع ہوجاتا ہے اور اگر بداعمالی کی سزا نہ ملے تو نیک اور بد میں اللہ کے فرمانبردار اور نافرمان بندوں میں کوئی فرق ہی نہ رہے۔“

”تو کیا میرے چاچو اور مما کو بھی سزا ملے گی؟“

”اللہ رحم کرنے والا ہے، جسے چاہے بخشنے والا ہے، آپ اللہ سے ان کی ہدایت کے لیے دعا کیا کریں۔“

”کیا دعا کرنے سے ہدایت مل جاتی ہے ٹیچر؟“

بہت معصوم سا سوال تھا مگر گوری کے لبوں پر چپ لگ گئی۔

''ہاں بھی اور نہیں بھی...... انسانی ہستی کی بنیاد ہی جس مرکز پر ہو وہ حاصل ہونا آسان نہیں ہے ریان! ہدایت وہ واحد چیز ہے جو کبھی دل کی گہرائیوں سے گڑگڑا کر مانگے بنا نہیں ملتی' اللہ سب کچھ بن مانگے عطا کرتا ہے مگر ہدایت بن مانگے نہیں دیتا۔''

''آپ بہت اچھی باتیں کرتی ہیں ٹیچر' آپ بہت اچھی ہیں۔''

ریان اس کے لیے اپنے جذبات کا اظہار کررہا تھا وہ نرمی سے مسکرادی۔

''جو اللہ سے پیار کرتے ہیں اللہ ان کے لیے اپنی ساری مخلوق کے دلوں میں عزت اور محبت ڈال دیتا ہے اور جو اللہ سے دور ہوتے ہیں' دنیا کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں مگر انہیں سکون نہیں ملتا' آپ نے دیکھا ہوگا ریان' بڑے بڑے فنکار' گلوکار' خوب صورت سے خوب صورت چہرے' جتنی بھی شہرت اور نام کمالیں' دنیا والوں کے دلوں میں بس جائیں' مگر پوسٹرز اور تصویروں کی صورت پاؤں' سڑکوں اور گندے نالوں میں رلتے پھرتے ہیں' مگر کبھی وہ عورت یا مرد جس کے دل میں اللہ کی محبت اور خوف ہوگا اس کی صورت کسی کیمرے کی آنکھ میں نہیں آئے گی' نہ ہی اس کی بے حرمتی ہوگی۔''

بہت اچھی مثال پیش کی تھی اس نے مگر ریان کی سمجھ میں نہیں آئی۔

وہ گھر آیا تو عدنان لان میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ وہ اسی کی سمت بڑھ آیا۔

''السلام علیکم چاچو!''

''وعلیکم السلام...... آگیا میرا پوپٹ؟''

''جی...... اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟''

''فٹ فاٹ...... تم سناؤ' آج کیا سکھایا آپ کی ٹیچر نے؟''

''بہت کچھ...... ٹیچر کہتی ہیں اللہ مہلت اور اختیار دیتا ہے مگر انسان جب سرکشی اور جہالت میں حد سے بڑھ جاتا ہے تو پھر وہ اپنی گرفت میں جکڑ لیتا ہے۔ اپنی پکڑ میں لے لیتا ہے اور اللہ کی پکڑ بہت سخت ہوتی ہے۔''

''اسٹاپ اٹ یار' ابھی آپ کی عمر نہیں ہے ان باتوں کو ذہن پر سوار کرنے کی' میں کرتا ہوں بھابی سے بات' وقت سے پہلے پاگل کردیں گے یہ لوگ تمہیں۔''

سخت برہم ہو کر بڑبڑاتے ہوئے وہ اٹھا اور دندناتا ہوا ریان کی مما کے کمرے میں جا پہنچا۔ جو ابھی تک نائیٹی میں ملبوس تھیں۔

''بھابی آپ لوگ ریان کے ساتھ کیا کررہے ہیں' کون سی اکیڈمی میں بھیجنا شروع کیا ہے اسے؟ بچے کی شخصیت مسخ ہورہی ہے' نہ کارٹون دیکھتا ہے' نہ ہلا گلا کرتا ہے' لے کر آخرت کے عذاب کی باتیں کرتا رہتا ہے آج کل۔''

''اپنے بھائی سے پوچھنا یہ سوال' جن پر مولوی بننے کا بھوت سوار ہوا ہے آج کل' میری تو خود بڑی جھڑپ ہوئی ہے ان سے' میں کیا کروں۔''

''بھائی ہر وقت گھر پر نہیں ہوتے' آپ کل سے ریان کو اکیڈمی نہیں بھیجیں گی۔''

''اپنا حشر نہیں کروانا میں نے' بہت سختی سے تاکید کی ہے انہوں نے۔''

''تو ٹھیک ہے' پھر اس محترمہ ٹیچر صاحبہ کے دماغ کی برین واشنگ کرنی پڑے گی مجھے۔''

سرخ چہرے کے ساتھ لب کاٹتے ہوئے اس نے گویا اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اگلے روز وہ خود ریان کو اکیڈمی لے کر آیا' گوری اندر کلاس میں تھی' اسے آفس میں ٹھہرالیا گیا۔

''میم...... آپ سے کوئی عدنان صاحب ملنے آئے ہیں۔''

وہ قرآن پاک کے مطالعے میں مشغول تھی جب آفس بوائے نے آکر پیغام دیا' وہ چونک اٹھی۔

''کتنی بار کہا ہے مجھے میم نہیں آپی یا باجی کہا کرو' اور آفس میں کیا نصیر صاحب نہیں بیٹھے؟''

''بیٹھے ہیں جی' پر وہ صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے' انہیں مہمان خانے میں بٹھائیں' میں آتی ہوں۔''

شرمندہ سے آفس بوائے کو پر اعتماد لہجے میں کہتی وہ پھر سے قرآن پاک کے مطالعے میں مشغول ہوگئی۔

تقریباً تیس منٹ کے بعد وہ مہمان خانے میں داخل ہوئی تو عدنان کے ضبط کی انتہا ہوچکی تھی۔

''السلام علیکم!''

سرسری سی اک نگاہ اس کے رف سراپا پر ڈالتے ہوئے اس نے نرمی سے سلام کیا تھا مگر عدنان نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

''بیٹھیے' مجھے اپنے بھتیجے کے سلسلے میں کچھ بات کرنی ہے آپ سے۔''

''جی فرمایئے۔'' بلا کی پر اعتمادی کے ساتھ وہ قدرے فاصلے پر بیٹھ گئی تھی۔

''فرمانا کچھ نہیں' صرف انفارم کرنا ہے' آپ قرآن کی آڑ لے کر ننھے منے بچوں کو فضول میں ذہنی مریض بنارہی ہیں' میں نہیں جانتا کہ آپ کا اصل کیا ہے اور میں جاننا بھی نہیں چاہتا' مگر میں آپ کو بتادوں' آپ برائے مہربانی ریان کو ہراساں مت کریں' ورنہ میں برداشت نہیں کروں گا۔''

''اچھی بات ہے' کوئی آپ کے بچے کو ٹارچر یا ہراساں کرے تو آپ کو برداشت کرنا بھی نہیں چاہیے مگر یہاں اس اکیڈمی میں ایسا کچھ نہیں ہوتا' یہاں صرف قرآن پاک کی تعلیم دی جاتی ہے اور بس۔''

''قرآن پاک کی تعلیم میں معصوم بچوں کو عذابوں کے احوال سنا سنا کر کون سا علم بانٹ رہی ہیں آپ؟''

''وہی جو آپ کو نہیں ملا۔''

''جسٹ شٹ اپ' خوب اچھی طرح جانتا ہوں میں آپ جیسی لڑکیوں کی حقیقت' یہ عبایا اور اسکارف میں خود کو لپیٹ کر زیادہ پارسا ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت اوپر کی حدوں تک جاتے دیکھا ہے میں نے' ایسی اللہ اللہ کرنے والی نیک پروین بیبیوں کو' لہٰذا مجھ پر اپنا علم اور عقل مت جھاڑو' سمجھی آپ؟''

وہ صرف عیاش نہیں' خودسر بھی تھا' گوری کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔

''میرا خیال ہے آپ ضرورت سے زیادہ بکواس کرچکے ہیں' اب جایئے یہاں سے۔''

''جانے کے لیے ہی آیا ہوں' دوبارہ شکایت نہ ہو۔''

وہ کھڑا ہوا تھا، گوری نے اس کی تنبیہہ پر سر جھٹک دیا۔

"اپنے بھتیجے کو بھی ساتھ لے جائیے، تاکہ دوبارہ یہاں آنے کی زحمت گوارہ نہ کرنی پڑے۔"

پل میں فیصلہ سنا دیا تھا اس نے۔ عدنان بنا توجہ کیے سرخ چہرے کے ساتھ وہاں سے نکل آیا۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

دھوپ کے دشت میں شیشے کی ردائیں دی ہیں
زندگی تونے ہمیں کیسی سزائیں دی ہیں
اک دعاگو نے رفاقت کی تسلی دے کر
عمر بھر ہجر میں جلنے کی دعائیں دی ہیں

ٹیلی ویژن اسٹوڈیو میں اس کا وہ چوتھا چکر تھا۔ کل مالک مکان نے اس سے اپنا مطالبہ پورا نہ ہونے پر گھر کا سامان نکال کر باہر پھینک دیا تھا۔ ایان کا کوئی پتہ نہیں تھا اور سمعان اپنی معذوری کے ساتھ فوری طور پر پانچ ہزار روپے حاصل کرنے میں قطعی ناکام رہا تھا۔ سردی اتنی تھی کہ ہڈیوں میں گھستی تھی۔

رات بھر جاگ کر گلی میں بسر کرنے کے بعد صبح ناشتے کے نام پر بنا کچھ کھائے پیے وہ پھر اسٹوڈیو چلی آئی تھی۔ آج ڈائریکٹر کو شاید اس پر ترس آ گیا تھا تبھی پون گھنٹہ انتظار کے بعد بالآخر انہوں نے اسے اپنے آفس میں بلالیا۔

"جی مس صاعقہ تو آپ پیسے کے لیے شوبز جوائن کرنا چاہتی ہیں۔"

"جی۔"

"کہیں کوئی جاب وغیرہ کرتی ہیں کہ نہیں؟"

"جی نہیں اب نہیں کرتی۔"

"گھر میں کون کون ہیں؟"

"سبھی ہیں بیمار ماں، معذور بھائی اور عمر کی سیڑھیاں تیزی سے پھلانگتی لاچار بہن۔"

"ہوں۔" مقابل بیٹھے اس گدھ کے چہرے پر اچانک مسکراہٹ آئی تھی۔

"غربت بھی بڑی ظالم چیز ہے، خیر کام مل جائے گا آپ کو، مگر پہلے آپ کو میرے ساتھ ایک کپ چائے پینا پڑے گی، وہ بھی میرے گھر پر۔"

"آپ کے گھر پر کیوں؟" خوش ہوتے ہوتے وہ اچانک ٹھٹکی تھی۔ جواب میں ڈائریکٹر واصف نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں گھر پر بہت سکون محسوس کرتا ہوں، آج کل تو بیگم صاحبہ بھی میکے گئی ہوئی ہیں، بہت تنہائی محسوس ہوتی ہے، قسم سے۔"

آنکھوں کا رنگ بدلتا وہ شخص کسی طور "ڈاکٹر عارف" سے الگ نہیں تھا۔

صاعقہ نے بدک کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"نہیں...... میں آپ کے گھر نہیں جاسکتی۔"

"گھر نہیں جاسکتی تو میرے Play میں کیسے آسکتی ہو، بولو۔"

وہ ان چند ایمان فروش لوگوں میں سے تھا جو خفیہ طور پر دوسروں کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ صاعقہ نے آنسو بھری نگاہوں کے ساتھ سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر آہستہ سے کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں مڈل کلاس گھرانے کی بھوک سے تنگ آئی لڑکی سہی، مگر عزت کا سودا کبھی نہیں کروں گی۔" شکست کے ساتھ ساتھ اس کے لہجے میں غصہ بھی تھا۔ ڈائریکٹر ہنس دیا۔

سامنے دور تک شفاف سڑک بچھی تھی۔ وہ آزردہ سی سر اٹھا کر دیکھتی رو پڑی۔

"کاش تم کبھی میرے مقابل آؤ عباد یاور اور میں اپنے جاندار تھپڑوں سے تمہارا چہرہ سرخ کرسکوں۔" کٹتے دل سے مجبور بہت آہستہ سے اس نے سرگوشی کی تھی۔ تبھی کسی نے اسے پکار لیا۔

"ایکسکیوزمی۔"

❀ ...... ❀ ...... ❀

"عباد......"

موسم بے حد خراب تھا، باہر تیز بارش ہو رہی تھی۔ اسٹاف کے تمام لوگ آفس سے نکل چکے تھے مگر وہ بنا بخار کی پروا کیے نگاہ کمپیوٹر اسکرین پر جمائے کسی گہری سوچ میں گم سب سے کٹ کر بیٹھا تھا جب ہادیہ نے سرسری سا اس کے کمرے میں جھانکتے ہوئے اسے پکار لیا۔

عباد نے چند ساعت کے لیے نگاہیں کمپیوٹر اسکرین سے ہٹائی مگر پلٹ کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔

"تم یہاں بیٹھے ہو اور میں کب سے تمہارے سیل پر ٹرائی کر رہی ہوں۔ باہر موسم دیکھو کتنا خراب ہے، کیا گھر نہیں جانا؟"

"نہیں...... ابھی نہیں۔"

"کیوں......؟ آنٹی کی تین کالز آچکی ہیں۔ بہت پریشان ہیں تمہارے لیے۔"

"انہیں کہہ دو میں ٹھیک ہوں، اور تم جاؤ پلیز۔"

"تمہیں تنہا چھوڑ کر چلی جاؤں، ہرگز نہیں۔"

"ہادیہ پلیز......"

"کیا پلیز...... ضروری نہیں کہ ہر بات تمہاری مانی جائے، تمہیں اب مجھ میں دلچسپی نہیں نہ سہی، تمہیں مجھ سے شادی نہیں کرنی، نہ کرو، مگر تم میرے دوست ہو عابی، فرسٹ کزن ہو میرے، میں تمہیں اس وقت یوں تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتی سوری۔"

وہ اس کی اندرونی کیفیت سے بے خبر نہیں تھی۔ عباد نے کرب سے پلکیں موند لیں۔

"بہت بڑا گیم کھیلا ہے تم لوگوں نے میرے ساتھ ہادیہ، بہت بڑا گیم۔"

"کیا مطلب؟" وہ بڑبڑایا تو ہادیہ چونک اٹھی۔

"تم جانتی ہو، بہت اچھی طرح سے جانتی ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ ایک منصوبے کے تحت آسٹریلیا بھیج کر میری عدم موجودگی میں، پھر دولت کی چھری سے محبت کی گردن کو ذبح کیا ہے تم لوگوں نے، مگر یاد رکھنا، میں اسے

کبھی کھونے نہیں دوں گا' ڈھونڈ کر رہوں گا اسے' چاہے وہ سمندر پار ہی کیوں نہ چلی جائے۔"

اس کی آنکھوں میں ہلکی نمی کے ساتھ سرخی بھی تھی۔

ہادیہ کا دل عجیب سے خوف میں دھڑک اٹھا

"تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے مجھے یا انکل آنٹی کو کوئی ضرورت نہیں تمہیں کسی سے دور کرنے کی۔"

"ضرورت نہیں تکلیف تھی' جبھی یہ سب پلان کیا تم لوگوں نے' آفس مینیجر سب بتا چکا ہے مجھے' وہ یہاں آئی تھی' تم سے ملی تھی مگر تم نے مجھ سے جھوٹ بولا' کتنی اذیت کی بات ہے کہ مما نے بھی اس کھیل میں تمہارا ساتھ دیا۔"

پلٹ کر اٹھتے ہوئے وہ دھاڑا تو ہادیہ نے رخ پھیر لیا۔

"کھیل کیسا...... ہاں میں نے جھوٹ بولا تم سے' کیونکہ میں تمہیں اذیت میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔" دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے ایک پل میں اس نے کہانی بنائی۔

عباد نے تنفر سے سر جھٹک دیا۔

"میں جانتی ہوں تم یقین نہیں کرو گے' مجھے اس سے فرق بھی نہیں پڑتا' مگر میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا' جس سے تم دونوں کے بیچ کوئی دوری آتی' ہاں وہ ہرٹ ہوئی' کیونکہ تم نے اس سے اپنی اصلیت چھپائی تھی' کسی زین کو ڈھونڈتی ہوئی آئی تھی وہ یہاں مگر جب اسے پتا چلا کہ تم زین نہیں عباد ہو' میرے فیانسی' تو وہ جی بھر کر شرمندہ ہوئی' معافی مانگ رہی تھی مجھ سے' میں نے کہا اس سے کہ تم صرف اس سے پیار کرتے ہو' مگر اس نے تھوک دیا تم پر' یہ کہہ کر کہ اسے ایک جھوٹے دولت مند ہمسفر کی کوئی ضرورت نہیں' اگر نہیں یقین آتا تو پوچھ لو مینیجر سے' انکل بھی یہیں تھے' مگر آنکھ بھر کر نہیں دیکھا اس نے انہیں اور چلی گئی۔"

اس بار ہادیہ کی بات میں وزن تھا۔ وہ اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

"محبت میں ہمیشہ پر یقین رہنا اچھی بات ہے' مگر بہتر ہوتا ہے اگر اس کی بنیاد بھی سچ پر رکھی جائے۔" کبھی کبھی سچ کتنا نوکیلا لگتا ہے' عباد کو لگا جو آئینہ اس وقت ہادیہ اسے دکھا رہی تھی اس میں اس کا چہرہ بے حد بھیانک ہو گیا ہو۔

وہ پلٹا تھا اور پھر بنا ایک لفظ کہے آفس سے نکل گیا۔

باہر اب بھی تیز بارش ہو رہی تھی۔ مگر اسے پروا نہیں تھی' اندر لگی آگ پر جتنے بھی سرد قطرے گرتے کم تھے۔

❀......❀......❀

"عدنان......"

وہ ابھی ابھی باہر سے آیا تھا اور اب تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے اپنے کمرے میں جا رہا تھا جب عفان نے اسے زوردار آواز دے کر پکارا۔ وہ وہیں کھڑا گھوم کر ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"جی۔"

"یہاں آؤ' مجھے کچھ بات کرنی ہے تم سے۔"

ٹی وی دیکھتے ہوئے ان کا لہجہ خاصا خشک تھا۔ وہ لب کچلتا سیڑھیاں اتر آیا۔

"جی فرمائیے۔"

"ریان کی اکیڈمی گئے تھے تم؟" اس کے بیٹھتے ہی تفتیش شروع کی تھی۔

"جی۔"

"کس لیے؟"

"کوئی خاص مقصد نہیں تھا' بس یونہی دماغ ٹھیک کرنے گیا تھا اس کی استانی کا۔"

"جسٹ شٹ اپ...... ہوتے کون ہو تم میرے بیٹے کی ٹیچر کا دماغ ٹھیک کرنے والے' اس کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کرنے والے؟"

اچانک دھاڑ کر انہوں نے اسے اس کی اوقات یاد دلائی تھی۔ عدنان اندر سے کٹنے کے باوجود خاموش نہ رہ سکا۔

"آپ کا بیٹا میرا بھی کچھ لگتا ہے جناب عفان آفندی صاحب۔"

"بکواس بند کرو اپنی' وہ میرا بیٹا ہے اور اس کی بھلائی برائی کی تمام تر ذمہ داری مجھ پر ہے' تم جو روش اپنائے ہوئے ہو اسی پر رہو' میرے بیٹے کی زندگی میں دخل اندازی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سمجھے؟"

اس کی بدتمیزی کی خبر یقیناً ان تک پہنچ چکی تھی۔ جبھی اتنا سخت لہجہ اختیار کیا تھا انہوں نے' وہ ضبط سے لب کچلتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے' اوقات یاد دلانے کا شکریہ۔"

باپ کے ساتھ ساتھ بھائیوں سے بھی اس کی نہیں بنتی تھی مگر اس وقت جانے کیوں ہتک کا احساس بہت زیادہ ہوا تھا' اپنے کمرے میں واپس آنے کے بعد رات بھر اس نے شراب پی تھی' رہ رہ کر گوری کا سراپا اس کے تصور میں آ رہا تھا اور رگوں میں ابلتا خون ایک اسی تصور کے ساتھ اسے جنونی کر رہا تھا' ہر دو منٹ کے بعد کوئی نہ کوئی چیز اٹھا کر پٹختے ہوئے وہ اسے غلیظ گالیوں سے نواز رہا تھا۔

"چھوڑوں گا نہیں میں تمہیں' تمہاری اوقات یاد دلا کر رہوں گا' دیکھ لینا۔"

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فوری صبح ہو جائے' رات ساری یونہی اذیت کی نذر ہو گئی تھی۔ صبح کے قریب کہیں آنکھ لگی تو پھر دوپہر دو بجے ہی جاگا۔ بیدار ہو کر بھی پہلا خیال اسی کا آیا تھا' جبھی فریش ہو کر اپنا سیل آف کرتے ہوئے وہ دوبارہ ریان کی اکیڈمی چلا آیا۔

"گوری آپا کوئی عدنان صاحب ملنے آئے ہیں آپ سے۔"

ریان آج نہیں آیا تھا مگر عدنان چلا آیا تھا' وہ ابھی "سویٹ لیکچر" کی تیاری کر رہی تھی ملازم کی ہدایت پر اثبات میں سر ہلاتی' اگلے پندرہ منٹ میں مہمان خانے کی طرف چلی آئی۔

"السلام علیکم۔"

حسب عادت کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے سلام کیا تھا۔ عدنان پینٹ کی پاکٹس میں ہاتھ گھساتا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھیں اس وقت بہت سرخ ہو رہی تھیں۔

"حیرانی ہو رہی ہے ناں اس وقت مجھے یہاں دیکھ کر کہ اتنی بے عزتی کے بعد پھر چلا آیا ہے ناں۔" گوری

کو پہلی باراس سے ڈر لگا تھا مگر اس نے چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"جی نہیں یہ اسلامی درس گاہ یہاں کوئی بھی ہدایت پانے کے لیے آسکتا ہے۔"

"اچھا...... دکان لگا کر بیٹھی ہو کیا ہدایت کی؟"

جل کر کہتا وہ اس کے قریب آیا تھا۔ وہ خاموش رہی۔

"جاننا چاہو گی میں اس وقت یہاں کیوں آیا ہوں؟"

بنا گوری کے چہرے کے تاثرات کی پروا کیے وہ بولا تھا۔ گوری چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

"قیمت بتاؤ اپنی' ایک رات کی کیا لو گی؟"

جملہ کیا تھا' کوئی سنسناتا ہوا تیر تھا جو اس کے سینے میں پیوست ہوا تھا۔ سرخ چہرے کے ساتھ حد ضبط کا مظاہرہ کرتی وہ اس پر ہاتھ اٹھاتے اٹھاتے رہ گئی تھی۔

اگر پہلے والی گوری ہوتی تو ضرور پوچھتی اپنے گھر کا ریٹ بتاؤ' تمہاری بہن کتنے پیسے لیتی ہے؟"

مگر وہ اب پہلے والی گوری نہیں رہی تھی' تبھی انتہائی غصے کے باوجود مسکرا کر بولی۔

"میری قیمت کا جان کر کیا کریں گے' میں نے تو اپنا ذہن و دل اپنے رب کی راہ میں رکھ دیا۔ آپ اپنی خواہشات کے لیے کسی اپنے جیسی لڑکی کو تلاش کیجیے۔"

"بکواس سننے کے لیے نہیں آیا میں' قسم کھائی ہے میں نے تمہیں تمہاری اوقات یاد دلانے کی۔ اگر میں نے اپنی قسم پوری نہ کی تو اپنے باپ کا نہیں۔"

وہ ضد اور غصے کی بھینٹ چڑھا تھا' گوری کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"ایسی قسمیں نہیں کھانی چاہئیں جن کا پورا ہونا ممکن نہ ہو' بہر حال اب جا سکتے ہیں یہاں سے' مجھے کلاس لینی ہے' ہاں اتنا جان لیجیے' دنیا میں ہر چیز بکاؤ نہیں ہوتی۔"

"ہر چیز نہ ہو مگر تم بکو گی اور یہ میری ضد ہے۔"

انتہائی حد تنفر سے انگلی اٹھا کر کہتا' اگلے ہی پل وہ وہاں سے نکل آیا تھا۔ گوری گم صم سی اسے دیکھتی رہ گئی۔

❀......❀......❀

کھڑکی کھلی تھی اور ٹھنڈی ہوا کے شدید جھونکے اس کے بالوں سے اٹھکھیلیاں کر رہے تھے۔ شجاع کے ساتھ ہونے والے غیر اتفاقی ٹکراؤ نے اسے ڈسٹرب کر دیا تھا۔ تب ہی ارسلان ہلکے سے دروازہ ناک کرتے ہوئے کمرے میں چلا آیا۔

"جلدی تیار ہو جاؤ یار' آج کے فنکشن میں ٹائم پر پہنچنا بہت ضروری ہے۔"

"کیوں......؟" وہ جو بیڈ پر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی ارسلان کی آمد پر جیسے خواب سے جاگ اٹھی۔

"کیوں سے کیا مطلب...... کل بتایا تو تھا بہت بڑا فنکشن ہے' بڑے بڑے نامور لوگ شرکت کریں گے' اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی تم پسند آ گئیں تو سمجھو بات بن گئی ہماری۔" ترنگ میں کہتا وہ بیڈ کے کونے میں ٹک گیا تھا۔

امامہ کے لبوں پر زخمی سی مسکان بکھر گئی۔

"اس کا مطلب ہے تم "چارا" تیار کرنے آئے ہو تا کہ کسی بھینس کو کھلا کر اس سے دودھ حاصل کر سکو۔"

"بکواس نہ کرو یار! جینے کے لیے سو حیلے کرنے ہی پڑتے ہیں' اس وقت ہمارا کوئی ٹھکانا نہیں ہے' یوں دوستوں کے گھر کب تک رکھتا پھروں گا میں تم سے نہ شادی کر سکتا ہوں نہ تنہا چھوڑ کر کہیں جا سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے' تم چلو میں تیار ہو کر آتی ہوں۔" عادت کے برخلاف اس نے بہت جلدی بات مان لی تھی۔

ارسلان خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔

اگلے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد وہ دونوں نائٹ کلب میں تھے۔

❀......❀......❀

"پتا ہے انزلہ...... کل میں نے ایک بہت خوب صورت خواب دیکھا۔"

صاف ستھرے حلیے میں تروتازہ چہرے کے ساتھ' گاؤں شاہ والا کو کراس کر کے گزرتی نہر کے کنارے بیٹھا وہ انزلہ کو بتا رہا تھا۔ جو انہماک سے اسے دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"اچھا...... کیسا خواب؟"

"بہت انوکھا سا تھا' تم ہوتی ہو' میں ہوتا ہوں' ہمارا چھوٹا سا خوب صورت گھر ہوتا ہے اور اس گھر میں ہمارے چھوٹے چھوٹے دو بچے ہوتے ہیں' جن کے لیے تم صبح کا ناشتہ تیار کر رہی ہوتی ہو' میں صحن میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا ہوتا ہوں اور آپا ہمارے بچوں کو ارد گرد بٹھا کر انہیں بڑی اچھی اچھی باتیں بتا رہی ہوتی ہیں۔ میں اخبار کی اوٹ سے چوری چوری تمہیں کام کرتے ہوئے دیکھتا ہوں جب تم' اچانک کچن سے نکل کر میرے پاس آتی ہو اور دہاڑ کر کہتی ہو۔

"تم یہاں مزے سے بیٹھے اخبار چاٹ رہے ہو اور میں وہاں کچن میں کھڑی کب سے چینی کے لیے خوار ہو رہی ہوں' بچوں نے اسکول جانا ہے ناشتہ کب تیار کروں گی؟ ہائے...... قسمت خراب تھی میری جو تم جیسے شوہر سے پالا پڑ گیا۔"

وہ اپنا خواب سنا رہا تھا اور انزلہ اس کے چہرے کے انداز دیکھتے ہوئے ہنس رہی تھی جب اچانک وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

"ایسے مت ہنسا کرو انزلہ' کہیں میری نظر ہی نہ لگ جائے تمہیں' ویسے کبھی کبھی مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔"

"اچھا...... ڈر اور تمہیں' بہت مضحکہ خیز لفظ ہیں یہ۔"

"کہہ سکتی ہو' اصل میں یہ جو محبت ہوتی ہے ناں' بہت قیمتی متاع کی مانند ہوتی ہے' اس اثاثے کو کھونے کا ڈر' بہت بزدل بنا دیتا ہے انسان کو' اسی لیے تو اس راہ پر آنے سے ڈرتا تھا میں۔"

"اچھا جی...... کس بات کا ڈر پڑ گیا ہے اب؟"

"تمہیں کھو دینے کا ڈر انزی' اپنی سفاک تقدیر کی بے وفائی کا ڈر' اپنے خوب صورت خواب اچانک ٹوٹ جانے کا ڈر۔"

"تم پاگل ہو قیس اور کچھ نہیں۔"

بے ساختہ نظریں چراتے ہوئے وہ بڑبڑائی تھی' جب سانول نے اس کا آنچل اپنی گرفت میں لے لیا۔

"مجھ سے وعدہ کرو انزی' مجھ سے کبھی بے وفائی نہیں کرو گی' چاہے کچھ ہو جائے تم میرا ساتھ بھی نہیں چھوڑو گی' میں وہ سب کروں گا جو تم کہو گی مگر بدلے میں آخری سانس تک تم میرا ساتھ نبھاؤ گی' مجھ سے وعدہ کرو۔"

کسی ننھے سے بچے کی مانند ہراساں وہ اس سے عہد لے رہا تھا۔

انزلہ نے ذرا سا رخ پھیر کر نہر کے گدلے پانی پر نگاہ ڈالی پھر سانول کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جیسے سب کچھ بھول گئی۔

"میں وعدہ کرتی ہوں قیس' زندگی کی آخری سانس تک تمہارا ساتھ نبھاؤں گی' چاہے کچھ ہو جائے۔"

"تھینکس جانم۔" وہ مسرور ہوا تھا۔

"اب چلو...... دیکھو سورج ڈوب رہا ہے' تم نے وعدہ کیا تھا تم اپنے ڈرائیور کی بے جا موت کا ازالہ کرو گے' اور اس کے گھر والوں سے معافی مانگو گے۔"

"ہوں' عہد پورا ابھی کیا ہے' وہ لوگ مجھے معاف نہیں کر رہے مگر پھر بھی میں نے وہ سب چیزیں جو میری دسترس میں تھیں ان کے نام کر دی ہیں۔"

"سچ......؟" انزلہ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا تھا۔ جب وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلا گیا۔

"ہوں' تمہاری قسم اپنے بھائی پر کیس بھی نہیں کر رہا' سب عیش و عشرت بھی ترک کر دی۔ کل سے نماز بھی پڑھ رہا ہوں اور اب گاؤں کی بھلائی کے سب کاموں میں تمہارا ساتھ دوں گا' تم دیکھنا انزلہ' اس گاؤں کے لوگوں کے دلوں میں میرے لیے جو نفرت ہے میں اسے محبت میں بدل دوں گا۔"

"ان شاء اللہ...... تم نہیں جانتے قیس میں کتنی خوش ہوں۔"

"جانتا ہوں' بس تم یہ جان لو کہ تمہاری یہ خوشی ہی اب میری زندگی ہے۔"

"ہوں...... میں نے کہا تھا ناں میرا قیس بہت اچھا ہے۔"

انزلہ کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ اس پر نثار ہو جائے۔ سانول آخری کنکر نہر کے گدلے پانی کی نذر کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ بہزاد علی مراد' ملک سے باہر تھا اسے انزلہ کی ماں کنیز نے اپنے پاس بلایا تھا۔ اور انزلہ اس کی غیر موجودگی کے اس وقت کو جی بھر کر انجوائے کرنا چاہتی تھی۔

"چلو...... تمہیں گھر تک چھوڑ آؤں۔"

"جی نہیں مجھے گاؤں کے راستے ازبر ہو چکے ہیں۔" اسے جلانے کو کہتی وہ ابھی چند قدم ہی اٹھا پائی تھی کہ اچانک کراہ کر رک گئی۔

"اف...... ایک تو تمہیں اس گاؤں کے خار راس نہیں ہیں' میرا بس چلے تو ان سب کانٹوں کو جمع کر کے آگ لگوا دوں جو میری شہزادی کے پاؤں میں چبھ کر اسے تکلیف دیتے ہیں۔" پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے انزلہ کا پاؤں اٹھایا اور پھر آہستہ سے کانٹا نکال کر پھینکتے ہوئے مسکرا دیا۔

❀ ❀ ❀

"بی بی جی...... آپ کو شاہ زر صاحب بلا رہے ہیں۔"

انجام

دنیا مسافر خانہ ہے کیوں دل لگا رہا ہے تو چند گھڑی تو۔ رکنا ہے کیوں انبار لگا رہا ہے تو۔
مشکل تو تجھے پڑ گئی کیوں قدم جما رہا ہے تو۔ مکر و فریب کی دنیا ہے کیوں دل کو بہلا رہا ہے تو۔
غم میں لپٹی ہوئی زندگی کی تصویر ملے گی تجھے۔ کھول کر دیکھو گے یہی تقدیر ملے گی تجھے۔
تیرے جھوٹے خوابوں کی یہی تعبیر ملے گی تجھے۔ زندگی میں جتنا دھنس جائے گا آگ جلائے گی تجھے۔
کیوں بھول گیا تو اپنا مقام اس حقیر جہاں پر ساتھ تو نہیں جائے گا تیرا کارواں وہاں پر۔
کیوں بھروسہ لگائے بیٹھا ہے موسم بہار پر کالی رات کے گھپ اندھیرے کھا جائیں گے۔ تجھ کو چھوڑ کر سب تنہا لوٹ آئیں گے۔

(عابدہ نسیم چیچہ وطنی)

اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی وہ مکمل انہماک سے "شہاب نامہ" کا مطالعہ کر رہی تھی جب ملازمہ آہستہ سے اس کے کمرے کا دروازہ ناک کرتے ہوئے اندر چلی آئی۔

گوری نے فوراً سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے' آتی ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ لاؤنج میں شاہ زر کے مقابل بیٹھی تھی۔

"آپ نے بلایا بھائی' خیریت؟"

شاہ زر نیوز دیکھ رہا تھا۔ اور چاند اس کی گود میں بیٹھا چاکلیٹ کھا رہا تھا۔

"ہوں...... سارا دن کمرے میں بند رہتی ہو' شادی کے بعد تو اپنی بہن کی شکل دیکھنے سے بھی گیا۔"

"کیا بات ہے' بھابی سے بنتی نہیں کیا؟"

فوراً ٹی وی آف کرتے ہوئے وہ گوری کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ جواباً وہ مسکرا دی۔

"ایسی بات نہیں ہے بھائی' انوشہ بھابی تو بہت اچھی ہیں۔"

"بس ایک میں ہی برا ہوں باقی سب اچھے ہیں۔"

سرد آہ بھر کر اس نے جونہی کہا گوری کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"لگتا ہے بھابی سے تازہ تازہ جھگڑا ہوا ہے۔"

"میرا دماغ خراب ہے جو اس سے جھگڑوں گا' تم سناؤ اکیڈمی کیسی چل رہی ہے اور وہ عدی نے دوبارہ پریشان تو نہیں کیا؟"

"اکیڈمی تو بہت اچھی چل رہی ہے بھائی مگر وہ لڑکا پتا نہیں کیوں ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گیا ہے' آج پھر آیا تھا پریشان کرنے۔"

"اچھا...... کیا کہہ رہا تھا؟"

"یونہی فضول بولتا ہے' پتا نہیں اس لڑکے کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟"

"سائیکی کیس ہے گوری' محبتوں سے محرومی اور احساسِ کمتری کے احساس نے اسے ایسا خودسر بنادیا ہے۔ ایسے لوگوں کا علاج سوائے محبت کے اور کچھ نہیں۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"ابھی سمجھ بھی نہیں سکوگی' بہرحال آئندہ زندگی کے لیے کیا سوچا ہے تم نے؟"

"کچھ بھی نہیں' جو میرے رب کو منظور ہوا بس وہی۔"

"چلو ٹھیک ہے' اب کھانے کو کچھ ملے گا کہ نہیں؟"

"بھابی نہیں آئیں ابھی تک؟"

"نہیں..... نئی نئی جاب ہے ناں' ابھی وقت لگے گا خمار اترنے میں۔"

"بری بات بھائی' ایسا نہیں سوچتے' اب وہ اتنی بھی بری نہیں ہیں' باہر موسم خراب ہے آپ کو ان کا پتا کرنا چاہیے تھا۔"

"کیسے کروں.....؟ محترمہ ایک گھنٹہ قبل آفس سے نکل چکی ہیں اور سیل مسلسل آف جارہا ہے۔"

"پھر تو پکی بات ہے کہ وہ مشکل میں ہوں گی' مگر آپ ہیں کہ مزے سے گھر میں بیٹھے ہیں۔"

"تو کیا کروں' اتنی تیز بارش اور سرد ہوا میں اسے انوشہ انوشہ کی صدائیں دیتا سڑکوں پر نکل جاؤں؟"

"بالکل..... وہ روز ایک ہی راستے سے آفس آتی جاتی ہیں' اور کچھ نہیں تو اسی راستے کو دیکھ آئیے۔" گوری کے پاس مفت مشورے کی کمی نہیں تھی۔

شاہ زر مسکرادیا۔

"یار تم بہن میری ہو مگر سائیڈ ہمیشہ اس کی لیتی ہو۔"

"سمجھا کریں' عورتیں اتحاد کریں گی تو معاشرے میں تبدیلی آئے گی۔"

"فار گاڈ سیک گوری اب کون سی تبدیلی آنا باقی رہ گئی ہے؟"

"بتاؤں گی' ابھی اٹھیے آپ' اور بھابی کو لے کر آئیے' پلیز تب تک میں کھانا لگواتی ہوں۔" کہنے کے ساتھ ہی اس نے شاہ زر کے بازو سے شرٹ کھینچ کر اسے اٹھادیا۔

باہر بارش اب بھی زوروں پر تھی۔

وہ گاڑی لے کر سردی کی پروا کیے بغیر نکل گیا' تیز بارش کی وجہ سے سڑکوں پر لوگوں کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ تیز ڈرائیونگ میں بھی مشکل پیش آرہی تھی' تیزی سے چلتے وائپر کے اس پار اس کی نظریں صرف انوشہ کو ڈھونڈ رہی تھیں جو بالآخر اسے نظر آ گئی تھی۔ مکمل طور پر بھیگے ہوئے کپڑوں میں ملبوس سردی سے کپکپاتے ہوئے وہ دور ایک شیڈ کے نیچے کھڑی جانے کون کون سی قرآنی آیات کا ورد کررہی تھی۔

شاہ زر نے گاڑی اس کے قریب لے جا کر آہستہ سے روک دی۔

"آجاؤ۔" بائیں ہاتھ سے اس نے دروازہ بھی پش کردیا تھا۔

انوشہ ایک نظر اپنے کپڑوں سے ٹپکتے پانی پر ڈالتی دل ہی دل میں اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنے کے بعد جلدی سے گاڑی میں آبیٹھی۔

ماں

ماں ایک ایسی لازوال ہستی ہے کہ جس کے دم سے کائنات آباد ہے۔ جس نے ماں کو نظرانداز کیا وہ زندگی میں سدا ٹھوکریں کھاتا ہے۔ ماں کے بغیر گھر قبرستان کی طرح لگتا ہے۔ اگر ماں نہ ہوتی تو دنیا کی کوئی شے اچھی نہ لگتی۔ جس نے ماں کا ادب کیا وہ قیامت کے دن فلاح پائے گا۔ ماں دنیا میں ایک جنت ہے خوش نصیب اس جنت کو حاصل کرلیتے ہیں اور بدنصیب اپنی کم عقلی اور بدنصیبی کی وجہ سے اس کو کھودیتے ہیں۔ جو شخص ماں کا دل دکھاتا ہے۔ وہ کبھی سکھی نہیں رہ سکتا، نہ اس جہاں میں اور نہ اگلے جہاں میں۔ ماں کی محبت تو برسات میں برستی ہوئی بارش کی طرح ہوتی ہے جو ساری اولاد پر برابر برستی ہے۔ ماں کی عزت واحترام کرنے والے ہی کامیابی وکامرانی سے سرفراز ہوتے ہیں۔ ماں کو کبھی دکھی نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ دکھ سہہ کر بھی اف نہیں کرے گی۔ جو شخص اپنی بیوی کو ماں پر ترجیح وفضیلت دے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس کے فرائض و نوافل مقبول نہیں۔ ماں ایک ایسا سمندر ہے جو اپنی اولاد کے لاکھوں راز سینے میں چھپائے رکھتی ہیں۔

مصباح مسکان، اینہ...... جہلم

"موبائل کہاں ہے تمہارا؟"

"گھر رہ گیا تھا آج' رات چارج نہیں کیا تھا۔"

"تو آفس سے فون نہیں کرسکتی تھیں کہ جلدی نہیں نکل سکوگی' میں تمہارا ملازم نہیں ہوں جو اتنے خراب موسم میں پاگلوں کی طرح سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا تمہیں ڈھونڈتا پھروں۔"

دہاڑ کر کہتے ہوئے اس نے غصہ دکھایا تھا۔

انوشہ ایک نظر اسے دیکھتی' سیٹ سے اٹھنے ہی لگی تھی کہ اس نے بایاں ہاتھ اس کے ہاتھ پر جمادیا۔

"بیٹھی رہو چپ چاپ' زیادہ ہیروئن بننے کی ضرورت نہیں ہے۔"

کہنے کے ساتھ ہی اس نے تیزی سے گاڑی آگے بڑھادی تھی۔ انوشہ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکالتی رخ پھیر کر بیٹھ گئی۔

❀......❀......❀

"ایکسکیوزمی!"

اجنبی صدا پر صاعقہ نے ذرا سی گردن موڑ کر دیکھا' واصف علی ہمدانی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

وہ بیزاری سے رخ پھیر گئی مگر تب تک وہ قریب آچکا تھا۔

"میں نے آپ کو اپنا سیل نمبر اور کارڈ دیا تھا مگر آپ نے رابطہ نہیں کیا' کیوں؟"

"میری مرضی' میں آپ سے رابطے کی پابند نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے' مگر کیا میں جان سکتا ہوں کہ آپ شوبز میں کیوں آنا چاہتی ہیں؟"

"ہوں پیسے کے لیے۔"

''مگر پیسہ صرف غلط راستے پر چل کر ہی تو نہیں کمایا جاسکتا اور بھی کئی طریقے ہیں۔''
''مجھے اور کوئی طریقہ دکھائی نہیں دے رہا ہے اس وقت۔''
''دے جائے گا دکھائی' آپ مجھے بتایئے کتنے پیسے چاہیے آپ کو؟''
''کتنے پیسے دے سکتے ہیں آپ؟''
''جتنی آپ ڈیمانڈ کریں۔''
''میری ڈیمانڈ پر مت جائیں عورت پیسوں کے معاملے میں ویسے بھی بہت کریزی ہوتی ہے۔''
''آپ کہہ سکتی ہیں' میں ایسا نہیں سمجھتا۔''
''حیرت ہے' شاید دنیا کا پہلا امیر آدمی ہے جس کی عورت کے بارے میں اتنی مثبت سوچ ہے۔''
''فضول کی بحث ہے یہ آپ بتایئے پلیز آپ کو کتنے پیسے چاہیے؟''
وہ سنجیدہ تھا' صاعقہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔
''پانچ لاکھ......''
''ٹھیک ہے مل جائیں گے اور کچھ۔''
اس بار حیران ہونے کی باری صاعقہ کی تھی۔
''اور کچھ نہیں مگر اتنے پیسے آپ کیوں دیں گے مجھے؟''
''پیسے کام کے عوض ہی ملتے ہیں مس۔''
''کیسا کام؟''
''کوئی غیر قانونی خطرے والا کام نہیں ہے۔''
''تو پھر......کیا کرنا ہوگا مجھے؟''
''محبت۔''
''کیا......؟'' واصف علی ہمدانی نے جتنے آرام سے کہا تھا وہ اتنی ہی زور سے اچھل پڑی تھی۔
''جی ہاں......اتنے پیسوں کے عوض آپ کو محبت کرنی ہوگی' اذلان حیدر سے محبت۔''
''کون اذلان حیدر؟''
''زندگی سے روٹھا ہوا ایک خوب صورت کردار۔''
''مگر میں محبت نہیں کرسکتی۔''
نگاہ پھیر کر کہتے ہوئے وہ جیسے گہرے کرب کا شکار ہوئی تھی۔
واصف علی ہمدانی سرد آہ بھر کر رہ گیا۔
''حقیقت میں مت کیجیے گا' فرضی تو ہوسکتی ہے ناں۔''
''نہیں محبت کبھی فرضی نہیں ہوتی' آپ چاہتے ہیں میں کسی کو محبت کے نام پر دھوکہ دوں' اس جذبے کے نام پر جو اس کائنات کی بقاء کی بنیاد ہے' راز ہے۔''
''ہاں' کیونکہ میں اس سے پیار کرتا ہوں' بے حد بے تحاشا۔''

عدل وانصاف

بنی اسرائیل کے ایک مشہور قاضی نے وصیت کی تھی کہ میری موت کے کچھ عرصہ بعد میری لاش قبر سے نکال کر دیکھی جائے کہ وہ کس حال میں ہے؟
قاضی کے مطابق اس نے ہمیشہ عدل وانصاف سے کام لیا لیکن...... ایک بار اپنے دوست کے مقدمے میں فریق کی نسبت دوست کی بات سننے میں کان زیادہ متوجہ ہوئے تھے۔ وصیت کے مطابق کچھ عرصے بعد قاضی کی لاش کو قبر سے نکال کر دیکھا گیا...... لاش صحیح سالم تھی البتہ ایک کان مٹی نے کھالیا تھا۔

(سلمہ اکبر شیرازی)

زندگی

زندگی ایک گفٹ ہے قبول کیجئے
زندگی ایک احساس ہے محسوس کیجئے
زندگی ایک درد ہے بانٹ لیجئے
زندگی ایک پیاس ہے بجھا لیجئے
زندگی ایک ملن ہے مسکرا لیجئے
زندگی ایک جدائی ہے صبر کیجئے
زندگی ایک آنسو ہے پی لیجئے
زندگی آخری زندگی ہے جی لیجئے

نائلہ، فائزہ......کوٹ غلام محمد

''غلط...... بے تحاشا پیار کرنے والے دھوکہ نہیں دیتے۔''
''پلیز مس' بحث میں وقت ضائع کرنے کا فائدہ نہیں ہے۔''
''آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟''
''بتادوں گا' فی الحال آپ بتایئے کریں گی میرا کام کہ نہیں۔''
''میں سوچ کر بتاسکوں گی۔''
''ٹھیک ہے' میرا کارڈ آپ کے پاس ہے' میں شدت سے آپ کے جواب کا انتظار کروں گا۔'' پینٹ کی پاکٹس میں ہاتھ گھسائے اس نے گہری نگاہوں سے صاعقہ کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر پلٹ گیا' صاعقہ عجیب سی کشمکش کا شکار وہیں کھڑی دیر تک اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

❀ ❀ ❀

دیر تک بارش میں بھیگنے کے باعث انوشہ تیز بخار اور زکام کی زد میں آ گئی تھی۔
گوری ایک ہفتے کے لیے جماعت کے ساتھ شہر سے باہر گئی تھی' لہٰذا وہ کسی کو اپنی خرابی طبیعت کا بتا بھی نہیں سکی۔ شاہ زر خود بھی فلو کی زد میں تھا۔ سرخ ناک کے ساتھ' آفس کے لیے بمشکل تیار ہوئے' وہ ڈائننگ ٹیبل پر صرف چائے پینے آیا تھا جب چاند نے پیچھے سے آ کر اس کی گردن میں اپنے بازو حمائل کردیئے۔
''گڈ مارننگ پاپا۔''
''گڈ مارننگ نہیں پاپا کی جان' پہلے السلام علیکم اور پھر صبح بخیر۔''
''سوری پھوپو نے بتایا تھا' یاد ہی نہیں رہا۔''
مسکرا کر نادم سے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے شاہ زر کا گال چوم لیا تھا' جواب میں اس نے اسے اٹھا کر

گود میں بٹھالیا۔

''مما نے ناشتہ کرلیا؟''

''نہیں پاپا...... مما تو ابھی سو رہی ہیں۔''

''کیوں...... وہ تو جلدی اٹھ جاتی ہیں۔''

''پتا نہیں، رات میری آنکھ کھلی تو مما جاگ رہی تھیں۔''

چاند کی اطلاع پر قدرے متفکر ہو کر اس نے ملازمہ کو آواز دی تھی۔

''جی صاحب۔''

کچن میں کام کرتی ملازمہ دوپٹے سے گیلے ہاتھ خشک کرتی اس کی پکار پر فوراً حاضر ہوئی تھی۔

''بیگم صاحبہ آج بیدار نہیں ہوئی ہیں، جا کر دیکھو طبیعت ٹھیک ہے ان کی۔''

''جی اچھا۔''

اس کی ہدایت پر ملازمہ اوپر انوشہ کے کمرے میں گئی تھی۔ اگلے چند منٹ کے بعد وہ شاہ زر کو بتا رہی تھی۔

''صاحب جی، بیگم صاحبہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، شاید بخار ہے انہیں، بڑی مشکل سے بول رہی تھیں۔''

''اوہ میرے خیال سے، کل بارش میں بھیگنے کی وجہ سے بخار ہو گیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔'' متفکر لہجے میں کہتا وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اوپر انوشہ اپنے کمرے میں کمبل میں دبکی شدید بخار میں کانپ رہی تھی۔

''انوشہ۔'' اس کے قریب پہنچتے ہی اس نے اپنائیت سے اسے پکارا تھا۔ انوشہ نے ذرا سی دیر کو آنکھیں کھول کر اسے دیکھا پھر پلکیں موند لیں۔ شاہ زر نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی پر رکھا پھر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

''اتنی طبیعت خراب تھی، بتا تو دیتیں۔ میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے، میں ٹھیک ہوں۔''

''مجھے تو ٹھیک نہیں لگ رہیں، ویسے بھی شوہر کی حیثیت سے اپنا فرض تو ادا کرنا ہی ہے مجھے، تم بھلے بھول جاؤ اپنے فرائض، میں نہیں بھول سکتا۔''

''مت بھولو، مگر مجھے تمہاری ہمدردی، تمہارے فرائض، تمہاری نوازشوں کی ضرورت نہیں ہے، سمجھے تم۔''

''بس کرو۔ بہت ہو گیا یہ نفرت اور بے حسی کا کھیل، میں یوں اپنی آنکھوں کے سامنے اس طرح سے مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تمہیں۔''

''اچھا......؟ میری تکلیف تمہیں تکلیف دے رہی ہے؟''

''ہاں۔''

''ہونہہ، اللہ نے چاہا تو اب تم اسی تکلیف میں رہو گے، ہمیشہ۔''

از حد تنفر سے کہتے ہوئے اس نے اپنے اوپر سے کمبل اتار کر پرے پھینکا تھا۔

''یہ ٹھیک نہیں ہے انوشہ، خدا کا واسطہ ہے تمہیں، اب بس کرو، ختم کردو یہ نفرت کی کہانی، بہت ہوگئی، پلیز۔''

''کبھی نہیں، زندگی کی آخری سانس تک، میری تم سے نفرت کبھی محبت میں نہیں بدل سکتی، کہیں لکھ کر محفوظ کرنا ہے تو کرلو شاہ زر آفندی، میں نفرت کرتی ہوں تم سے، انتہا کی حد تک، میرا بس چلے تو تمہاری زندگی کو عذاب بنا کر رکھ دوں، بہت نقصان کیے ہیں تم نے میرے، بہت سے لوگوں کی نظروں سے گرایا ہے مجھے، بہت رشتے چھینے ہیں تم نے میرے، کس کس کو بھولوں، کس کس کو معاف کروں، نہیں کر سکتی میں تمہیں معاف، کبھی نہیں۔'' شعلوں جیسے پر تپش لہجے میں پھنکار کر کہتی وہ دوسری سائیڈ سے بستر سے نکل گئی۔

''تم خدا نہیں ہو کہ ہمیشہ وہی کرو جو چاہو، تم زبردستی مجھے پامال کر سکتے ہو، اپنی زندگی میں شامل کر سکتے ہو، مگر میرے اندر کی نفرت ختم نہیں کر سکتے، میرا دل نہیں جیت سکتے۔''

''جیتوں گا، اگر تم ضدی ہو تو میری رگوں میں بھی بہت ضدی خون ہے، یاد رکھنا، تم محبت کرو گی مجھ سے، خود کہو گی کہ تم میرے بغیر نہیں رہ سکتیں، یاد رکھنا۔''

''میری زندگی میں وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔''

''آئے گا، تمہاری زندگی میں ہی آئے گا اور بہت جلد آئے گا۔ دیکھ لینا۔''

کہنے کے ساتھ ہی اس نے انوشہ کا بازو پکڑا اور زبردستی کھینچتے ہوئے اسے نیچے لے آیا۔

''اگر تم چاہتی ہو کہ میں زبردستی تمہیں کسی ڈاکٹر کے پاس لے کر نہ جاؤں تو آرام سے یہاں بیٹھو اور ڈاکٹر کا انتظار کرو۔'' لاؤنج میں اسے صوفے پر دھکیلتے ہوئے اس نے برہمی سے کہا اور باہر نکل گیا، اگلے بیس منٹ میں وہ ڈاکٹر کے ساتھ وہاں آیا تو انوشہ غائب تھی۔

''بیگم صاحبہ کہاں ہیں......؟''

صفائی کرتی ملازمہ سے قدرے ڈپٹ کر اس نے پوچھا تھا۔

''جی...... وہ تو ابھی آفس کے لیے نکلی ہیں، میں نے روکنے کی کوشش بھی کی مگر انہوں نے ڈانٹ دیا۔'' اطلاع کیا تھی جیسے نمک تھا جو شاہ زر کے زخموں پر کسی نے چھڑک دیا تھا۔ غم وغصے سے اس نے لب بھینچ لیے۔ وہ لڑکی اسے اذیت دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔ شدید خرابی طبیعت کے باوجود آفس جا کر بہت تکلیف پہنچائی تھی اس نے اسے، وہ ڈاکٹر سے ایکسکیوز کرتا تمام دن آفس میں بیٹھا کڑھتا رہا۔

شام تک انوشہ کی طبیعت مزید بگڑ چکی تھی۔ چکراتے سر کے ساتھ وہ آفس سے نکلی تو ایک قدم اٹھانا بھی محال لگ رہا تھا۔ بنا شاہ زر کے متعلق کچھ بھی سوچے وہ ٹیکسی کی تلاش میں نگاہیں دوڑا رہی تھی جب کسی نے اسے پکار لیا۔

''انوشہ......''

مانوس صدا پر فوراً سے پیشتر پلٹ کر اس نے دیکھا تھا اور پھر جیسے حیران رہ گئی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

ہڑتال

اُم ثمامہ

اب تو ٹوٹی کشتی بھی آگ سے بچاتے ہیں
ہاں کبھی تھا نام اپنا بخت آزماؤں میں
صرف اس تکبر میں اس نے مجھ کو جیتا ہے
ذکر نہ ہو اس کا بھی کل کو نارساؤں میں

"نیاز بھائی! کیا زمانہ آگیا ہے، جنہیں انسانیت کا خیر خواہ کہا جاتا ہے جو مسیحا بن کر لوگوں کے زخموں پر مرہم رکھتے ہیں اور آج وہ بھی اپنے مطالبات منوانے کے لیے اپنے پیشے سے منہ موڑ رہے ہیں۔ یار! مسیحا اگر ہڑتال پر بیٹھ جائے تو مسیحائی کہاں جائے گی؟"

"ہاں بھائی! عجیب اندھیر نگری ہے، جب ڈاکٹر مریضوں کا علاج نہیں کریں گے تو بچارے غریب کہاں جائیں گے اور کیا کریں گے؟"

شہر کے ایک معروف اور مصروف اسپتال کے باہر کھڑے دو بوڑھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ آج ڈاکٹروں نے اپنی تنخواہوں کے اضافے کے مطالبے کے ساتھ ہڑتال کر دی تھی اور اسپتال میں داخل ہونے والے نئے اور پرانے تمام مریضوں کو بیماریوں کے ساتھ ساتھ اک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

◉....❖....◉

"اماں! ہم نے اپنے مطالبات حکومت تک پہنچا دیئے ہیں اور آج سارا دن ہم نے ہڑتال بھی کی اب دیکھنا جلد ہی ہماری داد رسی ہوگی۔" ڈاکٹر ذیشان ماں کے پاس بیٹھا انہیں تمام دن کا حال سنا رہا تھا اور پاس ہی بیٹھی اس کی دونوں بہنیں بھی بھائی کی باتیں دھیان سے سن رہی تھیں۔

"ذیشان بیٹا! اس سب کا حصہ بنتے ہوئے بس اتنا دھیان رکھنا کہ انسانیت اور مسیحائی کے پاک دامن پر کوئی داغ نہ آئے، تم جس کام سے وابستہ ہو وہ بہت اہم اور نازک کام ہے۔ ذرا سی غفلت انسان کو موت کے منہ میں دھکیل سکتی ہے یا زندگی سے اس کا رابطہ جوڑ سکتی ہے۔" ماں نے پیار سے ذیشان کے سر میں انگلیاں چلاتے ہوئے اسے سمجھایا۔

"ہاں اماں! ہم بھی کوئی ناجائز مطالبہ نہیں کرتے، نوجوان ڈاکٹر اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کی سخت ڈیوٹیاں دیتے ہیں۔ نہ دن اپنا، نہ رات۔ نہ کسی خوشی غم میں شرکت کر سکتے ہیں اور پھر ہمارے کاندھوں پر اپنے گھروں کی ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں، اتنی تھوڑی تنخواہ میں کیا ہوتا ہے۔ باہر کے ممالک میں ڈاکٹرز کی تنخواہیں ہزاروں نہیں لاکھوں میں ہیں پھر

ہمارے لوگ شکایت کرتے ہیں کہ نوجوان نسل اپنے ملک اور لوگوں کو چھوڑ کر باہر جا رہی ہے...... ہم اپنے حق کی خاطر میدان میں آئے ہیں اور کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا تو پڑتا ہے۔ اب آپ خود سوچیں میری تنخواہ میں اضافہ ہوگا تو میں دو جوان بہنوں کو بیاہنے کے لیے جہیز اکٹھا کر سکوں گا، کتنے دنوں سے سوچ رہا ہوں کہ آپ کی آنکھوں کا آپریشن کروا کر لینس لگوا دوں مگر وہی پیسے نہ ہونے کی مجبوری آڑے آ جاتی ہے۔ ہم مسیحا ضرور ہیں مگر ہمارے بھی کچھ مسائل ہیں۔" اس نے جانے خود کو تسلی دی تھی یا اماں کو......

◉....❖....◉

آج ہڑتال کا چوتھا دن تھا۔ ان چار دنوں میں ڈاکٹرز نے حکومتی لوگوں سے ملاقاتیں بھی کیں، ماریں بھی کھائیں مگر وہ اپنے مطالبات سے ٹس سے مس نہیں ہوئے اور اب تو ایمرجنسی بھی بند کر دی گئی تھی۔ اسپتالوں کے کاریڈور نعروں سے گونج رہے تھے اور مریضوں کی سسکیوں اور آہوں میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب! آپ کو اللہ کا واسطہ! میرے بچے کو چیک کر لیجیے، اسے رات سے بہت تیز بخار ہے اور اب تو یہ بے ہوش بھی ہو گیا ہے۔" ایک عورت نے آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ ڈاکٹر ذیشان کے آگے اپنا بچہ کر دیا جو اس نے گود میں اٹھا رکھا تھا۔

"بی بی! میں نے آپ سے کہا کہ ہم ہڑتال پر ہیں ہم کسی بھی مریض کو چیک نہیں کر سکتے، اس لیے آپ یہاں سے جاؤ۔"

"ڈاکٹر صاحب! میرا ایک ہی بیٹا ہے، آپ ایک بار اسے دیکھ لو پھر دوبارہ ہڑتال پر بیٹھ جانا۔

شکستگی

منزلیں بھی اس کی تھیں
راستہ بھی اس کا تھا
ایک میں اکیلا تھا
قافلہ بھی اس کا تھا
ساتھ میرے چلنے کی
سوچ بھی تو اس کی تھی
پھر جدا بھی ہونے کا
فیصلہ تو اس کا تھا
آج میں اکیلا ہوں تو
دل سوال کرتا ہے
لوگ بھی اسی کے تھے
اور خدا بھی اس کا تھا!

راجہ کرامت حسین جنجوعہ ایڈووکیٹ

اعتبار

جھوٹ کے ہزار سہی
سچ کا بس ایک ہی نام
"اعتبار"

سباس گل...... رحیم یار خان

بے خبر

کیسے کہوں وہ سب جانے ہے
پھر بھی کیوں چپ چاپ رہے
بارش کی بوندوں سے کھیلوں
دھوپ کی تمازت سے وہ پہلے
رات کی بات بھی جو چھیڑوں
دن کا اجالا اس کو بھائے
ملنے کو بے تاب رہوں میں
ہجر کا قصہ وہ چھیڑے ہے
حال میرا وہ سب جانے ہے
پھر بھی کیوں ان جان بنے

رانی اسلام...... گوجرانوالہ

دیکھیں ڈاکٹر صاحب! اس کے ہونٹ بھی نیلے ہو رہے ہیں۔'' وہ عورت رو رو کر ایک ایک ڈاکٹر کے آگے ہاتھ جوڑ رہی تھی' مگر وہ آگے بڑھ گیا۔

اسی اثناء میں وفاقی وزیر کی گاڑی اسپتال کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور تمام ڈاکٹرز نعرے لگاتے وزیر مملکت کی چمکیلی گاڑی کی طرف رواں دواں ہوگئے اور نعروں کی گونج اور گاڑی کی پی پاں میں ایک مجبور ماں کی پکار دب کر رہ گئی۔ آج کتنے دنوں کے بعد حکومت نے کچھ مطالبات ماننے پر رضامندی ظاہر کی تھی اور ساتھ ساتھ ڈاکٹروں کو ہڑتال ختم کرنے کے لیے مذاکرات کی دعوت بھی دی تھی۔ آج اسپتال میں حسب معمول سب کچھ ویسا ہی تھا۔ مریضوں کی قطاریں اور ڈاکٹروں کا تندہی اور دل جمعی سے ان کا چیک اپ۔ زندگی کے اعضاء دوبارہ اپنی مخصوص رفتار سے حرکت کرنے لگے تھے لیکن......!

⊙......❖......⊙
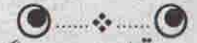
ڈاکٹر ذیشان کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے تھا۔ ابا کلرک تھے اور اماں نے دن رات سلائیاں کر کے اور ٹیوشن پڑھا کر بعدازاں کچھ اپنا زیور بیچ کر اسے اعلیٰ تعلیم دلائی تھی۔ وہ دو جوان بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا اور پچھلے سال ابا کے انتقال کے بعد گھر کا واحد کفیل بھی...... اسے اپنی ماں سے حد درجہ محبت اور عقیدت تھی، جس کی قربانیوں کی وجہ سے آج وہ اس مقام پر تھا۔ اب ہڑتال کے بعد جب تنخواہیں بڑھنے کی بات ہوئی تھی تو اس نے سوچا تھا کہ وہ کچھ پس انداز کر کے ماں کا آپریشن کروائے گا اور بہنوں کی شادیوں کی تیاریاں کرے گا' نوجوان ڈاکٹروں کی ہڑتال کا فیصلہ اسے صحیح معلوم ہوتا تھا اور پھر وہ اپنی محنت کا صلہ طلب کر رہے تھے کوئی خیرات تو نہیں......!

آج او پی ڈی میں کافی رش تھا۔ ڈاکٹر ذیشان بہت تھکن محسوس کر رہا تھا اور تھکن اتارنے کے لیے اس نے کینٹین جا کر ایک کپ چائے پینے کا ارادہ کیا اور آرڈر دینے کے بعد ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''یار اسلم! مجھے تو اس عورت کی آہ و بکا ابھی تک نہیں بھولتی' جب ان تمام ڈاکٹروں نے اسے جواب دے دیا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ کسی اور کے پاس جا کر اپنے بچے کی زندگی کی بھیک مانگتی وہ معصوم زندگی سے ہی روٹھ گیا۔''

''ہاں یار! اس کا رونا دیکھا نہیں جاتا تھا مگر ہم کر بھی کیا سکتے تھے سوائے دکھ اور افسوس کے......!''

ذیشان جہاں بیٹھا چائے کا انتظار کر رہا تھا اس کے بالکل پیچھے دو وارڈ بوائے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ ان کی باتیں سن کر اک لمحے کے لیے اس کے ذہن میں منتیں کرتی اس عورت کا آنسوؤں سے تر چہرہ گھوم گیا۔ ڈاکٹر ذیشان کو ایک پل کے لیے لگا کہ کچھ غلط ہوگیا ہے' کچھ ایسا جو ناقابل تلافی ہو مگر دوسرے ہی لمحے اس نے خود کو اس سوچ کے تحت بحال کرلیا کہ ہر کسی کی موت کا ایک دن مقرر ہے پھر بھلا اس اکیلے کا کیا قصور......!

☆☆☆......

موبائل کی بپ مسلسل ہو رہی تھی' اس نے جیب سے موبائل نکالا اور کان سے لگالیا۔

''بھیا! جلدی گھر آیئے' اماں کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے۔''

آج شہر میں پیٹرول کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے خلاف پہیہ جام ہڑتال تھی اور کچھ سیاسی تنظیمیں بھی

حمایت کے لیے میدان میں اتر آئی تھیں' اس لیے ہڑتال کافی کامیاب جارہی تھی۔ وہ آج اسپتال نہیں گیا تھا کیونکہ اس کا اسپتال بھی گھر سے کافی دور تھا۔ وہ کچھ دیر کے لیے اگلی گلی میں مقیم اپنے دوست سے ملنے چلا آیا تھا کہ گڑیا کا فون آگیا۔

''گڑیا! تم فکر مت کرو' میں ابھی آیا۔ تم اماں کا خیال رکھنا۔'' پھر وہ اپنے دوست کے ساتھ گھر کی طرف بھاگا۔ اماں صحن میں بچھے تخت پر بے ہوش پڑی تھیں۔ اس نے جلدی سے ان کا چیک اپ کیا انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور اب انہیں جلد از جلد اسپتال پہنچانے کی ضرورت تھی۔ اس نے جلدی سے اپنے اسپتال کا فون نمبر ملایا۔

''ہیلو! جلدی سے میرے گھر ایمبولینس بھیجو' میری ماں کی حالت کافی سیریس ہے۔'' وہ ماں کی بگڑی حالت دیکھ کر یہ بھول چکا تھا کہ آج شہر بھر میں پہیہ جام ہڑتال ہے۔ وہاں سے جواب ملنے کے بعد اس نے دیگر دو تین اداروں میں ایمبولینس کے لیے کال کی مگر شہر کے حالات کے پیش نظر سب نے معذرت کرلی۔

ڈاکٹر ذیشان پاگلوں کی طرح فون پر چلا رہا تھا وہ ماں کو ہر ممکن ابتدائی طبی امداد دے چکا تھا۔ اس کا دوست سڑک پر بھی دیکھ آیا تھا مگر کوئی ٹیکسی بھی نہیں مل رہی تھی' وہ دیوانہ وار ماں کی طرف لپکا مگر وہاں ان کی سانس کا پہیہ بھی جام ہو چکا تھا اور روتے ہوئے ڈاکٹر ذیشان کو یہ بات سمجھ آگئی تھی کہ جائز بات کو منوانے کے لیے ناجائز طریقہ اختیار کرنا بھی کبھی کبھی ناقابل تلافی نقصان بن جاتا ہے کیونکہ دنیا مکافات عمل ہی کا دوسرا نام ہے۔

تتلیوں کے پر

رشکِ حبیبہ

دھوپ میں ہو جو چھاؤں کی طرح
ایسا اک مہرباں تلاش کریں
پیار کے پھول جس میں کھلتے رہیں
چاہتوں کا جہاں تلاش کریں

خوش نما سحر جیسے
پیار کا نگر جیسے
صنفِ نرم و نازک ہو
کتنی معتبر جیسے
نازکی کا عالم یہ
تتلیوں کے پر جیسے
اس قدر ہے پاکیزہ
قیمتی گہر جیسے
تیرگی کے دامن پہ
مہر نور ور جیسے
پائے صنفِ نازک میں
خلد کا ہو در جیسے
واسطے پر کے یہ
گوشۂ جگر جیسے
بھائی اس کی خاطر ہے
کوئی چارہ گر جیسے
شوہر ہے کہ گویا ہے
سائبان سر جیسے
اس کو یوں سنبھالا ہے
باحیا نظر جیسے
ٹھوکروں میں آئے نہ
کانچ کا ہو گھر جیسے
صنفِ نرم و نازک ہو
کتنی معتبر جیسے

"تو آپ مجھے جاب کی اجازت نہیں دیں گے؟" میں نے ابرو چڑھا کر عاشر کی طرف دیکھا جو اخبار میں گم نظر آنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔

"ہوں...... کچھ کہا تم نے......؟"

چند لمحوں بعد انہوں نے اخبار سے سر نکال کر مجھے دیکھا۔ میرے تیور خطرناک حد تک بگڑ چکے تھے۔ میں جارحانہ انداز میں پاؤں پٹختی باہر نکل آئی۔ عاشر نے پکارا مگر میں اَن سنی کر گئی۔

❁......☆......❁

"مما! مما...... میری مدد کردیں پلیز...... مجھے یہ تقریری مقابلہ ضرور جیتنا ہے۔ میرے گروپ کی عزت کا سوال ہے۔"

لاؤنج میں صندل قلم اور فائل لیے کچھ لکھنے میں

مصروف تھی۔ مجھے دیکھتے ہی پکارنے لگی۔ میں اس کی طرف بڑھی ہی تھی کہ لاؤنج کا داخلی دروازہ دھماکے کے ساتھ کھلا اور سمیع ہاتھ میں بیٹ بال تھامے ڈورتا ہوا اندر چلا آیا۔

"سمیع! یہ کیا کیا تم نے؟" وہ جو بے ترتیبی سے صوفے پر ڈھیر ہوا تھا۔ میں نے ناگواری سے اس کے مٹی سے بھرے جوتوں کو دیکھا۔ جس نے قالین پہ نقش و نگار بنادیے تھے۔

"اوہ! سوری مام!" وہ مصنوعی انداز سے چونکا اور جھک کر جوتے اُتارنے لگا۔ میں صندل کے برابر بیٹھی تو اس نے فائل میں لگا صفحہ میرے آگے کردیا۔

نصف صفحہ پُر تھا۔ میں نے موضوع پر نگاہ کی "آزادیٔ نسواں یہ ہے" کے الفاظ مجھے اپنا منہ چڑاتے محسوس ہوئے۔

❁......☆......❁

میں پچھلے ایک ہفتے سے عاشر سے جاب کی اجازت مانگ رہی تھی مگر ان کا ایک ہی جواب تھا۔

"تمہاری ضرورت میرے گھر کو ہے۔ میری جیب تمہاری کمائی کے بغیر بھی بہت فراخ اور آسودہ ہے۔ اس لیے جاب کا خیال دماغ سے نکال دو۔" انہوں نے گویا بات ہی ختم کردی۔

"لیکن عاشر! میں سارا دن گھر میں اکیلی رہتی ہوں۔ صندل اور سمیع کے اسکول جانے کے بعد گھر کا کام ہی کتنا ہوتا ہے اگر میں وہ فراغت کام میں صَرف کروں تو ہم مالی طور پر مزید مستحکم ہوسکتے ہیں۔ اتنی مہنگائی ہے۔ اپنا گھر خریدنے کے لیے میں کوئی کمیٹی وغیرہ ڈال لوں گی۔" میں نے اپنی طرف سے خاصا پُراثر نقطہ اٹھایا تھا۔

"دیکھو عاصمہ! گھر کے مالی اخراجات کہاں سے پورے ہوں گے یہ فکر تمہاری نہیں ہے۔ میں تمہیں جو کما کر دیتا ہوں تم انہیں سلیقے سے خرچ کرو، یہ تمہارا سر درد ہے۔ تم کیوں اضافی ذمہ داریاں اپنے سر لینا چاہتی ہو۔ ہم الحمدللہ! ابھی بھی بہت اچھے حال میں ہیں اور رہی اپنے گھر کی بات، میں کوشش کر رہا ہوں نا؟ ہم اگلے دو سالوں میں ان شاء اللہ اپنے گھر میں ہوں گے اور پھر سب سے اہم بات میں نہیں چاہتا کہ روزگار کی تگ و دو میں جو دکھ میں برداشت کرتا ہوں، وہ میری حسین اور نازک سی بیوی کو بھی سہنا پڑے۔" ناصحانہ انداز کا اختتام پیار بھرے لہجے پہ ہوا اور میں دل مسوس کر رہ گئی۔

❁......☆......❁

میں پکوڑوں کا آمیزہ تیار کر رہی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے کچن کی کھڑکی سے لاؤنج میں نظر کی تو سمیع مجھے ٹی وی میں محو نظر آیا۔ میں پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ دوبارہ دستک ہوئی مگر سمیع مجھے ہنوز بے نیاز نظر آرہا تھا۔ میں نے اسے پکارنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ نینا مجھے صندل کی معیت میں لاؤنج میں داخل ہوتی دکھائی دی۔ میں نے سنک میں ہاتھ دھوئے اور باہر نکل آئی۔ نینا سے معانقہ کے بعد میں اسے لیے ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ مجھے معلوم تھا اب صندل پکوڑے فرائی کرکے چائے کے لوازمات پہنچادے گی۔

"اوکم آن عاصمہ! اتنی اچھی جاب ہے۔ سیلری بھی اچھی ہے۔ تمہارے اپنے خرچے تو پورے ہوجائیں گے نا اس جاب سے۔ تم عاشر کو سمجھاؤ۔ عورت اپنے بل بوتے پر ہو تو زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ یہ جابز وغیرہ عورت کو تحفظ کا

احساس دلاتی ہیں اور ویسے بھی آج کل تو عورتیں مَردوں کے شانہ بشانہ چل رہی ہیں۔ ہمارے معاشرے کے لبرل اور روشن خیال مرد بھی جہاں عورت کو آزادی دینے کی بات آتی ہے، ان کی پیشانی بلوں سے بھر جاتی ہے۔ آزادیٔ نسواں تو جیسے ان کی دُکھتی رگ ہے۔"

نینا نے میرے انکار پر اچھی خاصی تقریر جھاڑ دی۔ نینا میری دوست ہونے کے ساتھ ایک آفس میں ریسپشنٹ بھی ہے۔ اس کے آفس میں کچھ اسامیاں خالی ہوئیں تو اس نے مجھ پر زور دینا شروع کر دیا کہ میں یہ جاب کرلوں اور اس سلسلے میں اس نے مجھے قائل بھی کرلیا مگر عاشر کو سمجھانا میرے بس سے باہر ہے۔

"وہ تو ٹھیک ہے نینا۔ مگر عاشر کو کون سمجھائے؟" میں نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

"تو انہیں تم سمجھاؤ نا۔ تمہارے وارے نیارے ہوجائیں گے۔ اتنی اچھی جاب ہے۔ غیر انحصاری زندگی کا بھی اپنا مزا ہے۔ اپنا کھاؤ، بنا سوچے خرچ کرو۔ ہمارے معاشرے نے عورت کو قید کر دیا ہے۔ مغربی ممالک میں دیکھو۔ کسی کو کسی سے کوئی غرض نہیں ہے۔ سب اپنے آپ میں مگن ہیں اور ہمارے یہاں ایک ذرا باہر کہیں جانا ہو تو ساس کو بتاؤ۔ شوہر سے اجازت لو یا اس کے ساتھ جاؤ۔ آزادیٔ نسواں کا کوئی تصور نہیں ہے۔ شادی کے نام پر عورت کو چار دیواری میں بند کر دیا جاتا ہے۔"

بات کہاں سے نکلی اور کہاں کو چلی گئی۔

رات یہی سب جب میں نے عاشر سے کہا تو چند لمحے کے لیے چپ ہوگئے پھر مجھے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا۔

"مجھے ایک بات بتاؤ عاصمہ! کیا تمہیں لگتا ہے میں نے کبھی تم پر بے جا پابندی لگائی ہے یا کبھی تم پر ناجائز روک ٹوک کی ہے؟ کبھی تمہارے حقوق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی کی ہے؟" عاشر کا ملائمت سے بھرپور لہجہ مجھے پشیمان کر گیا۔

"عاشر! میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ آج کل عورت مرد کے شانہ بشانہ قدم سے قدم ملا کر چل رہی ہے۔ ایسے میں آپ کو مجھے روکنا...... آج مَردوں سے آگے چل رہی ہیں عورتیں...... آپ سمجھتے کیوں نہیں؟"

"اگر تمہارا مطلب یہ ہے کہ میڈیکل، انجینئرنگ اور ٹیچنگ کے شعبوں میں لڑکیوں کی تعداد صنفِ مخالف سے زیادہ یا ان کے برابر ہے تو اس کا مطلب مرد اور عورت قدم بہ قدم چل رہے ہیں۔ تب تم اپنی تصحیح کرلو کیونکہ کچھ کام تو عورت نے مَردوں کے مقابل آکر کرلیے ہیں۔ مگر یہ بتاؤ کبھی تم نے کدال لے کر عورت کو پہاڑ کاٹ کر راستے بناتے دیکھا ہے؟ گھر کی چونا قلعی کا کام کوئی عورت کرتی نظر آئی تمہیں؟ ایسے بہت سے کام ہیں جو عورتیں نہیں کرتیں اور نہ ہی وہ کرسکتی ہیں؟ گھر کی بیرونی دیوار پر ملکی سرحد پر ہم لوگ حفاظت کی غرض سے کانٹوں کی باڑھ لگاتے ہیں۔ اگر انہی کانٹوں کی جگہ پھول لگا دیئے جائیں تو مجھے بتاؤ کیا وہ ان کانٹوں کی طرح تحفظ دے سکتے ہیں؟ ظاہر سی بات ہے پھول مرجھا جائیں گے۔ پھول زیب و زینت کے لیے ہوتے ہیں اگر انہیں حفاظت سے نہ رکھو تو یہ مرجھا جاتے ہیں۔ انہیں دھوپ سے، آلودہ ہوا سے بچانا پڑتا ہے تو یہ اپنی تازگی برقرار رکھ پاتے ہیں۔ حقِ آزادی ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور مَردوں کے شانہ بشانہ چلنے کو اگر تم آزادیٔ نسواں گردانتی ہو تو جان لو کہ عورت ازل سے

مَردوں کے شانہ بشانہ چل رہی ہے۔"

"عورت اور مرد گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ مَردوں کو اللہ نے مضبوط بنایا اور اسے فکرِ معاش کی سختی جھیلنے کی ذمہ داری سونپ دی۔ عورت کو اللہ نے نازک بنایا تو اسے چار دیواری میں محفوظ کر کے نسلوں کی پرورش کا کام سونپ دیا۔ دونوں اپنے اپنے حصے کی ذمہ داریاں بخوبی نبھاتے ہیں تو ایک اعلیٰ نسل پرورش پاتی ہے۔ مرد اور عورت قدم بہ قدم زندگی کی گاڑی آگے بڑھاتے ہیں۔ دونوں برابر بوجھ اٹھاتے ہیں۔ اللہ نے عورت کو سیپ میں بند پاکیزہ موتی کی مانند رکھا ہے۔ اس گوہر کو سیپ میں بند پاکیزہ موتی ہی رہنے دو۔ اسے گرد آلودہ فضا میں آلودہ مت کرو۔ میں تمہارے جاب کرنے پر معترض ہوں۔ میں تمہارے بلاضرورت جاب کرنے پر معترض نہیں ہوں۔ میری بات سمجھ رہی ہو نا؟" عاشر کے سوالیہ جملے پر میرا سر اثبات میں ہلا۔

❁......☆......❁

امریکا میں ایک اٹھارہ سالہ لڑکی اپنے گھر کے باہر سیڑھیوں پر بیٹھی رو رہی تھی۔ کسی نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ اس نے دو ماہ سے اپنے گھر کا کرایہ ادا نہیں کیا جس کی بنا پر اس کے باپ نے اسے گھر سے بے دخل کر دیا۔ ایک دو نہیں ایسے بہت سے واقعات اس مغربی معاشرے میں وقوع پذیر ہوتے ہیں، جن کی اندھا دھند تقلید کرنا ہم اپنا نصب العین سمجھتے ہیں۔ اٹھارہ برس کے بعد لڑکی کی کفالت سے ہاتھ کھینچ لینا اسے زمانے کی سختی برداشت کرنے کے لیے تنہا اس ظالم معاشرے میں دھکیل دینا۔ اسے نام نہاد آزادی دے دینا جس کی وجہ سے بہت سی معاشرتی اور اخلاقی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ آزادیٔ نسواں کا ڈھونگ رچا کر مغربی معاشرہ دراصل اپنے ان فرائض سے دستبردار ہوجاتا ہے جو صنفِ نازک کا حق ہیں۔

بہ نسبت اس کے ہمارے یہاں عورت کو کانچ کی مانند سنبھال کے رکھا جاتا ہے۔ اسے زمانے کے سرد و گرم سے بچا کر چار دیواری میں محفوظ رکھا گیا تاکہ کوئی ناپاک نظر بھی اس پاکیزہ وجود کو میلا نہ کرسکے۔

عزت کی روٹی، تحفظ کی چادر اور کفالت کا سائبان فراہم کر کے عورت کو فکرِ معاش سے آزاد رکھا جاتا ہے۔ عمر کے ہر دور میں کبھی باپ، کبھی بھائی، کبھی شوہر اور کبھی بیٹے کی شکل میں اس کا ایک محافظ مقرر ہے۔ جن کے ہوتے ہوئے کوئی نگاہِ غلط اس نازک وجود پر نہیں پڑسکتی۔ یقیناً عورت اسلامی معاشرے میں اتنی ہی معتبر ہے۔ جتنی عزت ہمارے یہاں عورت کی کی جاتی ہے۔ شاید ہی کسی مذہب اور معاشرے میں صنفِ نازک کو یہ اہمیت اور مقام حاصل ہو۔

صندل تقریری مقابلے کے لیے پُرجوش تھی۔ صفحے پر درج تقریر روانی اور جوش سے پڑھ رہی تھی۔ مگر اس کا اک اک لفظ جیسے میرے اندر اُتر کر مجھے کسی گہری کھائی میں دھکیل رہا تھا۔ شرمساری و ندامت کی گہری اندھی کھائی۔ عاشر نے ٹھیک ہی تو کہا تھا۔ پھول زیب و زینت کے لیے ہوا کرتے ہیں۔ آزادیٔ نسواں کے نام پر ان پھولوں کی نزاکت کو قربان نہیں کیا جاسکتا۔

روحانی مسائل کا حل

حافظ شبیر احمد

یاسمین......لاہور

جواب: بی بی آپ شوہر کی نہ ہوئیں تو بیٹا آپ کا نہ ہوا۔ یہ تو مکافات عمل ہے۔ بہرحال اللہ سے معافی مانگیں۔ سورۃ البقرۃ اور یٰسین شریف پڑھ کر سب کو پانی پلائیں اور پئیں 40 روز۔ رشتہ کے لیے بعد نمازِ فجر سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74' 70 بار روزانہ پڑھیں۔

مسرت یاسمین......راولپنڈی

جواب: بی بی آپ سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74' 70 بار روزانہ پڑھیں (اوّل وآخر درود شریف) تین ماہ تک۔ بھائی آپ کا رشتہ کے لیے تیار نہیں تو اس کو سورۃ الفلق 70 بار پڑھ کر پانی پلائیں۔

تحریم نذیر...... بھمبر (آزاد کشمیر)

جواب: بچی پر جب یہ کیفیت آئے تو سورۃ الجن پڑھ کر ایک بار پانی پر پھونک کر اس کو چھینٹا دیں پھر پانی پلائیں۔

ایس اے عالم......راولپنڈی

جواب: درود شریف کثرت سے پڑھتے رہیں۔ **اللھم انا نجعلک فی نحورھم و نعوذبک من شرورھم**۔ نیت اے اللہ مجھے نجات دے اس کی نحوست اور شر سے۔ ہر نماز کے بعد گیارہ بار پڑھیں (بیوی کے لیے بھی یہی کریں)۔ بعد فجر سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74' 70 بار روزانہ پڑھیں۔ اوّل وآخر درود شریف گیارہ گیارہ بار پھر رشتہ کے لیے دعا کریں تین ماہ تک مستقل۔

محمد دانیال......بہاولپور

ماھو الا ذکر للعلمین۔ (القلم ۵۶) بعد نمازِ فجر 41 مرتبہ پڑھ کر پانی پر دم کردیں وہ پانی صبح نہار منہ پلائیں (روزانہ کا عمل ہے یہ)۔ جب سو جائے تو سرہانے کھڑے ہو کر ایک تسبیح پڑھیں اتنی آواز سے کہ اگر جاگ رہا ہو تو سن لے۔ اوّل وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ۔

قمر النساء......کورنگی، کراچی

جواب: سات بار سورۃ الجن خود نہ پڑھ سکو تو کسی سے بلند آواز سے پڑھوا کر سنو روزانہ۔

ز'ل'ک......کنجاہ

جواب: بعد نمازِ فجر سورۃ الفرقان آیت نمبر 74' 70 مرتبہ پڑھیں، اوّل وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ۔ دعا بھی کریں۔

آصف ہارون......کوہاٹ

ج:۔ نماز کی پابندی کریں۔ بعد نمازِ فجر 41 مرتبہ **سورۃ الفاتحہ** اول وآخر 11'11 مرتبہ درود شریف۔ پورے جسم پر پھونک ماریں۔

ہر نماز کے بعد **سورۃ الفلق اور سورۃ الناس** 9'9 مرتبہ پڑھیں۔ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔ ان شاء اللہ

مریم شاہین......راولپنڈی

ج:۔ عشاء کی نماز کے بعد 41 مرتبہ **سورۃ الفاتحہ** اول وآخر 11'11 مرتبہ درود شریف۔ ہاتھوں پر دم کر کے سر اور پورے جسم پر پھیرا کریں۔

امتحان میں کامیابی کے لیے ہر نماز کے بعد 7 مرتبہ **سورۃ القریش** پڑھا کریں۔ دعا بھی کیا کریں۔

سر درد اور آنکھوں میں پانی آنا پڑھتے وقت "کچا نزلہ" کی نشانی ہے۔ اس کا علاج کروائیں۔

شاداب......میرپور خاص

ج:۔ جائیداد کے لیے **سورۃ یٰسین** کی آیت نمبر 82۔ 313 مرتبہ اول وآخر 11'11 مرتبہ درود شریف۔

رات کے وقت آیت کے معنی ذہن میں رکھیں اور نیت اچھے کام کی ہو۔

نماز کی پابندی کریں، روزانہ استغفار اور درود

شریف کی 1 تسبیح کریں۔

جب گھر میں چینی آئے اس پر 3 مرتبہ سورۃ مزمل پڑھ کر دم کردیں۔ 11'11 مرتبہ اول وآخر درود شریف۔ لڑائی جھگڑے نہیں ہوں گے۔

رشتہ کے لیے:۔ **سورۃ الفرقان** آیت نمبر 74' 70 مرتبہ اول وآخر 11'11 مرتبہ درود شریف بعد نماز فجر۔

جن کے رشتوں کا مسئلہ ہے وہ خود پڑھیں۔

سندس گلزار احمد......سرگودھا

ج:۔ والدہ سیم پھلی کا سالن بنا کر کھائیں افاقہ ہوگا۔ آپ کی والدہ کریں۔

والد کا مسئلہ:۔ بیان نہیں کیا۔ جواب دیے گئے مسئلے کے بارے میں دوبارہ پوچھا ہو تو جواب ساتھ لگایا کریں۔

والد کا مسئلہ:۔ بیان نہیں کیا۔ جواب دیے گئے مسئلے کے بارے میں دوبارہ پوچھا ہو تو جواب ساتھ لگایا کریں۔

سندس......سرگودھا

ج:۔ رشتے کے لیے:۔ بعد نماز فجر **سورۃ الفرقان** آیت نمبر 74' 70 مرتبہ اول وآخر 11'11 مرتبہ درود شریف۔ دعا بھی کریں۔

سورۃ اخلاص، سورۃ الفلق، سورۃ الناس 9'9 مرتبہ ہر نماز کے بعد اپنے اوپر دم بھی کیا کریں۔

جویریہ......لاہور

ج:۔ "**یا قوی**" ہر نماز کے بعد 11 مرتبہ سر پہ ہاتھ رکھ کر "**یا فتاح**" 1 تسبیح روزانہ اول وآخر 11'11 مرتبہ درود شریف امتحان شروع ہونے سے نتیجہ آنے تک۔ دعا بھی کریں۔

ک۔گ......اورنگی ٹاؤن

ج:۔ بعد نمازِ فجر **سورۃ الفرقان** آیت نمبر 74' 70 مرتبہ پڑھیں۔ اول وآخر 11'11 مرتبہ درود شریف اللہ سے معافی بھی مانگیں اور اچھے اور جلد رشتہ کے لیے دعا بھی کریں۔ مسئلہ جلد حل ہوجائے گا۔ ان شاء اللہ

ط۔ن......گجرات

ج:۔ **سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق، سورۃ الناس** 11'11 بار پڑھ کر دشمن ختم ہونے کا تصور کر کے پانی پہ پھونک مار کر پیا کریں۔ 3 ماہ تک۔

"**یا واحد**" 1000 مرتبہ روزانہ اول وآخر 11'11 مرتبہ درود شریف۔

ث......ساہیوال

ج:۔ "**اللھم انا نجعلک فی نحورھم و نعوذ بک من شرورھم**" تصور ان کو رکھ کر پڑھیں کہ ان کی نحوست اور شر سے نجات دے اور جو میرے حق میں بہتر ہو اللہ میاں وہ کردیں۔ آمین

صائمہ......فیصل آباد

ج: مسئلہ نمبر 1:۔ سورۃ طٰحہ کی شروع کی 5 آیات ہر نماز کے بعد 7 مرتبہ پڑھ کر دم کریں۔

نمبر 2:۔ فجر اور عشاء میں 41 مرتبہ سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم بھی کریں اور پانی بھی پلائیں دم کیا ہوا۔

نمبر 3:۔ رات کو جب سو جائے سرہانے کھڑے ہو کر 1 تسبیح "سورۃ العصر" کی پڑھیں اول وآخر 11'11 مرتبہ درود شریف۔ اتنی آواز میں کہ اگر وہ جاگ رہی ہو تو سن سکے۔ نیت:۔ راہِ راست پر آرہی ہے۔

رشتے کے لیے سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74' 70 مرتبہ بعد نماز فجر اول وآخر 11'11 مرتبہ درود شریف۔ گھر کا کوئی بھی فرد پڑھ لے۔

خدیجہ......سرگودھا

ج:۔ "**یا سمیع**" 313 مرتبہ بعد نماز عشاء اول وآخر 11'11 مرتبہ درود شریف دعا بھی کریں۔

نام کے معنی ذہن میں رکھ کر پڑھیں تصور بھی کریں ٹھیک ہونے کا۔

ساجد......شور کوٹ

ج:۔ جب گھر میں چینی آئے اس پر 3 مرتبہ

سورۃ مزمل پڑھ کردم کردیں۔اول وآخر 11'11 مرتبہ درودشریف۔لڑائی جھگڑے نہیں ہوں گے۔

"لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" اول وآخر 11'11 مرتبہ درودشریف 1000 مرتبہ پڑھ کرپانی پہ دم کریں۔زیادہ سے زیادہ وہ پانی پلائیں پانی اس میں ملاتے بھی رہیں۔

رشتہ کے لیے:۔بعدنمازفجر سورۃ الفرقان آیت نمبر 74' 70 مرتبہ اول وآخر 11'11 مرتبہ درودشریف۔

عزیز فاطمہ......لانڈھی' کراچی

ج:۔بعدنمازفجر 3 مرتبہ سورۃ یسین 1 مرتبہ سورۃ مزمل پڑھ کراپنے تمام مسائل کے لیے دعا کریں۔

شہنیلا توصیف......فیصل آباد

ج:۔رشتہ کے لیے بعدنمازفجر سورۃ الفرقان آیت نمبر 74' 70 مرتبہ اول وآخر 11'11 مرتبہ درود شریف۔1 مرتبہ پوراکلمہ پھر "لا الہ الا اللہ" 99 مرتبہ پھر محمد رسول اللہ اس طرح 3 تسبیح کرنی ہیں۔بعد نمازعشاء۔

بعدنمازفجر سورۃ یسین اور سورۃ المزمل کا معمول بنالیں۔ان شاء اللہ کاموں میں رکاوٹیں نہیں آئیں گی۔

جمیل......ساہیول

ج:۔بعدنمازعشاء سورۃ عبس 23 پارہ 3 مرتبہ پڑھیں بغیر بسم اللہ۔درودشریف کے ساتھ۔

بعدنمازفجر سورۃ الفرقان آیت نمبر 70.74 مرتبہ اول وآخر 11'11 مرتبہ درودشریف۔وظیفہ خلوص اور یکسوئی کے ساتھ کریں ان شاء اللہ جلد خوش خبری ملے گی۔

نادیہ......گجرات

ج:۔وظیفہ جاری رکھیں۔صدقہ بھی دیں (مرغی/بکرا) نیت جورکاوٹ ہے وہ ختم ہوجائے۔

مہوش "یا فتاح" روز 1 تسبیح کریں۔اول وآخر 11'11 مرتبہ درودشریف۔

آمنہ اعوان......حیدرآباد

ج:۔بچیوں کے لیے:۔سورۃ الفاتحہ' سورۃ الاخلاص' سورۃ الفلق' سورۃ الناس' 7'7 مرتبہ پڑھ کردم کیا کریں صبح وشام۔

"یا عدل" 313 مرتبہ روزانہ اول وآخر 11'11 مرتبہ درودشریف۔کیس کے لیے۔

ہرنماز کے بعد "یا ولی" 41 مرتبہ پڑھیں۔شوہر کے دل میں اپنی اور بچیوں کی الفت کا تصور رکھ کر۔

نادیہ طاہر......گوجرہ

ج:۔"یا رئوف" 286 بار ہرنماز کے بعد پڑھ کرسب کے راضی ہونے کی دعا مانگیں۔3 ماہ تک۔

کمال فاطمہ......نیوکراچی

ج:۔"یا متعالی" ہرفرض نماز کے بعد 151 باروردکریں اوردعاکریں۔جلد کامیابی ہوگی۔

حنا ریاض......لاہور

ج:۔آپ نماز کی پابندی کریں۔بعد نماز فجر سورۃ الفرقان آیت نمبر 74' 70 مرتبہ اول وآخر 11'11 مرتبہ درودشریف۔

نیت اوردعا یہ ہوکہ جہاں میرے حق میں بہتر رشتا ہو وہاں ہو۔جلد از جلد۔ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ جلد حل ہوجائے گا۔وظیفہ پابندی اور خلوص کے ساتھ کریں۔

دوست نمادشمنوں سے بچیں عقل استعمال کریں۔

نسرین کوثر......لاہور

ج:۔تارامیرا تیل (کڑوا تیل) اس پر 11 مرتبہ سورۃ عبس (23 واں پارہ) پڑھ کردم کریں روزانہ وہ تیل سرپرلگائیں۔

ثمینہ ارشاد......رحیم یارخان

ج:۔بعدنمازفجر سورۃ الفرقان آیت نمبر 74' 70 مرتبہ اول وآخر 11'11 مرتبہ درودشریف۔

پھر دعا بھی کریں ان شاء اللہ مسئلہ جلد ہوجائے گا۔

شائستہ غلام محمد......میلسی

ج:۔"یا ولی یا والی" 101 بارپڑھیں ہرنماز کے بعد دعا مانگیں۔

صبا اقبال......گجرات

ج:۔جب گھر میں چینی آئے اس پر 3 مرتبہ سورۃ المزمل (اول وآخر 11'11 مرتبہ درود شریف) پڑھ کردم کردیں چینی سب گھروالوں کے استعمال میں آئے۔

رشتے کے لیے:۔بعدنمازفجر سورۃ الفرقان آیت نمبر 74' 70 مرتبہ اول وآخر 11'11 مرتبہ درود شریف دعا بھی کریں۔

ث۔ش......کھاریاں

ج:۔ہرنماز کے بعد 11 مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھ کردعا کریں۔اپنے رشتے کے لے۔

"یا فتاح" روزانہ 1 تسبیح نتیجہ آنے تک۔اول و آخر 11'11 مرتبہ درودشریف۔

گل آرا......آزادکشمیر

ج:۔بعدنمازفجر سورۃ الفرقان آیت نمبر 74' 70 مرتبہ اول وآخر 11'11 مرتبہ درودشریف۔اچھے اور جلد رشتوں کے لیے دعا کریں اور راضی بھی ہوجائیں۔

آمنہ بتول......بہاولپور

ج:۔ 41'41 پڑھیں رات سوتے وقت سورۃ الفلق اور سورۃ الناس اوراپنے جسم پرپھونک ماریں۔

بعدنمازفجر سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74' 70 بار پڑھ کراچھے رشتے کی دعا کریں۔دورانیہ 3 ماہ۔

شہناز بیگم......کراچی

ج:۔بڑا بیٹا نماز کی پابندی کرے۔فجر کی نماز کے بعد 1 مرتبہ سورۃ یسین اور 1 مرتبہ سورۃ رحمن پڑھے۔

فوراً گھر لینا ٹھیک نہیں حاسدین کی دشمنی کا اندیشہ ہے۔کچھ وقت ٹھہر کر جو مناسب ہو وہ فیصلہ کرلیں۔

سارے پیسے کاروبار میں نہ لگائیں۔

ریحانہ تبسم......لالہ موسیٰ

ج:۔تبسم ارم اور عائزہ نوشین جب سوجائیں ان کے سرہانے کھڑے ہوکر الگ الگ سورۃ العصر 41 مرتبہ اول وآخر 11'11 مرتبہ درودشریف۔نیت یہ رکھیں کہ فرمانبردار ہو رہی ہیں۔اتنی آواز میں پڑھیں کہ اگر جاگ رہی ہوں تو سن سکیں۔

رشتوں کے لیے:۔بعدنمازفجر سورۃ الفرقان آیت نمبر 74' 70 مرتبہ اول وآخر 11'11 مرتبہ درود شریف رشتوں کے لیے دعا بھی کریں۔

اگر ممکن نہ ہوتو ہرفرض نماز کے بعد پڑھ کر تصور میں دونوں بیٹیوں کی شکل لاکران پر دم کریں۔اللہ مہربان ہو۔

نغمانہ......کھاریاں

ج:۔11 مرتبہ سورۃ عبس 23 پارہ۔بغیر بسم اللہ بغیر درودشریف۔رات کو پڑھ لیں۔دو بوتل پردم کریں۔

ایک کو صبح پورے گھر کی دیواروں پر چھڑک دیں دوسری سب گھر والے تھوڑا تھوڑا استعمال کریں۔روزانہ کا عمل ہے۔3 ماہ تک کرنا ہے۔

۲:۔ایک تیل کی بوتل پردم کریں۔سورۃ عبس 11 مرتبہ اول وآخر 11'11 مرتبہ درودشریف روزانہ سرپر لگائیں۔ان شاء اللہ سر کا درد ٹھیک ہوجائے گا۔

رابعہ تنویر......لاہور

ج:۔چونکہ آپ نے گھر کا مکمل پتا اور گھر کے افراد کے نام تحریر نہیں کیے۔اس لیے گھر کے حالات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گندے عمل کی وجہ سے ہوا ہے۔

روزانہ سورۃ بقرہ 1 مرتبہ پڑھ کر 2 بوتل پردم کریں۔ایک بوتل کا پانی پورے گھر میں چھڑکیں۔دوسری تمام گھر والے صبح شام استعمال کریں۔3 ماہ تک جاری رکھیں۔صدقہ بھی دیں۔

ماریہ شکیل......فیصل آباد

ج:۔ ہر فرض نماز کے بعد ”سورۃ العصر“ 21 بار پڑھیں۔ اول و آخر 3'3 بار درود شریف۔ تصور میں بھائی کو سامنے رکھ کر۔ پڑھنے کے بعد تصور میں بھائی پہ پھونک ماریں نیت اچھا اور فرمانبردار ہونے کی ہو۔

عاصمہ نورین......لاہور

ج:۔ رات سوتے وقت سورۃ الاخلاص‘ سورۃ الفلق‘ سورۃ الناس 19'19 بار۔ یہ وظیفہ کریں سب ٹھیک ہوجائے گا۔ ان شاء اللہ

حسیب احمد......ملتان

ج:۔ 11 مرتبہ سورۃ مزمل پڑھ کے تیل پر دم کریں اور پانی پر‘ روزانہ تیل کی مالش کریں اور پانی زیادہ سے زیادہ پلائیں۔ اول و آخر 11'11 مرتبہ درود شریف ہر ماہ یہ عمل کرلیا کریں۔

رزق میں فراوانی کے لیے صدقہ دیا کریں۔ ہر نماز کے بعد سورۃ القریش 11 مرتبہ پڑھا کریں۔

صائمہ......حجرہ شاہ مقیم

ج:۔ سورۃ ال عمران آیت 38 ہر نماز کے بعد 11 مرتبہ پڑھیں (دونوں) دعا بھی کریں۔

سورۃ عبس (23 واں پارہ) 11 مرتبہ بعد نماز عشاء پڑھ کر اپنے اوپر دم کریں۔

ان شاء اللہ آپ کی مراد جلد پوری ہوگی۔

ماہ نور......سرگودھا

ج:۔ ”یا علیم“ پڑھنے سے پہلے 11 بار درود شریف پڑھیں۔ رشتے کے لیے سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74‘ 70 بار بعد نماز فجر پڑھیں اور دعا مانگیں۔

مس ناز......کراچی

ج:۔ اول و آخر 11'11 بار درود شریف۔ 141 بار سورۃ الفلق اور سورۃ الناس روزانہ پڑھ کر سب گھر والے پئیں اور در و دیوار پہ چھڑکیں۔ 40 دن بعد بہتری شروع ہوگی۔ یہ عمل 3 ماہ تک جاری رکھیں۔

اسماء......میر پور خاص

ج:۔ کاروباری ذہن نہیں ہے آپ کے شوہر کا۔ ”سورۃ النصر“ 30 واں پارہ۔ بعد نماز عشاء 125 بار اول و آخر درود شریف 25'25 بار۔ روزانہ بلاناغہ پڑھیں۔ بہت اچھا رسپانس ملے گا۔ پڑھنا صرف شوہر کے لیے ہے۔

مریم شاہین......گوجر خان

ج:۔ ”یا لطیف یا ودود“ 11'11 مرتبہ رات کے وقت اول و آخر 11'11 مرتبہ درود شریف۔ دعا بھی کریں۔

آمنہ......حیدر آباد

ج:۔ روزانہ 3 بار سورۃ ’الجن‘ پڑھ کر پانی پر پھونک مار کر پلائیں اور تیل پر دم کر کے سر میں لگائیں۔ ان شاء اللہ ایک ماہ میں فرق آجائے گا۔

ن......خانیوال

ج:۔ رات کو سورۃ الفلق اور سورۃ الناس 41'41 بار پڑھ کر بندش و رکاوٹ ختم ہونے کی دعا کریں۔

بعد نماز فجر سورۃ فرقان کی آیت نمبر 74‘ 70 بار پڑھ کر رشتے کے لیے دعا کریں۔ 3 ماہ تک۔

نسیم فاطمہ......بھکر

ج:۔ رشتے کے لیے: بعد نماز فجر سورۃ الفرقان آیت نمبر 74‘ 70 مرتبہ اول و آخر 11'11 مرتبہ درود شریف۔

بھابی کے لیے:۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر 38 ہر نماز کے بعد 11 مرتبہ پڑھیں اور دعا بھی کریں۔

ساحرہ......راولپنڈی

ج:۔ گھر بدلنے کی ضرورت نہیں۔ والدہ اور والد پڑھیں دونوں بھائیوں کے لیے۔ ”یا حکم یا عظیم“ ہر فرض نماز کے بعد 313 بار اور صبح و شام 7'7 بار سورۃ الاخلاص‘ سورۃ الفلق سورۃ الناس پڑھ کر پانی پہ پھونک مار کر سب گھر والے پئیں اور چھڑکیں بھی۔ پانی زمین پر نہ گرے۔ باتھ روم والی سائیڈ پر نہ چھڑکیں۔ 3 ماہ تک۔

ع ظ......شیخوپورہ

ج:۔ ”یا حکم“ اس کا ورد بغیر تعداد کے رکھیں۔ نیت‘ چچا میری بات مانیں اور والدہ کے ساتھ رہنے دیں۔ بی بی اللہ سے مانگیں۔ معلوم تو یوں ہوتا ہے کہ ابو کے خاندان میں شادی ہوگی۔

بشریٰ پروین......میر پور خاص

ج:۔ دونوں بچیاں سورۃ الاخلاص 41 بار پڑھیں۔ رات سونے سے پہلے اللہ سے بندش ٹوٹنے کی دعا کریں۔ بعد فجر سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74‘ 70 بار پڑھیں۔ پڑھ کر رشتے کی دعا کریں۔ اللہ عطا کرے گا۔ 3 ماہ تک پڑھیں۔

محمد احسان......سرگودھا

ج:۔ استغفار کی کثرت کریں۔ علاقے کے مفتی صاحب سے رجوع کریں یہ شرعی مسئلہ ہے۔

سعیدہ......سیالکوٹ

ج:۔ سورۃ الفلق‘ سورۃ الناس 141'141 بار دونوں سورتیں دن میں۔ اول و آخر 11'11 بار درود شریف۔ ایک بار پڑھ کر پانی پہ پھونک مار کر خود بھی پئیں سب کو پلائیں اور گھر میں چھڑکیں اور پڑھتے وقت نیت کریں کہ جو بھی بندش و رکاوٹ ہے وہ ختم ہو۔

بیٹا 125 بار ”سورۃ النصر“ اول و آخر 25'25 بار درود ابراہیمی روزانہ رات کو پڑھے۔ کامیابی کے لیے۔

پری......چشتیاں

ج:۔ کزن سورۃ القریش ہر نماز کے بعد 41 بار پڑھ کر دعا کرے کامیابی کے لیے۔

بہتر ہے نام تبدیل کردیں۔

سدرہ......جہلم

ج:۔ آیۃ الکرسی کا ورد رکھیں۔ رات سوتے وقت 7 بار پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک کر سوئیں۔ ”اللہ الصمد“ ہر نماز کے بعد پڑھ کر بھولنے کی دعا کریں۔

محمد عزیز شاہ......میانوالی

ج:۔ ا:۔ ہر نماز کے بعد ”یا قوی“ 11 مرتبہ سر پر ہاتھ رکھ کر پڑھیں یاد رہے گا۔ جب یاد ہوگا تب شوق بھی پیدا ہوگا۔ ۲:۔ والدہ بھائی کے سرہانے رات کو کھڑی ہو کر 21 مرتبہ سورۃ العصر پڑھیں۔ اول و آخر 11'11 مرتبہ درود شریف نیت یہ ہو کہ بھائی فرمانبردار ہو رہا ہے۔ ۳:۔ خالہ رات کو 101 مرتبہ سورۃ لہب اول و آخر 11'11 مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھیں۔ نیت یہ رکھیں کہ بیٹا واپس گھر کی طرف آرہا ہے ہمیشہ کے لیے‘ دعا بھی کریں۔

سعدیہ فیاض......فیصل آباد

ج:۔ رشتے کے لیے:۔ بعد نماز فجر سورۃ الفرقان آیت نمبر 74‘ 70 مرتبہ اول و آخر 11'11 مرتبہ درود شریف دعا بھی کریں۔

گھر میں آسیب نہیں ہے۔ جب گھر میں چینی آئے اس پر 3 مرتبہ سورۃ مزمل اول و آخر 7'7 مرتبہ درود شریف پڑھ کر دم کردیا کریں۔ چینی سب گھر والوں کے استعمال میں آئے۔ یہ عمل ہمیشہ رکھیں ان شاء اللہ گھر میں لڑائی جھگڑے نہیں ہوں گے۔

بھائی ”یا رزاق یا فتاح“ کا ورد رکھیں۔

نسرین اختر......میانوالی

ج:۔ لحاظ و مروت اتنی ہو کہ اپنا نقصان نہ ہو۔ سورۃ الاخلاص ہر فرض نماز کے بعد 21 دفعہ پڑھ کر چچا کے لیے دعا کریں۔ کم از کم 3 ماہ تک۔

شمیم اختر......میانوالی

ج:۔ سورۃ الاخلاص روزانہ اول و آخر 11'11 بار درود شریف 1001 بار پڑھیں۔ 3 ماہ تک۔ جائیداد کا حصہ اور بھائی کو اپنی طرف مائل

کرنے کے لیے۔

محمد یسٰین......ساہیوال

ج:۔ "یا حکم" ہر نماز کے بعد 121 بار پڑھ کر بچے کا تصور کریں کہ وہ ٹھیک اور کہنا ماننے لگا ہے۔

شوہر کو **سورۃ طٰحٰہ** کی پہلی 5 آیت ہر نماز کے بعد ایک گھونٹ پانی پہ 11 بار پڑھ کر پلائیں۔

نسرین، شریفاں بی بی......حجرہ شاہ مقیم

ج:۔ "**یا لطیف یا ودود**" 101 مرتبہ روزانہ رات کے وقت تنہائی میں اول و آخر 11'11 مرتبہ درود شریف نیت شوہر کے تمام برے کام چھوٹ جانے کی اور ان کے دل میں آپ کی محبت اور گھر کی ذمہ داری پیدا ہو رہی ہے۔ خلوص کے ساتھ یہ وظیفہ کریں اور دعا بھی کریں۔

جب نعمان سو جائے اس کے سرہانے کھڑے ہو کر **سورۃ العصر** 21 مرتبہ پڑھیں اول و آخر 11'11 مرتبہ درود شریف نیت یہ رکھیں کہ فرمانبردار ہو رہا ہے۔ وظیفہ با آواز پڑھیں۔ اتنی آواز سے کہ لڑکا نیند سے اٹھ نہ جائے۔

فائزہ صدیق......نامعلوم

ج:۔ نیم کے 41'41'41 پتے لے کر پھر سات نلکوں کا پانی لے کر (اتنا ہو کہ تین بار غسل کر سکیں) سب کو مکس کر لیں۔ ایک کلو پانی لے اس میں 41 نیم کے پتے جس پر آخری 3 قل 3 بار پڑھ کر پتوں پر پھونک ماریں اور اتنا سرسوں کا تیل لیں کہ آپ کے پورے جسم پر مالش ہو جائے۔ پانی میں پتے اور تیل ڈال دیں اور پکائیں۔ اتنا پکائیں کہ تیل اور پتے رہ جائیں۔ تیل سے رات کو جسم پر مالش کریں صبح ہی نہا لیں۔ تینوں بار یہی عمل دہرائیں۔ اس کے بعد، بعد فجر کی نماز 70 بار **سورۃ الفرقان** کی آیت نمبر 74 پڑھیں 3 ماہ تک۔ پڑھنے کے بعد اچھے رشتے کی دعا کریں۔

ثمرین شہزاد......کینیڈا

ج:۔ شہزاد کھلے ہاتھ کے ہیں (میانہ روی اختیار کریں)۔ آپ برکت کے لیے کچھ نہ کچھ اللہ کی راہ میں برکت کا کہہ کر نکالا کریں روزانہ معمول بنا لیں۔

سورۃ القریش، اذا جاء ہر نماز کے بعد 11'11 بار پڑھا کریں۔

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنھوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔

ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔

rohanimasail@gmail.com

روحانی مسائل کا حل کوپن فروری 2012ء

نام............ والدہ کا نام............ گھر کا مکمل پتا............

....

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں............

آپ کی شخصیت

اے ایس صدیقی

شخصیت چٹکی بجاتے میں نہیں بنتی۔ کچھ نہ کچھ محنت اور لگن بہرحال درکار ہوتی ہے۔ آپ نے وہ کہاوت تو سنی ہوگی جتنا گڑ ڈالو اتنا میٹھا کھانا۔

مشہور ماہر نفسیات ڈاکٹر ایڈلر نے لکھا ہے کہ روز ایک نیکی کرو۔ تمہارے خوف، تمہاری پریشانیاں اور خفقان ختم ہو جائیں گے۔

تو یوں سمجھیے کہ جب آپ الجھنوں اور پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہوں تو ان سے نمٹنے کے لیے دوسرے طریقوں کے ساتھ ایک طریقہ یہ بھی اختیار کریں اور سوچیں کہ آپ دوسروں کو کون سی خوشی دے سکتے ہیں۔

بہ ظاہر تو یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ دوسروں کو خوشیاں دینے سے ہمارے دکھ دور ہو جاتے ہیں لیکن حقیقتاً یہ غلط نہیں ہے۔ دیکھیے جب آپ کے دل میں دوسروں کا خیال ابھرتا ہے تو آپ اتنی دیر کے لیے اپنے متعلق پریشان ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ کوئی نیکی کرنے میں دیر مناسب نہیں دوسروں میں دلچسپی لیں اور ہر روز کوئی نیک کام کریں، اس سے آپ کا دل شاد ہوگا۔

آپ دیکھیں مذہب اسلام میں پڑوسی کا خیال رکھنے کے لیے کہا گیا ہے۔ بیمار کی عیادت کی تاکید ہے۔ صلۂ رحمی یعنی رشتہ داروں سے اچھے سلوک کا حکم ہے۔ قطع رحمی سے روکا گیا ہے۔ ان سب باتوں کا مقصد بس ایک ہی ہے کہ ہم صرف اپنے ہی بارے میں نہ سوچیں بلکہ دوسروں کا خیال بھی کریں۔

کہتے ہیں دوسروں کی خدمت کر کے جو روحانی خوشی ہوتی ہے، اس سے پرسکون نیند آتی ہے اور اطمینان کا عجیب احساس جاگتا ہے۔

آپ نے زندگی میں مشاہدہ کیا ہوگا کہ ہمارے اندر متعدد لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بہ ظاہر کوئی بڑی صلاحیت نہیں رکھتے، نہ ہی ان میں کوئی غیر معمولی پن ہوتا ہے۔ اس کے باوجود لوگوں میں انہیں خاصا پسند کیا جاتا ہے۔

اسی طرح آپ نے زندگی میں ایسے لوگ بھی دیکھے ہوں گے جن کے پاس مال و دولت بھی ہوتا ہے، حسن بھی ہوتا ہے، ذہانت بھی...... گویا ان میں بہت سی خوبیاں ہوتی ہیں مگر اس کے باوجود لوگوں میں وہ ذرا بھی مقبول نہیں ہوتے ان سے لوگ کتراتے ہیں۔

اس کی کیا وجہ ہوتی ہے؟

اس سوال کا جواب دینے سے قبل ہم چاہیں گے کہ آپ ذرا ہمارے مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب دیں۔

۱: کیا آپ کو اکثر چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بری لگتی ہیں؟

۲: کیا آپ کو یہ احساس گھیرے رکھتا ہے کہ لوگ آپ کو اہمیت نہیں دے رہے ہیں؟

۳: کیا آپ کو خود پر کی جانے والی تنقید بری لگتی ہے؟

۴: اگر کوئی آپ سے خفا ہو جائے تو آپ اسے منانے کی کوئی کوشش نہیں کرتے کہ آپ کو اپنی

توہین محسوس ہوتی ہے؟

۵: کیا آپ سے کوئی مذاق کرے تو آپ سنجیدہ ہوجاتے ہیں؟

ان پانچوں سوالوں کے جواب اگر آپ نے ''ہاں'' میں دیئے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ میں خوش مزاجی کی بہت کمی ہے اور آپ ایک زودرنج تنک مزاج آدمی ہیں۔

تو ہم اس سوال کا جواب دیں گے جو ہم نے کچھ پہلے لکھا ہے۔

ہماری مقبولیت اور نا مقبولیت کا بہت سا دارومدار ہمارے مزاج پر ہوتا ہے۔

بدمزاج، تنک مزاج، غصہ ور، زودرنج افراد کو معاشرے میں پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔

جب کوئی ذرا ذرا سی باتوں کا بُرا منانے لگتا ہے تو لوگ اس سے دور رہنے لگتے ہیں۔ اس طرح وہ آدمی تنہائی کا شکار ہوجاتا ہے۔

مقبولیت کی ہم نے جس صفت کا بیان کیا وہ خوش مزاجی ہے۔

خوش مزاج بننا کوئی مشکل کام نہیں۔ اس کے لیے کچھ استقامت کی ضرورت ہے۔ کچھ صبر درکار ہوتا ہے اور بس۔

یوں کریں کہ اپنے پر کی جانے والی تنقید کو سنیں، اس کا بُرا ماننے کے بجائے یہ سوچیں اس میں کتنی باتیں واقعی درست ہیں اور کیا انہیں تبدیل کرنا چاہیے اگر واقعی تنقید درست ہے تو اپنی اصلاح میں دیر نہ کریں۔

اگر تنقید درست نہیں ہے تو بجائے ناراض ہونے کے اسے بھول جائیں اور یہ سوچیں کہ یہ محض ایک شخص کا نقطۂ نظر ہے۔ جس سے آپ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اسی طرح اگر آپ سے کوئی ناراض ہوجائے تو کوشش کرکے اسے منالیں، اس میں آپ کی کوئی ہتک نہیں، اس سے آپ کی بڑائی کا احساس ابھرتا ہے۔

اب بات آتی ہے کہ نظرانداز کیے جانے کی۔ فرض کریں کہ آپ کو کوئی نظرانداز بھی کرتا ہے تو آپ بُرا منانے کے بجائے خود اس کی سمت بڑھیں اور اس سے بات کرکے اس پر تاثر دیں کہ آپ اسے نظرانداز نہیں کررہے ہیں۔ کوئی بڑا ہو یا چھوٹا سب کے ساتھ عزت سے پیش آئیں، جواباً آپ کو بھی عزت ملے گی۔

ایک آخری بات اور...... ہنستے مسکراتے چہرے اچھے لگتے ہیں۔ خوش گفتاری سب کو بھلی لگتی ہے۔ وہ لوگ جن کے چہروں پر خشونت رہتی ہے، ماتھے پر بل ہوتے ہیں، ہونٹ سکڑے ہوتے ہیں، لہجہ خشک ہوتا ہے۔ ان کی سمت بڑھنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔

گویا اس مضمون کا لب لباب یہ ہے کہ ہمیں ایک پسندیدہ شخصیت بننے کے لیے خوش مزاجی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کام آسانی سے ہوسکتا ہے۔

دیر نہ کریں، اس سمت میں قدم اٹھائیں۔

آپ کی صحت

ہومیوڈاکٹر محمد ہاشم مرزا

مسز خالد شر، قیور شریف سے لکھتی ہیں کہ مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں؟

محترمہ آپ OPION-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور شوہر کو دیں DAMIANA-Q دس قطرے تین وقت روزانہ۔

یاسر، آزاد کشمیر سے لکھتے ہیں کہ آپ میرا بھی مسئلہ حل کریں۔ قبض اور دیگر مسائل سے پریشان ہوں؟

محترم آپ OPION-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں مکمل آرام آنے تک۔

نوشین، ٹنڈو جان محمد سے لکھتی ہیں کہ مسائل شائع کیے بغیر جواب دیں؟

محترمہ آپ PULSATLLA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔

ارسلان میر پور خاص سے لکھتے ہیں کہ مسئلہ شائع کیے بغیر علاج تجویز کردیں؟

محترم آپ STAPHISGARIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور بُری عادت سے قطعی پرہیز کریں۔

ام سلمیٰ، علی پور سے لکھتی ہیں کہ میری دو بیٹیاں ہیں میری خواہش ہے کہ آئندہ بیٹا ہو؟

محترمہ آپ پہلے ماہ میں CACLCIUM PHOS-CM کے پانچ قطرے ایک رات سوتے وقت اور دوسرے صبح نہار منہ لیں، دو خوراک کافی ہے اللہ سے دعا کریں۔

رضوانہ، بھیرہ سے لکھتی ہیں کہ جھائیوں کے لیے آپ کی تجویز کی ہوئی دوا BERBARIS AOUIF-Q استعمال کی ہے کافی فرق پڑا ہے ابھی کتنے دن اور استعمال کرنی ہے۔ دوسرے میری آنکھوں کے نیچے باریک دانے ہیں۔

محترمہ اس دوا کا استعمال جاری رکھیں، اور دانوں کے لیے NATRUM SULPH 6X کی چار چار گولیاں تین وقت روزانہ کھائیں۔

گلشن بی بی، چکوال سے لکھتی ہیں کہ میرا وزن کافی زیادہ ہے، پیٹ بڑھا ہوا ہے۔ گھٹنوں میں درد ہے؟

محترمہ آپ CALCIUM CARB 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔

شاہ زیب، ننکانہ صاحب سے لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی صحت برباد کرلی ہے؟

محترم آپ STAPHESGARIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔

شائستہ کنول، چیچہ وطنی سے لکھتی ہیں کہ میرے بال بہت خشک ہیں، بڑھتے بھی نہیں ہیں، کمزور ہیں، گرتے بہت زیادہ ہیں، میرے مسئلے کا حل بتائیں؟

محترمہ آپ میرے کلینک کے نام پتے پر 600 روپے کا منی آرڈر کردیں آپ کو HAIR GROWER ارسال کردیا جائے گا، اس کے استعمال سے بال گرنا بند ہوں گے، گرے ہوئے بالوں کی جگہ نئے بال پیدا ہوں گے، خشکی ختم ہوگی، بال لمبے لمبے گھنے سلکی خوب صورت ہوجائیں گے۔

در نجف امشال، ٹانک سٹی سے لکھتی ہیں کہ نسوانی حسن کی بہت کمی ہے، بعض کریموں سے عارضی بہتری ہوئی مگر پھر وہی حالت ہوگئی، آپ امید کی آخری کرن نظر آتے ہیں، ہمارے مسئلے کا کوئی حل بتائیں؟

محترمہ آپ SABALSERLUTTA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین مرتبہ روزانہ لیں اور مبلغ 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک

کے نام پتے پر ارسال کردیں' اپنا پتا مکمل لکھیں اور منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر مطلوبہ دوا کا نام بریسٹ بیوٹی ضرور لکھیں' آپ کو یہ دوا گھر پہنچ جائے گی' قدرتی حُسن بحال ہوگا۔

رضیہ' فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا قد چھوٹا ہے' قد بڑھانے کی دوا بتائیں اور میری بہن کا رنگ سانولا ہے وہ بہت پریشان ہے؟

محترمہ آپ CALCIUM PHOS 6X کی چار چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور BARIUM CARB 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر آٹھویں دن ایک بار لیں۔ 3 ماہ مکمل استعمال کرکے چھوڑ دیں۔ بہن کو JODUM-IM کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر پندرہ دن میں ایک بار پلائیں' 6 ماہ مکمل کرکے چھوڑ دیں۔

عذیر اعظم' آزاد کشمیر سے لکھتے ہیں کہ غلط عادت کی وجہ سے مسائل پیدا ہوگئے ہیں' علاج بتائیں؟

محترم آپ STAPHISGARIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔ یہ دوا آپ کے شہر میں کسی بھی ہومیو پیتھک میڈیکل اسٹور سے مل جائے گی۔

قرۃ العین' جھنگ سے لکھتی ہیں کہ میرا اور بہن کا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں؟

محترمہ آپ OVATEST-3X کی ایک گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور بہن کے لیے میرے کلینک سے ہیئر گرور منگالیں اس کے استعمال سے مسئلہ حل ہوجائے گا۔

رابعہ لکھتی ہیں کہ بچپن سے ہونٹوں کا رنگ کالا ہے کوئی دوا بتائیں؟

محترمہ آپ ARSENICALB 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن ایک بار لیں۔

صباحت مرزا' گجرات سے لکھتی ہیں کہ مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں؟

محترمہ اس عمر میں قد نہیں بڑھتا بالوں کے لیے HAIR GROWER استعمال کریں' مسئلہ حل ہوجائے گا۔

اے ایس' جتوئی سے لکھتی ہیں کہ میری دوست پر تیزاب گر گیا تھا' زخم تو ٹھیک ہوگیا ہے مگر داغ نہیں جاتا کوئی دوا بتائیں کہ داغ بھی ختم ہوجائے؟

محترمہ میری نظر میں ایسی کوئی دوا نہیں ہے۔

تابندہ صدیقی' جھنگ سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 23 سال ہے اور میرا قد چھوٹا ہے؟

محترمہ 20 سال کے بعد قد بڑھنا بہت مشکل ہے۔

محمد عرفان' بھکر سے لکھتے ہیں کہ HAIR GROWER استعمال کررہا ہوں' بال گرنا بند ہوگئے ہیں مگر سر میں خشکی اور خارش بہت ہوتی ہے' اس کے لیے دوا بتائیں؟

محترم آپ ACID FLOUR 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں ہیئر گرور کا استعمال بھی جاری رکھیں۔

علی حیدر' چکوال سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں؟

محترم آپ STAPHISGARIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔ ان شاءاللہ شفاء حاصل ہوگی۔

وقاص سمیر' بھاولپور سے لکھتے ہیں کہ میں اپنی صحت برباد کرچکا ہوں' بہت پریشان ہوں؟

محترم آپ ACID PHOS 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔ ہلکی ورزش کیا کریں اور GRAPHITES 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن لیں' ان شاءاللہ آپ کے مسئلے حل ہوجائیں گے۔

ارم اسلم' ملتان سے لکھتی ہیں کہ آپ میرے لیے کوئی اچھی سی دوا تجویز کردیں میرے بال تیزی سے گر رہے ہیں اور میرے چہرے پر بھی بال ہیں' میں بہت پریشان ہوں؟

محترمہ آپ 1300 کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر کردیں' آپ کو ہیئر گرور اور ایفر و وائٹ ارسال کردی جائے گی۔

ساجدہ' کینٹ سے لکھتی ہیں کہ میرا قد ساڑھے پانچ فٹ ہے' وزن 70 کلو۔ میرے کزن کی عمر 16 سال ہے' قد ساڑھے چھ فٹ ہے وزن 110 کلو ہے' مٹاپے کی وجہ سے ہم بہت پریشان ہیں؟

محترمہ آپ لوگ PHYTOLACCA BERRY-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔ یہ دوا کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے خرید لیں۔

مسز جاوید قاسمانی' سکھر سے لکھتی ہیں کہ فیملی پلاننگ کی گولیوں کے استعمال سے ہارمونز ڈسٹرب ہوگئے اور چہرہ پر داڑھی نما بال آگئے موٹے اور کالے' کسی ڈاکٹر کے مشورے سے علاج کیا تو بال آنا رک گئے کچھ ماہ بعد پھر آگئے' میں بہت پریشان ہوں؟

محترمہ آپ OLIUM JACE 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں' آپ کو APHRODITE بال ختم کرنے والا بھیج دیا جائے گا' اس کے استعمال سے آپ کے فالتو بال ان شاء اللہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں گے۔

صائمہ سلطان' سکھر سے لکھتی ہیں کہ ماہانہ نظام کی خرابی کا معاملہ ہے' بہت مہنگے علاج سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا آپ کو بڑی امید کے ساتھ لکھ رہی ہوں؟

محترمہ آپ PULSATILLA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔

سعدیہ خورشید' اسلام آباد سے لکھتی ہیں کہ میرے مسئلے کو شائع کیے بغیر علاج بتائیں؟

محترمہ گروتھ کی عمر نکل چکی' اس لیے اس کا بڑھنا مشکل ہے۔ بدبو کے لیے CIMICIFUGA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔ بال لمبے کرنے کے لیے 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پر کردیں' آپ کو ان شاء اللہ ایک ہفتہ میں HAIR GROWER گھر پہنچ جائے گا۔

فیصل خورشید کمال' سرگودھا سے لکھتے ہیں کہ مسئلہ شائع کیے بغیر علاج تجویز کردیں؟

محترم آپ ATAPHISGARIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔

صنم گل' میاں چنوں سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے بال اس قدر گر چکے ہیں کہ گنجے پن کا ڈر ہے عنقریب میری شادی ہے۔ بال سفید ہونے بھی شروع ہوچکے ہیں' دوسرے بہن کا مسئلہ ہے اس کے چہرے پر جھائیاں ہیں؟

محترمہ آپ میرے کلینک سے HAIR GROWER منگالیں' 600 روپے کلینک کے نام پتے پر منی آرڈر کردیں یہ آپ کو گھر پہنچ جائے گا۔ بال گرنے بند ہونے' گرے ہوئے بالوں کی جگہ ان شاء اللہ نئے لمبے اور گھنے بال پیدا ہوں گے' بہن کو BERBARIS AOUIF-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں۔

محمد ساجد' خوشاب سے لکھتے ہیں کہ نیند میں کپڑے خراب ہوجاتے ہیں' پھر درد بھی ہوتا ہے؟

محترم آپ SALIXNIGRA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔

ارم کوثر' سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں؟

محترمہ ہونٹ کے لیے ARSENICALB-36 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔ دوسرا کوئی مسئلہ نہیں ہے یہ قدرتی ہے۔

فرحانہ ناز' گڑھا موڑ سے لکھتی ہیں کہ مسئلہ شائع کیے

بغیر علاج تجویز کردیں؟

محترمہ آپ CICUTA VIROSA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔ بہن کو PULSATILLA-3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت دیں۔

نوشین، ٹنڈو جان محمد سے لکھتی ہیں کہ مسئلہ شائع کیے بغیر جواب دیں؟

محترمہ آپ PULSATILLA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔

ڈاکٹر ارم ساجد، کراچی سے لکھتی ہیں کہ کبھی آپ کے کلینک پر فون کروں تو ڈاکٹر حسن بانو بڑے غصہ میں جواب دیتی ہیں اُن کو مریضوں سے نرم رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

محترمہ بعض لوگ مختصر بات نہیں کرتے یا ایک ہی سوال کو دہرائے جاتے ہیں تو مجھے بھی غصہ آجاتا ہے۔ آپ لوگ بھی غور سے جواب سنا کریں، مختصر بات کیا کریں، وہ اسسٹنٹ ڈاکٹر ہیں آپ کو مطمئن کریں گی۔

شازیہ، چنیوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج تجویز کردیں؟

محترمہ آپ کا مسئلہ گروتھ کی عمر سے تعلق رکھتا ہے، جو نکل چکی ہے۔ دوسرے مسئلہ کے لیے ہیئر گرور کا استعمال جاری رکھیں۔

مریم بتول، لالہ موسیٰ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ نزلہ زکام کا ہے، گرمیوں میں بھی رہتا ہے مگر سردیوں میں شدت اختیار کرلیتا ہے۔ بہت علاج کرائے ہیں؟

محترمہ آپ MERCSOL-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔

مسز مشتاق احمد، لالہ موسیٰ سے لکھتی ہیں کہ میرا بیٹا عمر 6 سال، سانس کی تکلیف رہتی ہے؟

محترمہ آپ SULPH-6X NATRUM کی چار چار گولی تین وقت روزانہ کھلائیں۔

م۔ن، کراچی سے لکھتی ہیں کہ بہت بڑے مسئلے سے دوچار ہوں اگر آپ کے پاس بھی اس کا حل نہیں ہے تو میں زندگی سے زیادہ موت کو گلے لگانا چاہوں گی۔

محترمہ آپ کو میرے کلینک آنا ہوگا۔ صبح 10 تا 1 بجے یا شام 6 تا 9 بجے تشریف لائیں۔

ناز، گوجرانوالا سے لکھتی ہیں کہ میری ٹانگ میں درد ہے اور بریسٹ میں پلپلا پن ہے؟

محترمہ آپ COLOCVNTH 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر BREAST BEUTY ضرور لکھیں۔ وہ آپ کو ارسال کردی جائے گی ان شاء اللہ۔

رانا قیصر ندیم آپ دونوں ادویہ کے لیے 1300 روپے کا منی آرڈر کردیں آپ کو یہ گھر پہنچادی جائے گی۔

فرزانہ، اسلام آباد! اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کو اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے اور آخرت میں جنت کے ساتوں دروازے کھلے رکھے۔

محترمہ آپ MERCSOL 6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔

معائنہ اور باقاعدہ علاج کے لیے تشریف لائیں۔ صبح 10 تا 1 بجے یا شام 6 تا 9 بجے۔ فون 021-3699705 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان C-5، KDA فلیٹ فیز 4 شادمان ٹاؤن 2 سیکٹر 14-B نارتھ کراچی 75850۔

خط لکھنے کا پتا: آپ کی صحت ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس 75 کراچی۔

اگر کسی کو منی آرڈر کرنے کے بعد دوا نہیں ملی تو وہ فون 021-36997059 پر رابطہ فرمائیں، بہت سے پارسل نامکمل پتا کی وجہ سے واپس آجاتے ہیں۔

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

گرین فش

اجزاء:

مچھلی — 1/2 کلو
ہری مرچ — 2 عدد
ہرا دھنیا — 1 پیالی (کاٹ لیں)
نمک — 1/4 چمچ
چائنیز نمک — 1 چٹکی
ہرا رنگ — 1 چٹکی
لیموں کا رس — 1 چمچ
سلاد کے پتے — 6 عدد
کوکنگ آئل — حسب ضرورت

ترکیب:

مچھلی صاف کرلیں، ٹکڑے نہ کریں، ثابت رہنے دیں۔ دو چمچ پانی میں نمک، چائنیز نمک اور لیموں کا رس ملائیں ہرا دھنیا اور ہری مرچ پیس لیں انہیں بھی پانی میں ملادیں اور پھر رنگ بھی شامل کردیں۔ مچھلی پر یہ مسالا لگا کر تین گھنٹے کے لیے رکھ دیں، اب کوکنگ آئل گرم کریں اور اس میں مچھلی تل لیں۔ سلاد کے پتے ایک ڈش میں بچھائیں، اس پر تلی ہوئی مچھلی رکھ کر سلاد کے ساتھ پیش کریں۔

رضوانہ ملک...... جلالپور، پیر والہ

مٹن پسندے

اشیاء:

پسندے — 1/2 کلو
دہی — 1 کپ
پیاز — 2 عدد چاپ کرلیں
ادرک — 1 چمچ چاپ کرلیں
جاوتری — 1 چٹکی
لہسن — 1 چمچ چاپ کرلیں
دھنیا — 2 چمچ باریک کٹا ہوا
گرم مسالا پاؤڈر — 1 چمچ
ہلدی — 1 چمچ
نمک — 1 چمچ
گھی / تیل — حسب ضرورت

ترکیب:

نمک لگا کر پسندوں کو مسلیں پھر دہی لگا کر تین چار گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ گھی میں پیاز کو ہلکا براؤن کریں پھر لہسن اور ادرک بھی شامل کرکے سنہری کریں پھر سارے مسالے شامل کرکے 15 پندرہ منٹ تک بھونیں اب گوشت ڈال کر پون گھنٹہ تک بھونیں گوشت گل جائے تو جاوتری ڈال دیں نہایت لذیز مٹن پسندے تیار ہیں، ہرا دھنیا چھڑک کر سرو کریں۔

طاہرہ ملک...... جلالپور پیر والہ

آلو اور مرغی کے کباب

اجزء:

آلو — 1/2 کلو
مرغی — ڈیڑھ پاؤ
مٹر — 1 پاؤ

انڈے 2 عدد
ہری مرچیں 8 عدد
نمک حسبِ ذائقہ
دھنیا، پودینہ حسبِ ذائقہ
ڈبل روٹی کا چُورا حسبِ ضرورت
کوکنگ آئل، گھی حسبِ ضرورت

ترکیب:

آلو مرغی اور مٹر کو الگ الگ اُبال لیں۔ اب آلو پیس کر اس میں پسی ہوئی ہری مرچیں کچلے ہوئے مٹر اور مرغی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے، نمک، دھنیا، پودینہ ڈال کر خوب یکجان کرلیں پھر اس کے کباب جس شکل میں پسند ہوں بنالیں اور انڈے میں ڈبو کر ڈبل روٹی کا چُورا لگا کر تل لیں۔ سلاد چٹنی کے ساتھ گرما گرم پیش کریں۔

سیمرا اشتاق ملک......اسلام آباد

چاکلیٹ ڈیلائٹ

اجزاء:

ونیلا کسٹرڈ کھانے کے 2 سے 3 چمچ
دودھ 1/2 لیٹر
چینی کھانے کے 3 سے 4 چمچ
جیلی 2 پیکٹ
موسمی پھلوں کی چاٹ 1/2 پیالی
کریم 2 پیالی

ترکیب:

کسٹرڈ پاؤڈر، دودھ اور چینی کو ملا کر پکا لیں پھر ٹھنڈا کرلیں۔ جیلی کو الگ تیار کرلیں۔ ایک ڈش میں کسٹرڈ اور کریم کی تہہ لگائیں پھر جیلی، فروٹ چاٹ شامل کردیں، آخر میں چاکلیٹ چپ ڈال کر فریج میں رکھ دیں۔ مہمانوں کے سامنے ٹھنڈا ٹھنڈا پیش کریں۔

رانی اسلام......گوجرانوالہ

کوفتہ پلاؤ

اجزاء:

قیمہ 1 پاؤ
چنے 2 کھانے کے چمچے
گرم مسالا 1 چائے کا چمچ
نمک 1 چائے کا چمچ
دہی 1 چائے کا چمچ
لال مرچ 1 چائے کا چمچ
ہری مرچ 2 عدد (باریک کاٹ لیں)
ہرا دھنیا 2 چمچ (باریک کاٹ لیں)
ادرک 2 چمچ (باریک کٹی ہوئی)

ترکیب:

قیمہ میں تمام مسالے مکس کرکے اسے پیس لیں اور کوفتہ نما چھوٹی چھوٹی گولیاں بنا کر تیل میں تل لیں پھر ہرا مسالا شامل کرکے ابال لیں۔

چاول 1/2 کلو
ادرک لہسن 1 کھانے کا چمچ
زیرہ 1 کھانے کا چمچ
گرم مسالا 1 کھانے کا چمچ
نمک حسبِ ذائقہ
کوکنگ آئل ڈیڑھ کپ
زردے کا رنگ ایک چٹکی
براؤن پیاز ایک کپ

ترکیب:

تیل گرم کریں اس میں ادرک، لہسن ڈال دیں پھر زیرہ اور نمک ڈال دیں۔ چاول سے دُگنی مقدار پانی ڈال کر چاول ڈال دیں، جب چاول ایک کنی گل جائیں تو دَم دیتے وقت کوفتے ڈال دیں۔ پیش کرنے سے قبل براؤن پیاز ڈال دیں۔ سلاد اور رائتہ کے ساتھ پیش کریں۔

دعا......کراچی

چکن ڈونٹس

اشیاء:

مرغی (بغیر ہڈی کے) 1 کلو
انڈے 3 عدد
پودینہ ایک گٹھی
میدہ ایک کپ
ہری مرچ 5 عدد
ڈبل روٹی کا چُورا ایک کپ
زیرہ (کُٹا ہوا) ایک کھانے کا چمچ
بیسن ایک کھانے کا چمچ
سرخ مرچ ایک کھانے کا چمچ
نمک حسبِ ذائقہ
تیل (تلنے کے لیے) حسبِ ضرورت
لہسن ادرک کا پیسٹ 2 کھانے کے چمچے

ترکیب:

چکن میں پودینہ، ہری مرچیں، لہسن، ادرک کا پیسٹ ڈال کر بلینڈ کرلیں پھر ایک برتن میں نکال کر اس میں کُٹا ہوا زیرہ، نمک، بیسن، سرخ مرچ، ایک عدد انڈا ڈال کر اچھی طرح مکس کریں پھر ڈونٹس یعنی کباب بنا کر درمیان میں انگلی کو میدہ لگا کر سوراخ بنالیں۔ پہلے میدہ میں ڈپ کریں۔ پھر بقیہ پھینٹے ہوئے انڈے میں اور پھر ڈبل روٹی کے چُورے میں ڈپ کرکے فرائی کریں۔ گولڈن ہوجائیں تو نکال لیں اور ٹماٹر کیچپ کے ساتھ پیش کریں۔

نوشین اقبال نوشی......گاؤں بدر مرجان

انڈوں کا قورمہ

اشیاء:

انڈے 6 عدد (اُبلے ہوئے)
تیز پات ایک عدد
تیل حسبِ ضرورت
ٹماٹر 2 عدد
پیاز (باریک کٹی ہوئی) 2 کپ
دہی ایک پاؤ
سفید زیرہ، ہلدی 1،1 چائے کا چمچ
پسا ہوا گرم مسالا ایک چائے کا چمچ
ادرک، لہسن پیسٹ 2 چائے کے چمچ
ہری مرچ 4 عدد
سرخ مرچ پاؤڈر ایک چمچ
نمک حسبِ ضرورت

ترکیب:

ٹماٹر کو گرائنڈر میں ڈال کر پیسٹ بنالیں۔ پیاز تل کر باریک پیس لیں۔ باقی خشک مسالے پیس لیں۔ تیل میں تیز پات کا پتا تل لیں۔ بادامی ہوجائے تو دہی میں تمام مسالے ملا کر پسی ہوئی پیاز، ادرک، لہسن پیسٹ اور سب مسالے شامل کرکے تیل میں ڈال کر دھیمی آنچ پر 10 منٹ پکائیں۔ مسالا بھن جائے تو اُبلے ہوئے انڈے اور ہری مرچ کاٹ کر ڈال لیں، مزید 5 منٹ تک پکنے دیں، ضرورت ہو تو تھوڑا پانی ڈال دیں۔ جب مسالا گاڑھا ہو کر چکنائی اوپر آجائے تو اتار لیں۔ پسا ہوا گرم مسالا اور ہرا دھنیا چھڑک کر پیش کریں۔

نجم انجم......کورنگی کراچی

بیوٹی گائیڈ

روبین احمد

گردن کی خوب صورتی

عام طور پر خواتین اپنے چہرے کی خوب صورتی کا تو خاص خیال رکھتی ہیں، لیکن گردن پر کوئی توجہ نہیں دیتیں جس کی وجہ سے ان کے چہرے اور گردن کا فرق بہت واضح نظر آنے لگتا ہے۔ خوب صورت گردن خواتین کے حسن میں چار چاند لگا دیتی ہے۔ چھوٹے بال یا بڑے

گلے کا لباس گردن کو نمایاں کر دیتا ہے اور اس میں پہنی ہوئی جیولری اس کی خوب صورتی اور نزاکت میں اور بھی اضافہ کر دیتی ہے۔ خواتین خود اپنی بے پروائی کی بناء پر گردن میں جھریاں یا لکیریں ڈال لیتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی خوب صورتی متاثر ہوتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ چہرے کے ساتھ گردن کی خوب صورتی کا بھی خیال رکھا جائے۔ سورج کی شعاعوں کا بھی جلد پر گہرا اثر پڑتا ہے اور جلد خراب ہو جاتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ گردن پر موئسچرائزر کا استعمال ضرور کیا جائے۔ لیکن بہت ہلکے ہاتھوں سے مساج کیا جائے۔ ڈھیلی اور خشک جلد پر جھریاں بڑی جلدی نمودار ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا گردن کی حفاظت کے لیے مساج بہت ضروری ہے اس کے علاوہ بہت زیادہ اونچا تکیہ بھی استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے بھی گردن پر لکیریں پڑ جاتی ہیں۔ اس لیے نرم اور پتلے تکیے کا استعمال کریں اور اس کے علاوہ گردن کی ورزش بھی ضرور کریں کیونکہ اس سے بھی گردن کی خوب صورتی کو نمایاں کرنے میں مدد ملتی ہے۔

☆ سیدھی بیٹھ جائیں اور سر سینے کی طرف جھکا لیں ایک ہاتھ اپنے سر کی پشت پر رکھیں اور تیس سے ساٹھ سیکنڈ ہاتھ سے سر پر زور ڈالیں۔

☆ سر کو پشت کی جانب جھکائیں اور اپنا منہ اس طرح کھولیں بند کریں جیسے کچھ چبا رہی ہیں۔ اس طرح کرنے سے گردن کے عضلات درست ہوتے ہیں اور ٹھوڑی بھی دوہری نہیں ہوتی۔

☆ اپنی گردن کا جائزہ لیں اگر خوب صورت ہے تو اسے نمایاں کریں لیکن اگر آپ کی گردن چھوٹی ہے تو پھر ایسے اقدامات کریں جن کی مدد سے وہ خوب صورت نظر آئے۔ جیسے چھوٹی گردن والی خواتین بند گلے کے بجائے کھلے گلے کی قمیض پہنیں۔ بالوں کو کھلا رکھنے کے بجائے باندھ کر رکھیں۔ اسی طرح زیورات کا استعمال بھی سوچ سمجھ کر کریں۔ اگر آپ خوب صورت اور لمبی گردن کی مالک ہیں تو بھاری زیورات یا گلوبند وغیرہ کا استعمال آپ کی گردن میں بہت خوب صورت اور دل کش معلوم ہوگا لیکن اگر آپ چھوٹی یا درمیانی گردن کی مالک ہیں تو بہتر ہے کہ آپ نازک چین کا انتخاب کریں اور اگر ہار وغیرہ پہنیں تو اس طرح کے ہوں جو تھوڑے لمبے ہوں بلکہ گردن کے ساتھ جڑے ہوئے نہ ہوں یا پھر سونے کی لمبی زنجیر اچھی لگے گی۔ بال بھی گردن کی خوب صورتی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

لمبی گردن پر شارٹ کٹ بال نہایت مناسب معلوم ہوں گے اور اگر بال کھول کر بھی رکھیں تو بھی خوب صورت لگیں گی اور اگر آپ کی گردن چھوٹی ہو تو پھر آپ بال زیادہ لمبے نہ رکھیں ورنہ آپ کی گردن کی خوب صورتی متاثر ہوگی ایسی صورت میں شولڈر تک بالوں کی لمبائی رکھیں، یاد رکھیں جو چیز جیسی آپ کو ملی ہے اس کو بدل نہیں سکتیں۔ لیکن تھوڑے بہت اقدامات کے ذریعے اسے خوب صورت اور جاذب نظر ضرور بنا سکتی ہیں اور اپنی

خوب صورتی میں اضافہ کر سکتی ہیں۔ ویسے گردن پر توجہ نہ دینے سے چہرے کی خوب صورتی بھی ماند پڑ جاتی ہے۔ تو آج سے اپنی گردن کی کیئر کرنی شروع کر دیں اور مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

طیبہ نذیر......شادیوال گجرات

جلد کو سردیوں میں کیسے محفوظ رکھیں

سردیوں میں جسم اور چہرے پر نمی میں کمی آ جاتی ہے۔ آیئے جانتے ہیں جلد کو سردیوں میں کیسے محفوظ رکھیں۔

غلط فہمی: جتنی موٹی کریم کی تہہ ہوگی اتنی ہی جلد شاداب رہے گی۔

حقیقت: ضروری نہیں کہ اس طرح آپ کی جلد شاداب ہو جائے گی کولڈ کریم کے حد سے زیادہ استعمال سے مردہ خلیے جلد کو زیادہ Dull کرتے ہیں۔ کریم کی ہلکی تہہ لگائیں۔ Serums ہلکے ہوتے ہیں اور ان میں شان دار اجزاء شامل ہیں جو جذب کرنے کے لیے بہترین ہیں۔

سردیوں میں سن اسکرین کا استعمال نہ کریں

حقیقت: اوزون کی تہہ کو چیرتی ہوئی سورج کی جلانے والی شعاعیں نیچے آتی ہیں اور اس کا علاج UVB SPF ہے۔ سورج کچھ UVA شعاعوں کو روک لیتا ہے۔ سردیوں میں نمی کم ہونے سے روزانہ موئسچرائزر کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ جلد محفوظ رہے۔ اس لیے سورج کی شعاعوں سے محفوظ رہنے کے لیے اینٹی اوکسیڈنٹ Serum سے بھرپور موئسچرائزر استعمال کریں۔

چکنی جلد کو نمی کی ضرورت نہیں ہے

سردیوں میں ہر قسم کی جلد خشک ہو جاتی ہے اور اس کی حفاظت کے بغیر کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اگر جلد بہت زیادہ چکنی ہے تو جیل یا لوشن استعمال کریں۔ ملی جلی جلد کے مختلف حصوں کو مختلف موئسچرائزر کی ضرورت پڑتی ہے T Zone پر ہلکا جب کہ گالوں کے لیے تیز طرح کا موئسچرائزر استعمال کریں۔

ہونٹوں پر بام لگانے سے وہ نہیں پھٹتے ہیں

اگر بام صحیح ہے بعض اوقات بام کے اجزاء ہونٹوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ منرل تیل ہونٹوں پر عارضی نمی پیدا کرتا ہے ہونٹوں پر ایسی بام لگائیں جس میں قدرتی تیل اور کوکواسٹر ہو ہونٹوں کی پپڑیوں کے لیے ان پر فیشل ایکسفولینٹ اسکرب سے رگڑیں بعد میں بام لگائیں۔

نیم گرم پانی سے نہانے سے جلد نم رہتی ہے

گرم پانی سے نہانے سے جلد اور خشک ہوتی ہے۔ 96.6 درجہ کا گرم پانی خون کی شریانوں کو خون پہنچاتا ہے، پانی گرم کرنے کے پانچ منٹ بعد صابن فری باڈی واش سے نہائیں، جسم کو نہ رگڑیں اس طرح جلد اور زیادہ خشک ہو جائے گی۔

سردیوں میں گرم کپڑوں کا بھاری استعمال ضروری ہے

سردیوں میں گرم رہنے کے لیے یقیناً چند گرم کپڑوں کی ضرورت تو پڑتی ہے مگر نائلون اور پولی ایسٹر کپڑے کا استعمال خون کے دباؤ میں رکاوٹ ڈالتا ہے اور اس کی بدولت مردہ خلیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اس لیے قدرتی فائبر سے بنے کپڑے استعمال کریں خصوصاً وہ کپڑے جو جلد سے ٹچ ہوتے ہوں اس کے لیے Shea بہترین ہے۔

اک ذراسی تبدیلی

دو کشمیر، فلسطین، بوسنیا

یہ سب ہمارے اپنے ہیں

کل ان کے دکھ پر روتے تھے

آج اپنے گھر پر ماتم ہے

ہر اک دھماکے کی گونج میں

کتنے قہقہے دب جاتے ہیں

گھر جانے کے شوق میں جلدی

کئی ٹکڑوں میں بٹ جاتے ہیں

بیرونی امداد کے بدلے

تم نے کیا کیا رہن رکھا ہے؟

اپنی عزت، اپنی غیرت

اپنی حرمت، اپنی شہرت

سوچو چند سکوں کے بدلے

کتنے اپنے بیچ دیئے ہیں

بیرونی امداد کے ذریعے

اتنی سی تبدیلی آتی ہے

کل جو پھول سے چہرے ہنستے تھے

آج ان کے لبوں پر آہیں ہیں

کل جن ننھے ہاتھوں میں بستے تھے

آج ان میں بندوقیں ہیں

اُم ثمامہ......جھڈو سندھ

غزل

لبوں پر آہ تو آنکھوں میں پانی چھوڑ جاؤں گی!

میں مٹ جاؤں گی پر اپنی کہانی چھوڑ جاؤں گی!

ابھی ہنس ہنس کے جھیلوں گی بدلتے موسموں کے دکھ

کتاب عمر میں پھر کچھ نادانی چھوڑ جاؤں گی

مجھے ٹھہری ہوئی اُداس رُت سے عشق ہے لیکن

میں دریاؤں کے پانی میں روانی چھوڑ جاؤں گی

دسمبر کی ٹھٹھرتی سرد راتوں کی قسم مجھ کو

تمہارے نام پہ اک رُت سہانی چھوڑ جاؤں گی

میرے معصوم بچے اپنے کل میں دکھ ہی پائیں گے

میں ان میں اپنا بچپن اور جوانی چھوڑ جاؤں گی

کسی کو کیا ملا مجھ سے عمر یہ رائیگاں گزری

سو اب سوچا ہے دنیائے فانی چھوڑ جاؤں گی

نازیہ کنول نازی

دو آنکھیں

دروازے سے جھانکتی وہ دو آنکھیں

اک کہانی ان میں سمٹی ہوئی ہے

شرم و حیا کا پیکر ہیں وہ

وہ زمانے کی نظروں سے بچی ہوئی ہیں

کسی خوف سے اچانک دروازہ بند کر لینا

اور ہر آہٹ پر چونک پڑنا

وہ کئی الجھنوں میں پھنسی ہوئی ہیں

کبھی سنسان گلی میں تکی رہتی ہیں

کبھی بھرے ہجوم میں بے چین رہتی ہیں

کبھی چلتے چلتے ٹھٹک جاتی ہیں

اور ارد گرد کچھ کھوجتی ہیں

شاید وہ کسی کو ڈھونڈتی ہیں

وہ خود میں سمٹی سمٹی سی

اور کچھ کچھ اُلجھی اُلجھی سی

انہوں نے بھی کسی کو چاہا ہوگا

اس چاہت میں دکھ پایا ہوگا

دروازے سے جھانکتی وہ دو آنکھیں

اک کہانی ان میں سمٹی ہوئی ہے

ثناء حسین گل......شجاع آباد

یادوں کی دھنک

چاند کی بدلیوں میں چھاؤں میں

رات جاڑے کی دن بہاروں کے

یوں تیری یاد کی دھنک چمکی

دو تو موسم ہیں پیار کے گہنے

جیسے دلہن کے نرم ہاتھوں پر

رنگ لائے وفاؤں کی مہندی

مسکرانے لگیں فضائیں بھی

جگنوؤں نے نظر اتاری ہے

سن کے تاروں کی میٹھی سرگوشی

رات نے زُلف پھر سنواری ہے

پیرہن خوش بُوؤں کے اوڑھتے ہی

بھید سب چاندنی بتائے گی

کان میں جھولتی ہوئی بالی

نام لے کر تیرا ستائے گی

پھر سے پازیب کے اُجلے موتی

تیری آمد کے گیت گاتے ہیں

نرم سانسوں کی گنگناہٹ سے

دل دھڑکنا بھی بھول جاتے ہیں

ہم نے کھولے ہیں دل کے دروازے

اب بھی تم آؤ نہ تو کیا کہنے!

فاخرہ گل......اٹلی

اب کے برس اک کام کرنا

اک کے برس اک کام کرنا

کورا سا اک کاغذ لے کر

دکھ سکھ سارے لکھتی رہنا

اور خوشیاں غم شمار کرنا

دکھ ہو یا کوئی غم ہو

پریشان نہ ہونا

میری خوشیاں تم لے لینا

اپنے سارے غم

میرے نام کرنا

نئے سال کی خوشیوں کے لیے

اک بار میرے مہمان بننا

اپنے گھر سے چلتے چلتے

میرے گھر تک بالآخر تم شام کرنا

اور وہ شام میرے نام کرنا

اب کے برس اک کام کرنا

جاوید شیخ جیدی......پیروالا بہاولنگر

کیوں پیار کسی سے ہوتا ہے؟

جب پیار کسی سے ہوتا ہے

کیوں دل بے چین سا ہوتا ہے

یہ دن بے کیف سے لگتے ہیں

کیوں رات میں نیند نہیں آتی

کیوں آنکھیں بھیگی رہتی ہیں

جب پیار کسی سے ہوتا ہے

جب سامنے وہ آجاتا ہے

نظروں کی چمک بڑھ جاتی ہے

دل بس میں نہیں یہ رہتا ہے

اور خود سے پوچھنے لگتا ہے

کیوں پیار کسی سے ہوتا ہے

کیوں پیار کسی سے ہوتا ہے؟

راشدہ شریف چوہدری......اوکاڑہ

بھیگے موسم

کوئی یاد بہت ہی آتا ہے
یہ سرد دلکش موسم کچھ باتیں یاد دلاتا ہے
اس بھیگے بھیگے موسم میں کوئی یاد بہت ہی آتا ہے
اس ہلکی ہلکی سردی میں کوئی ساتھ ہے اپنا اپنا سا
یہ خیال مجھے انجانے میں
رلاتا ہے، تڑپاتا ہے
اس بھیگے بھیگے موسم میں کوئی یاد بہت ہی آتا ہے
وہ سب باتیں اور سب یادیں، تنہائی میں تڑپاتی ہیں
وہ سب شامیں جو گزری ہیں سنگ تیرے
وہ ہر لمحہ جو تیرے سنگ گزرا ماضی بن کے ڈستا ہے
کیوں ہم دونوں میں ہے دوری، یہ کیسی بن گئی مجبوری
تُو پاس بھی تو ہے پر ساتھ نہیں
میرے ہاتھ میں تیرا ہاتھ نہیں
پُر کیف یہ دن، سندر شامیں
جب تنہا کسی کی چاہت میں
کوئی پیار کے دیپ جلاتا ہے
اس بھیگے بھیگے موسم میں، کوئی یاد بہت ہی آتا ہے

عافیہ رفیق عاقی...... ننکانہ صاحب

غزل

ہَوا کی دستک پر کُھل رہے ہیں کواڑ دل کے
لبوں کی جنبش پر لُٹ رہے ہیں قرار دل کے
کوئی تو آئے کہ دل کے پھولوں پر رنگ اتریں
مہک سے جائیں یہ رستے میرے اجاڑ دل کے
ہَوا کی لہروں پر موم کے بلبلے میں بیٹھے
نہ جانے کس چھت پہ جا کے اتریں سوار دل کے
کبھی تو آؤ مسافرت کا لبادہ اوڑھے
کہ ہم بھی کر لیں گے تم سے شکوے دو چار دل کے
یہ کس نے شبنم چُرا کے پلکوں پر اوڑھ لی ہے
یہ کیا ہوا ہے کہ بج اٹھے ہیں یوں تار دل کے

انا شاہ زاد...... گجرات

بھرم رکھو محبت کا

بھرم رکھو محبت کا
وفا کی شان بن جاؤ
کسی پر جان دے دو یا
کسی کی جان بن جاؤ
تمہارے نام سے مجھ کو پکاریں
یہ جہاں والے
میں بن جاؤں فسانہ
اور تم عنوان بن جاؤ
بھرم رکھو محبت کا
وفا کی شان بن جاؤ

صنم ناز...... گوجرانوالہ

غزل

یہ زندگی کیا ہے؟
فقط مفلس کی بپتا ہے
گلیوں میں شور و غل
ہر طرف پھیلا ہوا ہے
کوئی سنتا نہیں آواز
ہر شخص پتھر بنا ہوا ہے
اپنی خواہشوں کے جال میں
ہر کوئی پھنسا ہوا ہے
دوسرا کیا کوئی محبت کرے
بھائی بھائی سے جدا ہوا ہے
میں چلا تو جاتا مگر
ہر راہ پر رہزن کھڑا ہوا ہے

وسیم اختر...... راولپنڈی

غزل

دیکھو مجھ کو یاد نہ کرنا سو جانا
رات گئے نہ آہیں بھرنا سو جانا
نیند سے جب کہ آنکھیں بوجھل ہو جائیں
خوابوں کی دہلیز اترنا سو جانا
اچھے وقت کی امیدیں قائم رکھنا
دیکھو دامن تر نہ کرنا سو جانا
ہجر کی راتیں لمبی ہوتی ہیں لیکن
قسمت سے شکوہ نہ کرنا سو جانا
چپکے سے تم میرے تصور میں آنا
یا تو ملنے آنا ورنہ سو جانا
تنہائی میں اپنے دل سے اُلجھو گے
خود سے کوئی بات نہ کرنا سو جانا
ہوں گی سبھی خوابوں کی اچھی تعبیریں
خوابوں سے ہر گز نہ ڈرنا سو جانا
نیر ختم نہ ہوں گے کھیل زمانے کے
آوازوں پہ کان نہ دھرنا سو جانا

نیر رضوی...... کراچی

غزل

وہ زندگی سے بھی ہے پیارا اسے کہنا
ہے وہی جینے کا سہارا اسے کہنا
کوئی جیتا ہے اس کی یاد میں روز و شب
بنا اس کے نہیں گزارا اسے کہنا
وہ جانتا نہیں ہے یہ درد دوریوں کے
گھائل، زخمی دل ہمارا اسے کہنا
کردیں گے فراموش ہر رنجش و بے رخی کو

وہ پلٹ آئے دوبارہ اسے کہنا
ہر آہٹ پر چونک اٹھتا ہے دلِ خوش فہم
کہیں سندیسہ نہ ہو تمہارا اسے کہنا
ہے سایہ فگن دل پر اس کی یاد کا موسم
وہ لوٹ آئے خدارا اسے کہنا
ہر رُت میں ہے ہمیں اس کے وصل کی تمنا
ہے کوئی منتظر تمہارا اسے کہنا

شہر بانو رضا...... میانوالی

غزل

پھول خوش بُو چاند تارے زندگی
چاہتوں کے استعارے زندگی
مجھ کو کتنی آرزو تھی دوستو!
میرے گیسو بھی سنوارے زندگی
موت رقصاں ہے زمیں پر چار سُو
کس طرح انساں گزارے زندگی
پھول جیسی مسکراتی بستیوں میں
رکھ دیئے کس نے شرارے زندگی
میں نے دیکھا ہے کہ امن و آشتی کو
ڈھونڈتی پھرتی ہے پیارے زندگی
سامنا کر کے تیرے ہر ظلم کا
جی رہے ہیں غم کے مارے زندگی
اس کی قسمت میں ستارے، کہکشاں ہیں
میرے حصے میں خسارے زندگی؟
ہاتھ باندھے ہوئے ثانی جاؤں گا
جس سمے مجھ کو پکارے زندگی

جاوید ثانی...... جنڈانوالہ

بیاضِ دل

میمونہ تاج

biazdil@aanchal.com.pk

نبیلہ خان مون...... عبدالحکیم

جنوری کی سردیوں میں ایک آتش دان کے پاس
گھٹنوں تنہا بیٹھنا، بجھتے شرارے دیکھنا
جب کبھی فرصت ملے تو گوشۂ تنہائی میں
یادِ ماضی کے پرانے گوشوارے دیکھنا

امبر گل...... جھڈو

سحر سسکتے ہوئے آسمان سے اُتری
تو دل نے جان لیا کہ یہ بھی سال درد کا ہے
کسی نے پوچھا کہ فرحت بہت حسین ہو تم
تو مسکرا کے کہا سب جمال درد کا ہے

صدف سلیمان...... شورکوٹ

کوئی مل جائے تم جیسا یہ ناممکن ہے
پر تم ڈھونڈلو ہم جیسا اتنا آسان یہ بھی نہیں

رانی اسلام...... گوجرانوالہ

میں اداس رستہ ہوں شام کا، مجھے آہٹوں کی تلاش ہے
یہ ستارے سب ہیں بجھے بجھے مجھے جگنوؤں کی تلاش ہے
وہ جو ایک دریا تھا آگ کا سبھی راستوں سے گزر گیا
ہمیں کب سے ریت کے شہر میں نئی بارشوں کی تلاش ہے

روبینہ جعفر خان...... ہزارہ

پیڑ کو دیمک لگ جائے یا آدم زاد کو غم
دونوں ہی کو ہم نے امجد بچتے دیکھا ہے کم کم
ہنس پڑتا ہے بہت زیادہ غم میں بھی انسان
بہت خوشی میں آنکھیں اکثر ہو جاتی ہیں نم

مقدس رباب...... چکوال

میرے خون میں گھلی ہوئی تیری خوش بو کی بشارتیں
میری زندگی کوئی پھول ہے جسے تو نے آ کے کھلا دیا
تو بچھڑ کے بھی میرے ساتھ ہے تیرے ہاتھ میں میرا ہاتھ ہے
یہ عجب یقین ہے تو نے جو میرے روز و شب کو دلا دیا

تحریم احمد...... جوہرآباد

یہ اداس شامیں میری تنہائی کو ایسا عروج بخشتی ہیں
کہ مجھے پھر وہی اک وہی بس وہی شخص یاد آتا ہے

سمیرا مشتاق ملک...... اسلام آباد

جو زخم تم سے ملے ہیں وہ اب ملیں گے نہیں
چلو یہ فیصلہ کرلیں کہ پھر ملیں گے نہیں
یہ اختیار بھی حق بھی اگر تمہارا ہے
تو اب تمہارے لیے ہم دعا کریں گے نہیں

حسین خان خبہ...... شادی خیل کوہاٹ

اس کے جدا ہونے سے کچھ بھی نہیں بدلا فراز
بس پہلے جہاں دل ہوتا تھا اب وہاں درد ہوتا ہے

انا شاہ زاد...... گجرات

میری انا کے خار کو تو نوچ ڈالتا
حاضر تیرے حضور میں دل تھا، دماغ تھا
حیران ہوں کہ کیوں نہ مجھ تلک پہنچ سکا
ویران ساحلوں پہ میں تنہا چراغ تھا

سلمیٰ رانی...... قادر پور راں، ملتان

صرف ایک بار آؤ میری آنکھوں کے رستے دل میں
پھر لوٹنے کا ارادہ تجھ پہ چھوڑ دیں گے

زیڈ۔ این پاکیزہ سحر...... سکھر

بہتے ہوئے اشکوں کی روانی میں مرے ہیں
کچھ خواب میرے عین جوانی میں مرے ہیں
ہم کو قبروں میں نہیں، کتابوں میں اتارو
ہم لوگ محبت کی کہانی میں مرے ہیں

شیخ محبوب الٰہی جاوید...... کوٹ مومن

اے حاصلِ خلوص بتا کیا جواب دوں
دنیا یہ پوچھتی ہے کہ میں کیوں اداس ہوں

فیاض اسحاق...... سرگودھا

نئی رتیں نئے خواب اور چاہتوں کے سلسلے
سالِ نو کے سنگ ہیں تیری گلاب رفاقتوں کے سلسلے
کبھی ہے دن بھر سونا کبھی ہے رات بھر جاگنا
تیری یاد ہے میں ہوں اور جنوری کی شاموں کے سلسلے

طیبہ نذیر...... شادیوال، گجرات

تم سے ملنا محض حادثہ نہ تھا
کمالِ آرزو کا، کرشمہ دعا کا تھا
ہم بتلائے عشق ہیں ان سے نہ کہہ سکے
ہم چپ رہے یہ تقاضہ حیا کا تھا

طاہرہ پرویز...... گجرات

آندھی چلی تو اپنا دیا چھوڑ کر انا
تیرے دیے کو اپنی پناہوں میں لے لیا

فوزیہ سلطانہ...... تونسہ شریف

گرہ نہیں تھی مگر ماں کی دعا باندھ کر چلے
ہوئے سفر پر روانہ تو ردا باندھ کر چلے
عمل ضروری تھا اس واسطے عمل بھی کیا
سراپا اوڑھ لیا سر پر گھٹا باندھ کر چلے

نمیرہ شیخ...... گوجرانوالہ

تیری یادوں کے چراغوں کو جلایا ہر شام
تیری باتوں سے دل کو بہلایا ہر شام
مانگی ہے خدا سے تیری خوشیوں کی دعا
بیٹھ کے تنہا ہاتھوں کو اٹھایا ہر شام

بشریٰ ملک، مائرہ ملک...... دھاندرہ فیصل آباد

تمہاری بھیگتی پلکوں سے میں نے بارہا پوچھا
کہ جلنے اور جلانے میں بھلا کیا لطف آتا ہے
بس اک جھوٹی انا کے واسطے برباد ہو جانا
خودی کے زعم میں انسان کتنے غم اٹھاتا ہے

رضوانہ ملک...... جلال پور پیروالا

اپنا پن ہی اک بیگانے پن میں ہے
پورا عالم اک دیوانے پن میں ہے
یہ جو میں تم سے انجان بنا پھرتا ہوں
ساری بات ہی اسی انجانے پن میں ہے

پروین افضل شاہین...... بہاول نگر

تمہارا ساتھ تسلسل سے چاہیے مجھ کو
تھکن زمانوں کی لمحوں میں کب اترتی ہے

شہر بانو رضا...... میانوالی

میری بے بسی کو میری ہار سمجھ بیٹھا
میری خامشی کو اقرار سمجھ بیٹھا
میں تو گل تھا شبنمی قطروں میں بھیگا ہوا
نا سمجھ نہ سمجھا خار سمجھ بیٹھا

سیدہ آرائیں جیا...... تلہ گنگ

مجھ سے مخلص تھا نہ واقف مرے جذبات سے تھا
اس کا رشتہ تو فقط اپنے مفادات سے تھا
اب جو بچھڑا ہے تو کیا روئیں جدائی پہ تری
یہ اندیشہ تو ہمیں پہلی ملاقات سے تھا

نوشین اقبال نوشی...... گاؤں بدر مرجان

دنیا میں محبت کا عجیب قحط پڑا ہے
ہر شخص ہی برفیلے سمندر میں کھڑا ہے
تجھ جیسا کسی آنکھ نے ہیرا نہ دیکھا
تو میری محبت کی انگوٹھی میں جڑا ہے

مہوش ملک...... گنگا پور

تتلی کے تعاقب میں کوئی پھول سا بچہ
ایسا ہی کوئی خواب ہمارا بھی تھا

مسز پروین اختر دلبر...... سرگودھا

تنہا رہنا سیکھ لیا ہے
ہر دکھ سہنا سیکھ لیا ہے
ہم نے اس جھوٹی دنیا میں
سچ کو کہنا سیکھ لیا ہے

یادگار لمحے

جویریہ طاہر
yaadgar@aanchal.com.pk

حمد باری تعالیٰ

ہر اک کے بھید چھپاتا ہے راز داں تُو ہے
نہیں کوئی سوا تیرے گلشن کا باغباں تو ہے
فضل ہے اتنا ترا مجھ پر اے خالق جہاں!
ادا نہ شکر کروں کیسے مہرباں تو ہے
پرندے تیرے، سبھی برگ و بار ہیں تیرے
حفیظ سب کا ہے اور ربِّ دو جہاں تو ہے
یہ رہگزار یہ میداں یہ کوہساروں پر
جو چھا گیا وہ رحمت کا آسماں تو ہے
نگاہِ دشمناں کی زد میں ہے تیرا بندہ
بُری نظر سے بچالے کہ مہرباں تو ہے

میاں شبیر احمد دلبر...... سرگودھا

نعتِ رسول مقبول ﷺ

جسے آقا ﷺ سے الفت ہے، خسارا ہو نہیں سکتا
نبی ﷺ جیسا کوئی ہم کو پیارا ہو نہیں سکتا
کیے تھے چاند کے ٹکڑے انگلی کے اشارے سے
نبی ﷺ جیسا کسی سے بھی اشارا ہو نہیں سکتا
خدا کا ذکر ہو اور بھول جائیں پیارے آقا ﷺ کو
قسم اللہ کی وہ دل ہمارا ہو نہیں سکتا
سنو! دنیا میں غیروں کے سہارے ڈھونڈنے والو!
خدا جیسا کسی کا بھی سہارا ہو نہیں سکتا
جسے خواہش ہو مکہ اور مدینے پاک کے در کی
وہ ذکرِ خاص سے غافل دوبارہ ہو نہیں سکتا
جہاں کے چارہ ساز و چارہ گر ربِّ محمد ﷺ ہیں
غلامِ مصطفےٰ ﷺ ہو وہ بچارا ہو نہیں سکتا
نظارے خوب صورت باغِ طیبہ کے ہیں اے دلبر!
بھری دنیا میں تو ایسا نظارہ ہو نہیں سکتا

میاں شبیر احمد دلبر...... سرگودھا

یہ خوب صورت قطعہ فرحت آنی کے نام!

یادیں تیرے خلوص کی ڈستی ہیں آج بھی
ملنے کو آرزوئیں تڑپتی ہیں آج بھی
آنکھیں تیرے دیدار کی حسرت لیے ہوئے
رک رک کے تیرے بعد برستی ہیں آج بھی

سیدہ فرحت کاظمی...... قصبہ ہتکانی

آنچل تیرے نام

سورج کی کرنیں، چاند کی روشنی، ستاروں کی جھلملاہٹ آنچل تیرے نام
پھول شبنم، دل دھڑکن، شام و سحر آنچل تیرے نام
میری پہچان بھی تُو، میرے دن رات، میری خوشیوں کا سامان بھی تُو
بادِ صبا، بارش و موسم، بادل و گھٹا آنچل تیرے نام
میری دعا ہے چلتا رہے یونہی تیرا سفر اور کارواں
کبھی جو نہ رکے وہ دریا، آبشار، سیپ، موتی، چاہت و محبت آنچل تیرے نام
ایک حقیقت ہے تُو، ہماری دلوں کی زینت ہے تُو
کوئل کی کوکو، پھولوں کی خوش بُو، میری آنکھوں کے خواب آنچل تیرے نام

زائمہ خٹک...... میانوالی، مسلم کالونی

جنوری

ج...... جانے والے
ن...... نہ جانے کیوں
و...... وقت گزرنے کے ساتھ
ر...... روح کو بہت تڑپاتے ہیں
ی...... یاد بہت آتے ہیں

نمیرہ شیخ...... گوجرانوالہ

ویلنٹائن ڈے

میرے دل پر جس کا SIGN
وہ ہے میرا VALENTINE
اس کو دیکھ کہ دل یوں جھومے

جیسے دل نے پی ہو VINE
آنکھوں میں رونق آجائے
اور چہرے پہ آئے SHINE
اس کے بن کوئی نہیں جچتا
چاہے پرنس ہو یا IAINSTINE

مہر گل...... کراچی

پیار

ابرِ بہار نے
پھول کا چہرہ
اپنے بنفشی ہاتھ میں لے کر
ایسے چوما
پھول کے سارے دکھ
خوش بُو بن کر بہہ نکلے ہیں!

پروین شاکر

انتخاب: تسنیم چوہدری...... آکسفورڈ یوکے

انمول باتیں

☆ اگر تم کسی سے محبت نہیں کر سکتے تو نفرت بھی نہ کرو۔
☆ کسی سے اتنی محبت نہ کرو کہ آس پاس سے بے خبر ہو جاؤ
☆ دوسروں کے چراغ سے روشنی ڈھونڈنے والے ہمیشہ اندھیرے میں رہتے ہیں
☆ کسی کا دل نہ دکھاؤ کیونکہ تم بھی دل رکھتے ہو۔
☆ پھولوں کی طلب کرو گے تو کانٹوں سے بھی واسطہ پڑے گا۔

ثمرہ، ہمیرا، آمنہ...... کھرڑیانوالہ

ایک خوب صورت سوچ

ہمیشہ ''سمجھوتا'' کرنا سیکھو!
کیونکہ تھوڑا سا جھک جانا کسی رشتے کو ہمیشہ کے لیے توڑ دینے سے بہتر ہے۔

راشدہ شریف چوہدری...... اوکاڑہ

نیا سال

یادوں کی سوغات لیے
اشکوں کی برسات لیے
الوہی جذبوں سے معمور
دعاؤں کے پھول لیے
پھر نیا سال آیا
ان لمحوں میں
اشکوں کے پیش بہا خزانے لٹاتی
میری آنکھیں
تمہارے لیے
دعاؤں کے پھول چن رہی ہیں
نیلے امبر کو چھوتی میری نگاہیں
تمہارے لیے
خوشیوں کی دعائیں مانگ رہی ہیں
کہہ رہی ہیں میری مسرت بھری یہ آنکھیں
اے دوست مبارک ہو
تمہیں یہ نیا سال!

شیخ محبوب الٰہی جاوید...... کوٹ مومن

وقت

وقت بہت ظالم ہے، انسان کی زندگی میں کبھی کبھی ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ جب صرف ایک ٹھوکر سے اس کے تمام سنہرے خواب بکھر جاتے ہیں۔ وقت ایسا زخم چھوڑ جاتا ہے، جس کا کوئی علاج نہیں کرسکتا پھر ہم سوچتے ہیں کہ کاش ہم کوئی بے جان تصویر ہوتے، بے جان جذبات و احساسات سے عاری، ہماری کوئی خواہش نہ ہوتی، نہ آرزو! یہ تقدیر بھی خوب چیز ہے، کسی کو مانگے بغیر سب کچھ دے دیتی ہے اور کسی کے قریب سے مسکرا کر گزر جاتی ہے۔

فضہ یونس...... گنگاپور، فیصل آباد

انمول موتی

❖ احسان کا بدلہ ادا نہ کرسکو تو زبان سے شکریہ ضرور ادا کرو۔

❖ نیک انسان کو زندگی میں یا موت کے بعد کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

❖ تحریر ایک خاموش آواز ہے اور قلم ہاتھ کی زبان ہے۔

❖ محبت اور خلوص آپس کے فاصلوں کو کم کردیتے ہیں۔

❖ محبت کی تاثیر عادتوں کو بدل دیتی ہے۔

❖ شک ایسا کانٹا ہے جس کا ہر زخم دل پر لگتا ہے۔

❖ لوگوں کی توقع پوری کرو مگر کسی سے توقع مت رکھو۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

تم ہی تم ہو

تم ہی تم ہو
ہنسنے میں رونے میں
جاگنے میں سونے میں
پانے میں کھونے میں
تم ہی تم ہو......!
کوئل کی کوکو میں
پھولوں کی خوش بُو میں
گاؤں کی گوری میں
آٹے کی بوری میں
تم ہی تم ہو......!
ابا کی ڈانٹ میں
طارق روڈ کی چاٹ میں
اماں کی پٹائی میں
دل پسند کی مٹھائی میں
جھوٹ میں سچائی میں
اس دل کی گہرائی میں
تم ہی تم ہو......!
پیار کی نشانی میں
اسٹوڈنٹ کی بریانی میں
چائے کے ہوٹل میں
سیون اپ کی بوتل میں
سموسہ کے آئل میں
میرے موبائل میں
تم ہی تم ہو......!

رافعہ حسین

محبت

محبت کو کبھی مرغابی کی مانند نہیں ہونا چاہیے جو تالاب کے خشک ہوتے ہی دوسرے تالاب کا رخ کرتی ہے بلکہ کنول کے اس پھول کی مانند ہو جو تالاب کے خشک ہونے پر خود ہی مرجھا جائے۔

صدف سلیمان......شورکوٹ

دوستی

❖ دوستی کرنا اتنا آسان ہے جیسے مٹی پر مٹی سے مٹی لکھنا اور نبھانا اتنا مشکل ہے جیسے پانی پر پانی سے پانی لکھنا۔

❖ بناؤ ایسا دوست جس کے ساتھ Thanks اور Sorry جیسے لفظ بے نام لگیں، نبھاؤ ایسی دوستی کہ دوست کو چھوڑنا مشکل اور دنیا کو چھوڑنا آسان لگے۔

❖ اگر کسی کے ساتھ ہمیشہ رہنا چاہتے ہو تو اس کے آس پاس رہنے کے بجائے اس کے دل میں بس جاؤ، پھر دنیا کی کوئی طاقت تو کیا وہ خود بھی چاہے گا تو تمہیں خود سے جدا نہیں کرپائے گا۔

طاہرہ ملک...... جلالپور، پیروالہ

تم مجھ سے کہاں ملو گے؟

شبنمی پھولوں کے تبسم سے کہیں مسحور کن
بارش کی بوندوں سے کہیں جانفزا
دھنک کے رنگوں سے کہیں دلکش
ساحلِ سمندر کے منظر سے کہیں پرکشش
شام کی ساعتوں سے کہیں دلفریب
سرد رت کی راتوں سے کہیں تنہا
بانسری کے ساز سے کہیں دل آفرین
چاندنی کی نرم دلگیر روشنی سے کہیں نورانی
ارے میرے چاند
روح کے رشتے سے کہیں پختہ
مجھے تجھ سے بڑھ کر پیار کرنا ہے
بتاؤ! تم مجھ سے کہاں ملو گے؟

شاعرہ: زیڈ این پاکیزہ سحر...... تلہ گنگ سکھر

انمول موتی

❖ تجربہ وہ کنگھی ہے جو زندگی اس وقت دیتی ہے جب ہمارے بال جھڑ جاتے ہیں۔

❖ شرافت سے جھکا ہوا سر ندامت کے جھکے ہوئے سر سے بہتر ہے۔

❖ جل کر کباب ہونے سے بہتر ہے کھل کر گلاب بن جاؤ۔

❖ زندگی اس طرح بسر کرو کہ دیکھنے والے تمہارے درد پر افسوس کی بجائے تمہارے صبر پر رشک کریں۔

❖ جذبات کا خیال کرو یہ تھوڑی دیر کا بہکاوا ہوتے ہیں لیکن ساری عمر کا پچھتاوا۔

❖ جو اللہ کے تھوڑے رزق پر راضی ہو اللہ اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہوگا۔

❖ زندگی کے آدھے غم انسان دوسروں سے غلط توقعات وابستہ کرنے سے خریدتا ہے۔

انیلا رشید......9 الف

شعبدہ

سنا ہے اس کے شہر میں
شعبدہ باز ہوتے ہیں
مجھے ان سے اک بات کہنی ہے
کہ اک شعبدہ ہی دکھا دیں
اسے مجھ سے ملا دیں

شہر بانو رضا...... میانوالی

خواہش

خواہش وہ بھنور ہے جس میں پھنس کر انسان اپنا مقصدِ حیات بھول جاتا ہے، وہ آگ ہے جو انسان کو جھلسانے کی صلاحیت رکھتی ہے، وہ سمندر ہے جس کے ساحل تک پہنچنا مشکل ہے، وہ سیلاب ہے جو انسان کو انسان سے دور لے جاتا ہے۔ وہ کالی رات ہے جو انسانی زندگی میں کبھی سویرا نہیں ہونے دیتی اور جو کبھی پوری نہیں ہوتی۔

حنین خان حبہ...... کوہاٹ

دعا

گزرے ہوئے برس کو
گزرے ہوئے لمحوں کو
الوداع ضرور کہنا مگر
پرانے برس کی تمام رنجشیں
اور کدورتیں بھول کر
نئے برس کا استقبال کرنا
اور نئے برس کے سورج کی
پہلی کرن کو دیکھ کر
ایک ساتھ رہنے کی دعا کرنا

فیاض اسحٰق...... سرگودھا

آئینہ

شہلا عامر

☆**آسرا گل چوہدری**...... **تربیلا ڈیم**۔ السلام علیکم آنچل قارئین اینڈ آنچل اسٹاف امید ہے بہ خریت ہوں گے سب سے پہلے آنچل کے تمام اسٹاف اور قارئین کو نیا سال بہت بہت مبارک ہو۔ آنچل کی رائٹرز بھی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں' سلسلے وار ناول سارے ہی مجھے پسند ہیں ''اور کچھ خواب'' میں دامیان شاہ اور انابیتا بیگ کی اسٹوری زبردست ہے۔ نومبر میں میری غزل شائع ہوئی تھی بہت خوشی ہوئی صنم ناز گوجرانوالہ آپ کو میرا انتخاب پسند آیا' شکریہ آپ کے مراسلے بھی بہت اچھے ہوتے ہیں اور شائلہ اکرام فیصل آباد آپ کا بھی شکریہ غزل پسند کرنے کا اور یہ عطرد بہ سکندر کہاں گم ہیں؟ کئی مہینے ہوگئے غائب ہیں اور سائرہ مشتاق لنگڑیال آپ بھی نظر نہیں آرہی ہیں؟ جلدی انٹری دیں پلیز اور صائمہ قریشی آکسفورڈ آپ کو دیکھ کر خوشی ہوئی موسٹ ویلکم۔ آخر میں میری کزن سہانہ چوہدری کی جنوری میں برتھ ڈے تھی۔ ڈیئر سہانا! میری طرف سے تمہیں سالگرہ بہت بہت مبارک ہو' اللہ حافظ۔

☆**جاناں**...... **چکوال**۔ السلام علیکم! پیارے آنچل کے تمام معزز ممبران اور ڈیئر قارئین کو جاناں کا محبت بھرا اسلام۔ آنچل ہمیشہ کی طرح بیسٹ رہا۔ تمام سلسلے وار ناول تو آنچل کی جان ہیں اور ہمارے پسندیدہ ناول نازی جی کا ''پتھروں کی پلکوں پر'' تو بیسٹ آف دی بیسٹ۔ تمام تبصرے پسند آئے کچن کارنر بیسٹ ہر بار کچھ نا کچھ نیا سیکھنے کو ملتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام فرینڈز کا انتخاب پسند آیا۔ تمام فرینڈز کو جاناں کی طرف سے سلام اور دعا کہ خوش رہیں۔ بشریٰ' خوش بو یعنی کوثر اعوان' فیری جی' فروہ' حجاب' ہادیہ' پاگل سی فرینڈ ثومی یعنی ثنا علی' ثنا ملک' ثنا اعوان' ندا' شہیلہ' اریبہ شاہ' ہم کرن' ایمی زیدی' ملک' عافیہ سب بہت بیسٹ ہو جی! عافیہ کو پیغام کہ لوٹ آؤ۔ پلیز اس بار ضرور جگہ دیجیے گا ہم غریبوں کو بھی۔ شکریہ۔

○ لیجیے جگہ مل گئی۔ امید ہے کہ آئندہ بھرپور تبصرے کے ساتھ آپ کی شرکت ہوگی۔

☆**عفیفہ افضل**...... **ڈسکہ**۔ آج ہم آپ سے بہت ناراض ہیں اتنا ناراض ہیں کہ کوئی تبصرہ' تنقید یا تعریف نہیں کریں گے۔ کیا فائدہ...... آپ ہمارا خط شائع کرتیں تو ہو نہیں' کبھی کبھی تو ہم خط بھیجتی ہیں۔ وہ بھی آپ ردی کی ٹوکری کے سپرد کردیتی ہیں۔ پچھلی بار بھی ہم نے خط بھیجا تو آپ نے شائع ہی نہیں کیا چلیے کوئی بات نہیں...... مگر آپ میرے خط کا جواب تو دے ہی سکتی تھیں نا...... ! آپ سے جواتنی ساری شکایتیں کیں...... ان کے لیے سوری لیکن کیا کریں انسان گلہ بھی تو اپنوں سے ہی کرتا ہے نا...... غیروں سے تھوڑی گلہ کیا جاتا ہے' آپ سے وداع لیتے ہیں پھر کبھی اور بہت سی شکایتیں لے کر حاضر ہوں گے۔

○ اچھی بہن! امید ہے کہ آپ کی شکایتیں دور ہوگئی ہوں گی لیکن جس خط میں کوئی جواب طلب بات' تنقید یا تبصرہ ہی نہ ہو تو تم ہی بتاؤ کیسے شامل اشاعت ہو؟

☆**گلنار مان گل**...... **گانوں مان**۔ السلام علیکم! آنچل اسٹاف کیسے ہیں آپ؟ امید کرتی ہوں ٹھیک ہوں گے۔ سب سے پہلے بات کروں گی' شہلا آپی! آپ میرا خط نہ شائع کیا کریں بلکہ جو بھی تحریر بھیجوں اس کو نظر انداز نہ کیا کریں۔ یقین کریں دلی افسوس ہوتا ہے۔ سمیرا شریف طور ''زرد موسم کے دکھ'' ناول بڑا اچھا ہے۔ پلیز! اس کا اینڈ بھی اچھا ہونا چاہیے۔ موسٹ فیورٹ رائٹر نازیہ کنول نازی' شاہ زر نے بریرہ کو طلاق دے کر بڑا اچھا کیا ہے۔ اب جلد از جلد انوشہ کے ساتھ اس کی شادی کروادیں۔ پلیز! ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ لکھا کریں' خدا حافظ۔

○ اچھی بہن! لیجیے آپ کا مختصر سا خط بھی شاملِ اشاعت ہے۔ اب خوش!

☆**تحریم احمد**...... **جوہر آباد**۔ ڈیئر قارئین و آنچل اسٹاف السلام علیکم! امید کرتی ہوں آپ سب خیریت سے ہوں گے' سب سے پہلے آپی فرحت آراء کے لیے دعا گو ہوں' اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے آمین اور آنچل اسٹاف ان کے اہلِ خانہ اور تمام قارئین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ اب تبصرے کی بات ہوجائے تو مجھے یہ خط جس نے لکھنے پر مجبور کیا ہے وہ ہیں سمیرا شریف طور۔ سمیرا جی! آپ میری پسندیدہ رائٹر ہیں' آپ کا نیا ناول ''زرد موسم کے دکھ'' دیکھا تو یقین جانیے اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے' بہت اچھا ناول لکھ رہی ہیں آپ۔ یہ ناول پڑھ کر تو میں آپ کی تعریف کیے بنا رہ نہیں سکی' ہر لفظ اتنا خوب صورت اور اتنی گہرائی میں جا کر لکھا ہے۔ میری دعا ہے اللہ آپ کو بہت کامیابیاں اور ترقی دے آمین۔ ارے سب رائٹر تو ناراض ہوگئیں کہ میں تو صرف سمیرا جی کی ہی تعریف کررہی ہوں تو عشنا جی'

نازی جی اور اقراء جی! آپ بھی کسی سے کم نہیں ہیں' بہت اچھے جارہے ہیں آپ کے ناولز' تبصرہ اور بھی بہت سا کرنا تھا لیکن کہیں شہلا آپی اتنا لمبا تبصرہ دیکھ کر ردی کی ٹوکری کی نذر نہ کردیں۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ خدا حافظ۔

○ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ تفصیلی تبصرے سے مراد طویل تبصرہ نہیں۔ بلکہ بھرپور اور جامع تبصرہ ہے جس کے ہم منتظر رہتے ہیں۔

☆**رافعہ حسین**...... **مقام نامعلوم**۔ شہلا آپی اور تمام قارئین! امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ آج پہلی بار آنچل میں شرکت کررہی ہوں اس امید اور یقین کے ساتھ کہ باقی قارئین کی طرح مجھے بھی شامل کیا جائے گا (خوش آمدید)۔ آنچل کی تمام رائٹرز بہت زبردست لکھتی ہیں مگر سمیرا شریف طور کے ناول ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' کی وجہ سے میں نے آنچل پڑھنا شروع کیا اور اب تو عادت سی ہوگئی اس کو پڑھنے کی۔ باقی اقراء صغیر کا ''بھیگی پلکوں پر'' نازیہ کنول نازی کا ''پتھروں کی پلکوں پر'' بہت اچھے ناول ہیں۔ عشنا جی! آپ کا ناول بہت اچھا ہے۔ پلیز یلماز کمال اور پارسا کو ملادیں اگر میرا خط شامل ہوا تو ان شاء اللہ پھر حاضر ہوں گی آخر میں تمام رائٹرز اور قارئین کو سلام اور ڈھیر سارا پیار۔

○ آپ کی دوبارہ آمد کا انتظار رہے گا مگر تفصیلی تبصرے کے ساتھ اور ہاں' اپنے شہر کا نام لکھنا مت بھولنا۔

☆**مہر گل**...... **کراچی**۔ جناب شہلا آپی السلام علیکم! اوہو بھئی' جگہ تو دیں ہاں ہاں بس ٹھیک ہے۔ بزمِ آئینہ میں تو واقعی تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی مگر خلوص دل سے آنے والوں کو واپس نہیں لوٹایا کرتے۔ چلتے ہیں آنچل 2012ء کا آئینے میں دیدار کرنے' چاند نگر کی پری کا درشن کرکے حدیث کا مفہوم پڑھا۔ آنی کی ''سرگوشی'' سنی اور ''حمد و نعت'' سے مستفید ہوکر فوراً چھلانگ لگائی ''غزلوں' نظموں'' کی طرف۔ ارے واہ بھئی بلے بلے نازیہ جی کے ساتھ ہی ہمارا نام جگمگا رہا تھا' ہم نے ''یاہو'' کا نعرہ لگایا۔ شائلہ آپی نے ہماری سالگرہ پر دعاؤں کا انمول تحفہ دیا پھر واپس آئے' عاشی' دعا' کرن اور زائمہ سے ہائے ہیلو کی اور پھر جو دوڑ لگائی تو ''بھیگی پلکوں پر'' کے راز جاننے کو ٹھہرے یہ کیا بھئی! آخر جب' ہمیں یقین ہے کہ وہ لڑکی حقیقت تھی اور طغرل خود اس کو وہم گردان رہا ہے' حد ہوگئی اور پری کو کہاں لڑھکا دیا؟ (○ آئندہ کی قسطوں میں آپ کو اپنے سوالوں کے جوابات مل جائیں گے)۔ عروسہ نے زبردست لکھا' واقعی بعض اوقات فردِ واحد (شوہر نامراد) ساس' بہو' نند' دیور سب کی کمی پوری کرکے زندگی اجیرن کردیتا ہے۔ ''قرض اور فرض'' کہاں تو دعا بی بی اتنی اچھی اور مشرقی اقدار کی حامل تھیں اور کہاں خود ہی ''ولن'' بن گئیں۔ ''زرد موسم کے دکھ'' خوامخواہ ہی ضوفی نے کھڑاگ پھیلایا جب بخناز بیر کی دلہن ہی ہے اور یہ معارج کو کیا ہوا' نفسیاتی کیس تو وہ ویسے ہی لگتا تھا اب یہ کیا نیا ڈرامہ رچا رہا ہے۔ ''نئے موسم'' پہ پہلے تو غصہ آیا کہ ہمارے کراچی کی برائیاں ہورہی ہیں مگر پھر ابا میاں کی باتوں نے دل خوش کردیا۔ برطانیہ نے ظاہری طور پر تو برصغیر کو چھوڑ دیا مگر ذہنی طور پر آج بھی ہمیں اس کی غلامی پر مجبور کیا جارہا ہے۔ عیسوی سال ہر جگہ رائج ہے' ہفتہ اتوار (عیسائیوں کی عبادت کا دن) کو چھٹی ہوتی ہے۔ پہلے تو پھر بھی جمعے کی چھٹی ہوتی تھی۔ برکت راہی کی نظم ''مہنگائی'' شان دار رہی۔

○ اچھی مہر! آپ کا دلچسپ خط مزا دے گیا۔ امید ہے تفصیلی تبصرے کے ساتھ یونہی آتی جاتی رہیں گی۔

☆**علیشاہ**...... **سرگودھا**۔ پیاری شہلا آپی! آداب عرض ہے اور تمام قارئین کو بھی میری طرف سے محبت بھرا اسلام۔ آنچل کی تعریف کرنا تو گویا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ پورا آنچل ایک دم زبردست ہوتا ہے۔ خاص طور پر سلسلہ وار کہانیاں ''اور کچھ خواب'' تو مجھے خواب دیکھنے پر مجبور کردیتی ہے۔ عشناء جی بہت اچھا لکھ رہی ہیں آپ۔ اب دیکھنا ہے کہ عدن کی محبت پارسا کب قبول کرتی ہے۔ باقی کہانیاں بھی زبردست تھیں۔ اب اجازت دیں' اللہ حافظ۔

○ آئینہ کی بزم میں خوش آمدید۔

☆**صباحت مرزا**...... **گجرات**۔ السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور قارئین کو نیا سال بہت بہت مبارک۔ اللہ تعالیٰ سب کو خوشیاں اور سلامتی عطا فرمائے آمین۔ جنوری 2012ء کا آنچل ملا۔ ''حمد و نعت'' اور ''سرگوشیاں'' پڑھ کر آئینہ میں اپنا خط دیکھا تو دل خوش ہوگیا۔ ناولز میں سب سے پہلے ''زرد موسم کے دکھ'' پڑھا۔ سمیرا آپی ویل ڈن۔ فوزان صدیقی کا کردار مجھے بہت پسند آیا۔ ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' کے سمعان احمد کی طرح یہ کردار بھی اپنی مثال آپ ہے۔ آپی آپ سے گزارش ہے کہ لکھنا نہ چھوڑیے گا۔ آپ کی تحاریر اور اندازِ بیان بہت اچھا ہے۔ سلسلہ وار ناول سب اچھے جارہے ہیں۔ ''بھیگی پلکوں پر'' میں طغرل اور پری کی نوک جھونک پڑھ کر بہت مزہ آتا ہے۔ ''اور کچھ خواب'' یہ کیا؟ معارج انا ئیا سے بدلہ لے رہا تھا۔ اس کا رویہ پہلے ہی عجیب سا تھا۔ اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ نازیہ آپی کا ناول بہت زبردست ہے۔ امامہ بہت غلط کررہی ہے۔ پلیز عباد اور صاعقہ کو بھی ملادیں۔ پلیز آپی زیادہ قسط لکھا کریں۔ انوشہ اور شاہ زر کا معاملہ بھی سلجھادیں۔ ناولٹ ''ستارۂ سحر'' بہت زبردست تھا۔ سکینہ فرخ کا افسانہ بھی بہت ہلکا پھلکا اور اچھا تھا' پڑھ کر مزا آیا' ادھورے خواب بھی سبق

آموز تھا۔ سلمیٰ غزل نے بھی اچھا لکھا۔ واقعی جو شناخت اور آزادی وسکون اپنے ملک میں ہے وہ کسی دوسرے ملک خصوصاً یورپ میں نہیں مل سکتا۔ جہاں والدین کی فرماں برداری اور اخلاقیات کی کمی ہے۔ ''مستقل سلسلے'' بھی اچھے تھے۔ اللہ تعالیٰ آنچل کو ترقی عطا فرمائے آمین۔

○ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ آپ سب کی آمد ہمیں بھی خوشی بخشتی ہے۔

☆ **فریحہ شبیر ...... شاہ نکدر۔** ڈیئر شہلا آپی' اسٹاف' رائٹرز' ریڈرز اور فرینڈز السلام علیکم! اس دفعہ آنچل 25 کو مل گیا۔ اس دفعہ کا ٹائٹل بس سو سو ہی تھا۔ سب سے پہلے تو ''سرگوشیاں'' پڑھیں۔ اس کے بعد ''حمد و نعت'' سے دل کو روشن و منور کیا۔ ''ہمارا آنچل'' میں چاروں فرینڈز سے مل کر اچھا لگا۔ سب سے پہلے تو ''پتھروں کی پلکوں پر'' واہ نازی جی واہ! کیا زبردست لکھا آپ نے۔ انوشہ اور شاہ زر کی شادی' بہت خوب! بس اب جلدی سے انوشہ شاہ زر کے ساتھ ٹھیک ہو جائے اور یہ کیا! صاعقہ اور عباد الگ ہو گئے اور امامہ! واقعی کہانی نے نیا موڑ لیا ہے اب دیکھو کیا بنتا ہے اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ ویسے نازی جی آپ کی ماما کی طبیعت کیسی ہے اب؟ امید ہے بہتر ہوگی۔ اللہ شفاء کاملہ عطا فرمائے آمین۔ ''اور کچھ خواب'' بہت اچھا جا رہا ہے۔ عشناء جی بہت اچھا لکھ رہی ہیں آپ بس اسی طرح لکھتی رہیے گا۔ ''بھیگی پلکوں پر'' بھی بہت اچھی اسٹوری ہے۔ اقراء جی! آپ کو کیا کہوں صرف اتنا کہ ہمیشہ خوش رہیں اور ہمارے لیے اتنا ہی اچھا لکھتی رہیں۔ ''زرد موسم کے دکھ'' تبصرہ تو کہانی ختم ہونے پر ہی کروں گی مگر اتنا ضرور کہوں گی کہ سمیرا جی آپ بہت بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ میرا تو بس ایک ہی سوال ہے کہ آپ نے کہانی کا نام کیا سوچ کر رکھا۔ سچ میں مجھے تو بہت اچھا لگا ہے یہ نام' سچ بتاؤں نا تو دل کو چھو گیا ہے یہ۔ کتنا درد چھپا ہے نا اس نام میں واقعی زرد موسم کے بھی اپنے ہی دکھ ہیں۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے مگر بیسٹ ''قرض اور فرض'' سلمیٰ غزل کا افسانہ۔ ناولٹ بھی دونوں ہی زبردست مگر ''ستارۂ سحر'' مہوش ملک پہلی بار میں اتنا زبردست ناولٹ واہ جی واہ' بہت خوب۔ غزلوں میں نازیہ کنول نازی' عاصمہ زہرا' انا شاہ زاد' نگہت غفار اور غزالہ جلیل کی غزلیں اچھی لگیں۔ ہماہ شاہ کی ''محبت اک جزیرہ ہے'' بھی اچھی تھی۔ ''بیاض دل'' میں نازنین' چندا مثال' مدیحہ' نرجس اور زاہدہ ملک کے اشعار زبردست تھے۔ ''یادگار لمحے'' میں طیبہ سعدیہ' سیدہ کنزیٰ' صنم ناز' مریم منور کا انتخاب اچھا لگا۔ مگر سب سے بیسٹ علیشاہ کی ''غمگین غزل'' اور کامران خان کی ''محبت'' تھی۔ ''آپ کی پسند'' میں بشریٰ اور سدرہ دونوں کی پسند اپنی لگی اور فصیحہ آصف کی پسند بھی لاجواب تھی۔ ''دوست کا پیغام آئے'' ارے یہ کیا' ہمارا پیغام تو غائب ہے۔ چلو اگلی بار سہی! آئینہ میں صدف' شہر بانو اور کومل کے تبصرے اچھے لگے۔ آخر میں ڈھیر ساری دعائیں آنچل اسٹاف اور فرینڈز کے نام۔ مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔

○ اچھی بہن! آپ سب دوستوں کی محبت اور دعاؤں سے تو آنچل کی خوب صورتی قائم و دائم ہے۔ خط شامل اشاعت ہے امید ہے آنچل کی بزم میں شرکت کرتی رہیں گی۔

☆ **نوشین شاہ ...... سرگودھا۔** ڈیئر شہلا آپی السلام علیکم! امید کرتی ہوں کہ یہ نیا سال ہر ایک کے لیے خوشیاں لے کر آئے گا۔ آنچل ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے عشناء جی کی کہانی کی طرف میں دوڑی۔ اس دفعہ آپ نے بہت سے رازوں سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ اب کسی کو شکایت نہیں ہونی چاہیے کہ کہانی آہستہ چل رہی ہے۔ مگر یہ کیا کہ معارج انائیا کو چھوڑنے کی بات کر رہا ہے۔ عشناء آپی پلیز ایسا نہیں ہونا چاہیے اور اس دفعہ آپ نے دامیان سوری کو کہاں چھپا دیا؟ حیدر مرتضیٰ کی آمد مجھے بالکل اچھی نہیں لگی۔ انائیا تو صرف دامیان کے ساتھ ہی جچتی ہے۔ آگے آپ کی مرضی! ''پتھروں کی پلکوں پر'' میں بھی نازیہ آپی نے دھماکا کر دیا ہے۔ شاہ زر کی شادی انوشہ کے ساتھ بہت اچھا لگا مجھے۔ جہاں بہت اچھا لگا وہیں صاعقہ کے بارے میں پڑھ کر دل غم سے بھر گیا۔ عباد کی حالت تو دیوانے جیسی لگی۔ پلیز نازیہ آپی! ان کو پھر سے ایک کر دیں۔ امامہ کے ساتھ شجاع حسن کیا کرتا ہے اب یہ پڑھنے کے لیے تو ایک مہینہ انتظار کرنا پڑے گا۔ ویل ڈن نازیہ آپی! ''بھیگی پلکوں پر'' اسٹوری میں اقراء آپی جلدی سے پری اور طغرل کی صلح کروا دیں۔ ویسے ان کی لڑائی میں بھی ایک مزا ہے۔ ''زرد موسم کے دکھ'' کی یہ قسط ابھی پڑھی نہیں ہے۔ یقیناً یہ قسط بھی زبردست ہوگی۔ سمیرا آپی کچھ لکھیں اور وہ اچھا نہ ہو یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس دفعہ کے لیے اتنا ہی اب اجازت دیں' خدا حافظ۔

○ اچھی بہن! آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے مصنفات تک پہنچائی جا رہی ہے۔ آمد کا شکریہ۔

☆ **یاسمین کنول ...... سیالکوٹ۔** محترمہ شہلا صاحبہ! سدا خوش رہیں۔ السلام علیکم! جنوری کا آنچل خوب صورت اور دلکش سرورق کے ساتھ ملا' خوشی ہوئی۔ ''سال نو مبارک'' سب کو مبارک ہو جی۔ احمد رضا راجا کی ''حمد و نعت'' سے پہلے ''سرگوشیاں'' سنی۔ کیا بولوں...... کئی لوگ بولیں گے میرا بولنا ضروری نہیں۔ ''ادھورے خواب'' اور ''ستارۂ سحر'' نے متاثر کیا۔ آپ نے میری غزل فوراً شامل فرما دی' بے حد شکریہ' اس قدر جلد کرم فرمائی کا۔ مجھے خوشی ہوتی ہے ان لکھنے والوں کو پڑھ کر جو اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر اتنا

اچھا لکھتے ہیں کہ تعریف کرتے کرتے لوگ تھک جاتے ہیں مگر ان کا یہ حق پھر بھی ادا نہیں ہوتا۔ خیر یہ مقدر کی بات ہوتی ہے کون کتنا اچھا اور کیسے اچھا لکھ جاتا ہے۔ کوشش سے یہ چیزیں نہیں ملتی۔ خداداد صلاحیت اور حالات کا سازگار ہونا ضروری ہے' آنچل کی ترقی کے لیے دعاؤں کے ساتھ اجازت' اللہ حافظ۔

○ اچھی بہن! انسانوں کے لیے رتبے اور مقام اللہ تعالیٰ کی ذات منتخب کرتی ہے' جو جس مقام کا اہل ہوتا ہے' رب کریم اسے وہیں پہنچاتا ہے۔ تم آزردہ نہ ہو' اسی کی رضا پر راضی رہو۔

☆ **صدف سلیمان ...... شورکوٹ۔** آنچل کے تمام اسٹاف اور قارئین کو سلام۔ پہلے دن کی طرح آنچل ہنستا' مسکراتا ملا۔ ٹائٹل گرل خوب صورت تھی۔ ''سرگوشیاں'' پڑھیں۔ احمد رضا کی ''حمد و نعت'' بہت زبردست تھی۔ ''شیطان کی حقیقت'' پڑھ کر ان لوگوں کے لیے دعا کرتی ہوں' جو ہر کام شیطان کے نقش قدم پر چل کر کرتے ہیں۔ خدا انہیں نیک راہ دکھائے' آمین۔ ''ہمارا آنچل'' میں عاشی جی کی شخصیت نے بہت متاثر کیا۔ کرن شاہ کا تعارف بہت پسند آیا۔ تمام قارئین کے جواب اچھے تھے۔ اب ذرا نظر کرم سلسلہ وار ناول کی طرف۔ ''پتھروں کی پلکوں پر'' تو ہر بار پتھر بنا دیتا ہے۔ شاہ کی شادی' امامہ کا شوبز کی طرف جانا' اور اب صاعقہ بھی اسی فیلڈ میں آنا چاہ رہی ہے۔ کہانی بڑھتی جا رہی ہے۔ خیر نازی جی جیسے آپ کی مرضی۔ شاہ کی شادی کر کے آپ نے بہت اچھا کیا ہے' مجھے بہت خوشی ہوئی۔ ''اور کچھ خواب'' شکر ہے یہ کہانی بھی آگے بڑھ رہی ہے۔ عشنا جی معارج اور انائیا کی جوڑی الگ مت کیجیے گا اور پارسا کا سسپنس بھی اب ختم کر دیجیے گا۔ ''بھیگی پلکوں پر'' پری اور طغرل کی دوستی کروا دیجیے اقراء جی! باقی کہانی اچھی جا رہی ہے۔ ''زرد موسم کے دکھ'' سمیرا جی آپ کا یہ ناول بہت ہی زبردست جا رہا ہے۔ تفصیلی تبصرہ اختتام پر۔ افسانے اور ناولٹ کچھ خاص نہیں لگے۔ ''غزلوں اور نظموں'' میں عاصمہ زہرا' نوشین اقبال اور مہوش ملک کی کاوش زبردست تھی۔ ''بیاض دل'' نازنین تبسم' سباس گل اور شگفتہ کے اشعار بہت پسند آئے۔ ''یادگار لمحے'' میں کامران خان کی ''محبت'' بہترین تھی۔ ''آئینہ'' میں رضوانہ ملک' صوفیہ صحیق اور زویا خان کا تبصرہ اچھا تھا۔ ''ہم سے پوچھیے'' میں مدیحہ نورین کے سوالات پسند آئے۔ ''آپ کی پسند'' میں شگفتہ خان' سدرہ علی اور فصیحہ آصف کی پسند لاجواب تھی۔ آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت دیجیے۔ یہ سال ہمارے لیے اور ہمارے پیارے ملک پاکستان کے لیے امن وسلامتی اور خوش حالی کا سال ہو اور پاکستان رہتی دنیا تک قائم و دائم رہے۔

○ اچھی صدف! ہمیں کبھی بھی کسی کی تنقید بری نہیں لگتی کہ یہ بہتری کے لیے معاون ثابت ہوتی ہے اور آپ تو آنچل میں شامل ہو' اس لیے تمہاری ساری تنقید سر آنکھوں پر' خوش رہو۔

☆ **رابعہ اکرم ...... فیصل آباد۔** السلام علیکم! میری پیاری آنچل فیملی اور فرینڈز! امید ہے آپ سب خوش باش ہوں گے' پھولوں کی طرح۔ دعا ہے رب کریم سے آپ ایسے ہی خوش اور ہنستے مسکراتے رہیں' آمین۔ اب میں آتی ہوں تبصرے کی جانب سب سے پہلے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی پھر ''سرگوشیاں' بھیگی پلکوں پر'' کہانی ٹھیک ہی جا رہی ہے۔ ماہ رخ کافی خود سر لڑکی ہے۔ خوابوں کی دنیا میں رہنے والی جو کہ ٹھیک نہیں۔ صباحت بیگم کیسی کم عقل عورت ہیں جن کو اپنے شوہر کی پریشانی کا اندازہ ہی نہیں اور پھر مثنیٰ سے نفرت اور فیاض صاحب کا دعویٰ بھی' کیا یہ محبت کی کوئی نئی صورت ایجاد ہوئی ہے؟ ''اور کچھ خواب'' شکر ہے کہانی میں کچھ تو نیا ہوا ورنہ اس دفعہ تو کہانی کا نام پڑھتے ہی میں غصہ سے لال پیلی ہو گئی تھی۔ ''پتھروں کی پلکوں پر'' لو جی انوشہ تو ہو گئی شاہ زر کی' ہوا تو سب برا ہی اس کے ساتھ مطلب انوشہ کے ساتھ اب دیکھیں وہ کیا کرتی ہے۔ صاعقہ کے ساتھ تو بہت ہی برا ہوا۔ مطلب اس کی خودداری کو ہی ہتھیار بنا کر اس سے ہی اسے زخمی کر دیا۔ عباد کے ساتھ بھی برا ہی ہوا۔ بندہ اس امامہ کو پکڑ کر سو جوتے لگائے' عقل کی دشمن پاگل عورت' گوری نے بھی نیک کام کی شروعات کر دی اور نازی پلیز صاعقہ کو اب ٹی وی پر تو مت لائیں' ویسے اسٹوری کمال کی ہے۔ ''زرد موسم کے دکھ'' سمیرا جی یہ ٹھیک ہے کہ لائبہ کے ساتھ برا ہوا بہت برا ہوا۔ اللہ ہر ایک لڑکی کو اس طرح کے ہر حادثے سے بچائے' جس سے اس کی عزت پر حرف آئے' آمین۔ مگر کیا ضروری ہے کہ وہ ہر وقت اس کے زیر اثر رہے اب جب کہ قسمت ان کا ساتھ دے رہی ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ اسے خوش آمدید کہے وہ ابھی تک وہ پرانی باتیں ہی یاد کر کے ان لوگوں کو بھی بتا رہی ہے جن کو خبر تک نہیں اور ضوفی اور لائبہ ان لوگوں کی پروا کر رہی ہیں۔ جو اس طرح کی باتوں کے منتظر رہتے ہیں اور ان باتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ''ادھورے خواب'' سیما بنت عاصم بہت عمدہ لکھا آپ نے' بہت نفاست کے ساتھ مختصر کر کے بہت اچھے موضوع کا انتخاب تھا۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ باقی بہنوں کی تحریر بھی عمدہ تھیں۔ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے آپ کی تحریر پر تبصرہ نہ کر پائی معذرت۔ ہمارا آنچل میں میں صرف کرن سے ہی ملی' سرورق بھی خوب رہا سب نے دلچسپ جواب دیئے۔ خیر سارا آنچل بہت بہت اچھا تھا۔ اللہ اسے اور ترقی دے اور یہ نیا سال ہمارے ملک کے لیے رحمتوں والا سال ثابت ہو' آمین پھر ملاقات ہو گی تب تک کے لیے اللہ حافظ۔

○ اچھی بہن! آپ کی تعریف وتنقید سطور کے ساتھ مصنفات تک پہنچائی جارہی ہے۔ امید ہے آنچل کی بزم میں شرکت کرتی رہیں گی۔

☆ **سیدہ آر این جیا** ...... **قلعہ کنک۔** سلام مسنون! جنوری کا خوب صورت شمارہ میرے سامنے ہے۔ ٹائٹل پر صبا جی اپنا خاص تاثر نہ چھوڑ سکیں۔ خیر "سرگوشیاں" پڑھیں۔ "حمد ونعت" احمد رضا راجا نے بہت خوب صورت لکھیں۔ "بھیگی پلکوں پر" اقراء صغیر آپی پری کچھ زیادہ ہی اوور ایکٹ نہیں کررہی۔ صباحت بیگم بیٹیوں والی ہوکے بھی پری کے درد کو نہیں سمجھتیں۔ عجیب ماں ہے آخر ہیں ناسوتیلی۔ "تُو نے قدر نہ جانی" عروسہ جی اچھا لکھا۔ "ادھورے خواب" بھی پسند آیا۔ نازیہ جی عاصمہ زہرا برکت راہی اور غزالہ جلیل کی غزلیں زبردست تھیں۔ نرجس رانی' چندا مثال' مہک اعوان کی پسند اچھی تھی۔ باقی سلسلے اچھے تھے۔ دعاؤں میں یاد رکھیے۔

○ اچھی بہن! کہانیاں مثبت ومنفی رویوں کے ذریعے ہی تشکیل پاتی ہیں' معاشرے کے سب کردار مثبت ہوں تو شاید کوئی کہانی ہی نہ بن پائے۔

☆ **کنزہ مریم** ...... **سرگودھا۔** السلام علیکم! ڈیئر شہلا جی! آنچل ملتے ہی ہم نے سب سے پہلے "ہمارا آنچل" کی طرف دوڑ لگائی۔ اپنا نام نہ دیکھ کر مایوسی ہوئی' کرن شاہ' عاشی' زائمہ' دعا سب سے مل کر اچھا لگا اور خوشی ہوئی پھر پہنچے سرگوشیاں کی طرف۔ اقراء جی' طغرل اور پری کی جوڑی تو اچھی ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ ان کے آپس کے جھگڑے کی بنیادی وجہ کیا ہے۔ سمیرا جی "زرد موسم کے دکھ" بہت اچھا لکھ رہی ہیں' ماشاء اللہ تفصیلی تبصرہ کہانی ختم ہونے کے بعد کروں گی۔ "تُو نے قدر نہ جانی" میں عروسہ جی آپ نے تو دل موہ لیا۔ کامران کی سزا زبردست تھی۔ "ستارۂ سحر" بھی زبردست تھا۔ سیما بنت عاصم' سکینہ فرخ' سلمیٰ فرخ بھی کے افسانے زبردست تھے۔ آئینہ میں شہر بانو جی مجھے آپ کے لکھنے کا انداز بہت بھایا۔ مہر گل جی آپ کی نظم سالِ نو اچھی لگی۔ نوشین جی آپ کا سوال تو اچھا تھا۔ پر میرے کیا شاید کسی کے پاس بھی اس کا جواب نہیں۔ "ڈش مقابلہ" شرکت کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ اقصیٰ شکیل "بیاضِ دل" میں آپ کی دعا نئے سال کے حوالے سے اچھی تھی خدا کرے کہ یہ نیا سال واقعی میں ہی مسرت کا سال ہو آمین۔

○ اچھی بہن! آنچل کے کسی سلسلے میں شرکت کے لیے آپ کو سوچنے کی ضرورت نہیں' آنچل آپ کا اپنا پرچا ہے' تبصرے کا شکریہ۔

☆ **ساجدہ زید** ...... **ویرووالا چیمہ۔** پیاری شہلا جی! السلام علیکم! امید ہے خیریت سے ہوں گی۔ آئینہ میں پہلی بار شرکت کررہی ہوں' امید کرتی ہوں کہ مایوس نہیں کریں گی۔ آنچل کا سالِ نو کا شمارہ 26 تاریخ کو ملا۔ خریدنے کے ساتھ ہی کھول کر سب سے پہلے اپنا نام ڈھونڈا۔ کچھ سلسلوں میں تو مایوسی ہوئی خیر ایک دو چیزیں شامل تھیں' چلو دل کو تسلی ہوئی۔ پھر سرگوشیاں سننے چلے۔ باقی سارے کا سارا شمارہ بہت اچھا تھا۔ خاص طور پر مستقل سلسلے سب اچھے ہیں۔ اس میں سب بہترین ہوتا ہے لہٰذا کسی ایک کا نام لینا کہ فلاں کا انتخاب اچھا تھا' ناانصافی ہوگی۔ کہانیاں اور سلسلے وار ناول اچھے ہیں' جو پڑھے ہیں ابھی تک۔ اس میں "زرد موسم کے دکھ" افسانہ "تُو نے قدر نہ جانی" اچھی کاوش تھی' پسند آیا۔ باقی بھی سب کچھ اچھا ہے۔ اللہ تمام اراکین کو اسی طرح محنت ولگن سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین' اب اجازت دیں' اللہ نگہبان۔

○ اچھی بہن! آپ کا خط شامل اشاعت ہے۔ چیز معیاری ہو تو ضرور شائع ہوتی ہے' پہلی بار آمد پر خوش آمدید۔

☆ **کومل رباب افضل** ...... **لاہور۔** السلام علیکم! شہلا آپی اور آنچل کے اسٹاف اور تمام قارئین کو میرا محبت اور خلوص سے بھرا اسلام قبول ہو۔ آنچل اس بار 23 کو ملا' ٹائٹل گرل کیوٹ تھی۔ "شیطان کی حقیقت قرآن کی روشنی میں" تو مشتاق صاحب نے چودہ طبق روشن کردیئے ہیں۔ اس کے بعد عاشی' کرن' زائمہ سے ملاقات کی۔ کافی دلچسپ رہی' "آنچل کے ہمراہ" میں سب کے جوابات اچھے اور خوب صورت تھے۔ اس کے بعد چھلانگ لگاکر "پتھروں کی پلکوں پر" پڑھا جو کہ کافی اچھا جارہا ہے' بس نازیہ جی سے گزارش ہے کہ عباد اور صاعقہ کے ساتھ کچھ بُرا نہ کریں اور ان کی شاعری تو ہمیشہ کی طرح لاجواب تھی۔ اقراء جی کا ناول بھی اچھا جارہا ہے۔ طغرل کا اور پری کا کردار کافی انٹرسٹنگ ہے۔ عشناء جی کا ناول "اور کچھ خواب" آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا ہے۔ پلیز انا' نیا اور دامیان کے درمیان کوئی نہ آئے۔ باقی سلسلے بھی اچھے تھے۔ "آپ کی پسند" میں فوزیہ سحر اور سدرہ کی پسند کافی اچھی لگی۔ "غزلیں نظمیں" میں نازیہ کنول نازی' مہوش ملک' جویریہ کی غزل اچھی تھی۔ "بیاضِ دل" میں سب کے انتخاب اچھے لگے۔ باقی تمام سلسلے ابھی پڑھے نہیں۔ "آئینہ" میں صدف سلمان' سمیرا مشتاق' طاہرہ ملک نے کافی اچھا تبصرہ کیا۔ اب اجازت چاہتے ہیں۔ خدا حافظ' تمام آنچل اسٹاف کو میرا محبت بھرا اسلام قبول ہو۔

○ اچھی بہن! تبصرے کا شکریہ۔

☆ **صاعقہ شہزادی** ...... **سرگودھا۔** السلام علیکم ڈیئر شہلا عامر آپی! سب سے پہلے آنچل ملتے ہی ہم نے سرگوشیاں پڑھیں۔ پھر

احمد رضا راجا کی "حمد ونعت" پڑھ کے دل ودماغ کو منور کیا۔ "ہمارا آنچل" میں عاشی' کرن شاہ' زائمہ خٹک' دعا زاہد سب سے مل کر خوشی ہوئی۔ "آنچل کے ہمراہ" میں تمام جوابات اچھے تھے۔ اقراء جی "بھیگی پلکوں پر" میں کچھ سمجھ نہیں آیا کہ عشرت بیگم نے کیا غلطی کی تھی' جاننے کے لیے انتظار کرتے ہیں۔ عروسہ عالم جی! آپ کا ناولٹ اچھا تھا۔ شکر ہے کہ طارم کے ساتھ بعد میں بُرا نہیں ہوا۔ کامران کی سزا بڑی اچھی تھی۔ افسانے بھی کے اچھے تھے۔ سمیرا جی "زرد موسم کے دکھ" میں ضوفشاں کے انکار کی وجہ تو سمجھ میں آگئی ہے پر کچھ معقول نہیں لگ رہی ہیں۔ "ستارۂ سحر" عمدہ ناولٹ تھا۔ ٹائٹل کچھ خاص نہیں تھا۔ اب آخر میں آنچل اسٹاف اور قارئین کو پیار بھرا اسلام قبول ہو۔ والسلام!

○ اچھی بہن! تبصرے کا شکریہ۔ امید ہے آنچل کی بزم کو یونہی اپنی آمد سے سجاتی رہیں گی۔

☆ **فرخ طاہر قریشی** ...... **ملتان۔** شہلا آپی' قیصر آنی' آنچل کی تمام ٹیم' قارئین کو بہت سارا اسلام! خدا تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کو اور ہمارے پیارے آنچل کو بہت ترقی دے' اپنی حفاظت میں رکھے' آمین۔ 26 دسمبر کو آنچل ہاتھوں میں آیا اور اندر بہت سی تبدیلیوں کے ساتھ ملا۔ اس دفعہ بھی سرورق خوب صورت تھا۔ پھر سب سے پہلے "دوست کا پیغام آئے" میں گئی۔ کرن وفا! آپ نے مجھے چاہت کا نام دیا' مجھے بہت بہت پسند آیا۔ آپ مجھے آنچل کے توسط سے ملی' میں آنچل کی شکر گزار ہوں' جس کی بدولت مجھے ایسی ہستی ملی جو خود سے بڑھ کر مجھے چاہتی ہے۔ مجھے آپ پر فخر ہے وفا جان' آئی لو یو! پیغام کے بعد "آپ کی پسند" میں بشریٰ کی نظم پڑھی' بشریٰ بہت اچھی نظم لکھی تم نے' تمہاری شاعری اچھی ہوتی ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم ہو اور زیادہ۔ فرح وفا کی پسند کی گئی نظم بھی بہت خوب صورت تھی۔ ثمائلہ کاشف نے سب کے سوالوں کے جوابات بہت خوب صورت دیئے۔ ویل ڈن ثمائل آپی! "کام کی باتیں' تندرستی صحت" میں کام کی باتیں پڑھنے کو ملیں۔ پھر تبصرے پڑھے سب کے تبصرے خوب صورت تھے' جاناں مبارک ہو' تمہارا خط آنچل میں چھپ گیا۔ ناز سلوش آپ ریشم میں تو لکھتی ہیں' امید کرتی ہوں آنچل میں بھی جلد ہی انٹری دوگی۔ فریدہ فری آپی! آپ سے بات کرکے بہت اپنائیت محسوس ہوئی۔ "یادگار لمحوں" میں سعدیہ اجمل' تسنیم چوہدری' زائرہ ملک کا انتخاب پسند آیا۔ "بیاضِ دل" میں کرن وفا' چندا مثال' نرجس رانی' زائدہ ملک' سباس گل کے شعر پسند آئے۔ "غزلوں نظموں" میں غزالہ جلیل' شبیر انکل' مہوش ملک' فریدہ خانم' نوشین اقبال کی غزلیں' نظمیں پسند آئیں۔ "حمد ونعت" سے فیض یاب ہوتے ہوئے سب کے خطوں کے جواب پڑھے۔ قیصر آنی بہت خوب صورت انداز میں سب کو جواب دیتی ہیں۔ مشتاق احمد قریشی کی باتیں پڑھیں' بہت علم میں اضافہ ہوا تعارف پر صرف سرسری سی نظر ڈالی۔ نیا سلسلہ "آنچل کے ہمراہ" میں سب کے جواب پڑھے۔ اب باری آئی ہے کہانیوں کی' سب سے پہلے سمیرا شریف کا "زرد موسم کے دکھ" پڑھا۔ سمیرا بہت شان دار لکھ رہی ہو' تبصرہ اس پر جب ہی کروں گی جب یہ مکمل ہوجائے گا۔ اقراء صغیر احمد "بھیگی پلکوں پر" ہمیشہ کی طرح اقراء جی بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ اللہ آپ کے قلم میں اور زیادہ نکھار دے' آمین۔ آپ نے اس دفعہ بڑی سسپنس پر آکے قسط ختم کی ہے' آگے دیکھو کیا ہوتا ہے۔ عروسہ عالم بہت عرصے بعد آنچل میں آئیں۔ "تُو نے قدر نہ جانی" بے شک ایک اچھی تحریر تھی' اینڈ بھی اچھا کیا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ سیما بنت عاصم "ادھورے خواب" افسانے کا نام جتنا اچھا تھا افسانے کی تھیم بہت خوب صورت تھی۔ عشناء کوثر "اور کچھ خواب" زندہ باد عشناء جی آپی! آپ تو پورے آنچل پر چھائی ہوئی ہیں' بہت خوب صورتی سے آپ ناول کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ معارج کبھی کبھی بہت روڈ ہوجاتا ہے' بے چاری انا' نیا لیکن دونوں کا کردار ہی پاورفل ہے۔ مہوش ملک "ستارۂ سحر" بہت نازک ٹاپک پر لکھا آپ نے لیکن بہت خوب صورتی سے۔ "نئے موسم" سکینہ فرخ نے سال کے حوالے سے اچھی تحریر تھی۔ سلمیٰ غزل نے واقعی "قرض اور فرض" میں بہت اچھے طریقے سے فرق بیان کردیا اور آنچل پر ہمارا تبصرہ مکمل ہوگیا۔ عطروبہ حجاب' صدیقہ غزل آنچل میں حاضری دو۔ آخر میں آنچل کی مقبول ترین رائٹر سعدیہ امل کاشف! یار تم کہاں ہو؟ آنچل میں جلد حاضر ہوجاؤ' آنچل تم بن سونا ہے۔ عفت سحر آپ بھی کوئی تحریر بھیجیں۔ جہاں رہیں سدا خوش رہیں۔ دوسروں میں خوشیاں بانٹیں۔ اب اجازت چاہوں گی' اپنا بہت خیال رکھیے گا' خدا حافظ۔

○ فرح! آپ کا تفصیلی تبصرہ اچھا لگا۔ امید ہے آنچل کی بزم میں شرکت کرتی رہیں گی۔

☆ **شمع مسکان** ...... **جام پور۔** پیاری شہلا آپی! آنچل اسٹاف اور قارئین' فرینڈز رائٹرز کو شمع مسکان کی طرف سے خوشیوں بھرا' محبت بھرا' خلوص بھرا اسلام قبول ہو۔ حسب معمول احمد رضا راجا کی "حمد ونعت" سے مستفید ہوئے۔ مشتاق انکل نے جو قرآن کی روشنی میں شیطان کی حقیقت بیان کی' پڑھتے ہوئے دل میں خوف در آیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے ارد گرد موجود لوگوں میں شیطان اپنے قدم مضبوطی سے جمائے ہوئے ہے لیکن بچاؤ کی تدابیر بھی ساتھ ہی موجود تھیں۔ "بھیگی پلکوں پر" کی قسط بھی لاجواب تھی۔ پری اور طغرل کی جھڑپ بہت بھائی۔ "آئینہ" میں صدف سلیمان کی خواہش کہ دوست کا پیغام آئے میں کبھی میرے لیے بھی کچھ ہو۔ ڈیئر! ہم تو دوستوں کے دوست ہیں۔ آپ کی یہ خواہش میں ابھی دوست کا پیغام آئے میں تو نہیں پوری کرسکتی کہ پہلے ہی ہما آپی نے میرا پیغام شائع نہیں کیا مگر آئینہ میں ویلکم کرتی

ہوں فرینڈ۔ ابھی پورا شمارہ نہیں پڑھا بس اتنا ہی ''زرد موسم کے دکھ'' پر تبصرہ مکمل ہونے پر کروں گی اللہ حافظ۔

○ اچھی بہن! آپ کی تمام شکایات سر آنکھوں پر مگر نگارشات شائع ہونے کے لیے باری کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔

☆ **سدرہ رحمن**...... **بہاولپور۔** کیوٹ سویٹ اور مائی ڈیئر لولی آپی! جلدی سے مجھے خوش آمدید کہیں۔ اس ماہ کا آنچل میری آپی بنا بتائے لے کر آئیں اور اچانک آنچل کو دیکھ کر میں پھول کی طرح کھل کر ہنس دی۔ اس دفعہ کا ٹائٹل مغل شہزادی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ''سرگوشیاں'' پڑھتے ''حمد و نعت'' سے فیض یاب ہوتے ''در جواب آں'' کی کھڑکیوں سے جھانکتے چہروں سے سلام دعا کرتے ''دانش کدہ'' میں مشتاق انکل سے درس لیتے ہم چل پڑے اجی! پریشان نہ ہوں انٹرویو کرنے چلیں او ہو جی! میں کوئی نیوز رپورٹر نہیں ہوں ''ہمارا آنچل'' عاشی' دعا' کرن اور رزائمہ کا انٹروڈکشن لینے لگی۔ جہاں سے پتا چلا دعا زاہد تو جیسے میں خود ہوں۔ دعا یار! کیا اتنی مماثلث بھی ہوتی ہے دو انسانوں میں؟ اب آتی ہوں سلسلے وار ناول کی طرف۔ ''بھیگی پلکوں پر'' اقرء آپی! ونڈرفل بٹ اے ویری امیزنگ اینڈ انٹرسٹنگ طغرل اینڈ پری از اے بیسٹ کریکٹر دادی اماں یا درفل پرسنالٹی! جلدی سے راز کھولیں رات کو جانے والی کون تھی؟ عادلہ یا؟ ''اور کچھ خواب'' عشناء آپی! خواب کو اب آپ حقیقت کی طرف لا رہی ہیں' کچھ خیال کیجیے گا خوابوں کا محل زمین بوس نہ کیجیے گا پلیز! ''پتھروں کی پلکوں پر'' نازیہ آپی تھینک گاڈ انوشہ کو شاہ زر سے ملایا اب بُریرہ کو جلدی ٹھیک کریں۔ بریرہ از اے ویری نائس گرل! امامہ کا پتا کروائیں جلدی اور سوری شجاع سے ملوا تو دیا اب مزید غلط فہمیاں پیدا نہ کیجیے گا۔ ساتول کا ٹاپک مس تھا' نہ ایسا کیا کریں۔ مکمل ناول ''زرد موسم کے دکھ'' زبردست سمیرا آپی! دنیا کے تلخ حقائق خوب صورتی سے بیان کر رہی ہیں اور زینب کا جلدی سے راز ختم کریں۔ ناولٹ ''تو نے قدر نہ جانی'' عروسہ عالم نے ایک نئے معاشرتی پہلو پہ اسٹوری لکھی' زبردست ان پہلوؤں کو بھی لکھا جائے تاکہ لوگوں کی اصلاح ہو۔ ''ستارہ سحر'' مہوش آپی نے پہلی دفعہ میں ہی حساس ٹاپک پر قلم اٹھا کر دل خوش کردیا۔ ایسے ٹاپک پر جو حساس ہوتا ہے وہی لکھتا ہے اور اسلام سے محبت بھی ظاہر ہو رہی ہے۔ آئی ایم رائٹ مہوش؟ آپ ایسی ہی ہیں نا پلیز ضرور بتایئے گا۔ افسانے تینوں زبردست اور سبق آموز تھے۔ بشرطیکہ سبق حاصل کیا جائے اور اصلاح کی جائے تو محض انجوائے منٹ یا ٹائم پاس نہیں۔ آنچل کے تمام سلسلے زبردست ہیں۔ بٹ مائی موسٹ فیورٹ سلسلہ ''آپ کی شخصیت'' ہے۔ گڈ بائے اللہ حافظ

○ اچھی بہن! آپ کا دلچسپ تبصرہ اچھا لگا۔ امید ہے شریک بزم ہوتی رہیں گی۔

☆ **صائمہ قریشی**...... **آکسفورڈ۔** آج 7 جنوری ہے اور جنوری 2012ء کا آنچل میرے ہاتھ میں ہے۔ سب سے پہلے ''سرگوشیاں'' سنیں جھٹ سے قلم اٹھالیا کہ کہیں دیر نہ ہو جائے۔ آنچل ابھی پڑھا نہیں اس لیے کسی قسم کے تبصرے کی گنجائش نہیں۔ امید و یقین ہے کہ نئے سال کا پہلا آنچل بھی ہمیشہ کی طرح بیسٹ ہوگا۔ بعد عرصہ دراز ایک بار پھر پاکستان جانے کا موقع مل رہا ہے۔ واپس آ کر ان شاء اللہ ایک زبردست سا ناول آنچل کے لیے ہوگا۔ فی الحال ایک شعر بھیج رہی ہوں۔ امید ہے ''بیاض دل'' میں جگہ ملے گی۔ اب اجازت دیں۔ ان شاء اللہ پھر حاضر ہوں گی۔

○ اچھی بہن! بلاشبہ تمہاری ذہانت میں کوئی شک نہیں ہے تم آنچل کی دیرینہ قاری اور بہتر مصنفین میں شمار ہوتی ہو۔ بہتر ہوتا کہ سال نو کے آنچل پر تمہارا تبصرہ بھی موصول ہوتا خیر تمہاری تحریر کے منتظر رہیں گے۔ خوش رہو۔

آئینہ کے بقیہ خطوط کی رسید:

صدیق خان' باغ آزاد کشمیر۔ طاہرہ پرویز' گجرات۔ سلمیٰ' سارہ' اقراء' وادیٔ سون' نوشہرہ۔ انا شاہ زاد' گجرات۔ لاریب عندلیب' وہاڑی۔ صنم ناز' گوجرانوالہ۔ صائمہ شاہ' سرگودھا۔ طیبہ نذیر' گجرات۔

ای میلز:

امیمہ شاہ' مانسہرہ۔ سلمیٰ گوری خان' لاہور۔ بشریٰ باجوہ' اوکاڑہ۔ مبینہ رشید' لاہور۔

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

پیاری سباس گل کے نام

سباس گل! تم کوئی زندگی' نیا ہم سفر مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے تمہارے قدموں میں پھول ہی پھول بکھرے ہوں' نیا سال تمہارے لیے بے شمار خوشیاں اور کامرانیاں لے کر طلوع ہو۔ ہماری صبح تو تمہارے ایس ایم ایس سے ہوتی ہے۔ کتنی پابندی سے تم کئی سال سے ہمیں صبح ہی صبح یاد کرتی ہو' تمہارا یہ انداز میرے دل کو بہت بھاتا ہے' خوش رہو آباد رہو۔ گھر میں اور سسرال میں بڑوں کو میرا سلام کہنا اور میاں جی کو بہت بہت دعا کہ وہ تم کو سدا خوش رکھیں اور خود بھی ہمیشہ تمہارے ساتھ خوش رہیں' آمین۔ دعاؤں کی طلب گار۔

شمیم ناز صدیقی...... کراچی

غزالہ جلیل راؤ کے نام

السلام علیکم غزالہ جی! کیسی ہیں؟ پچھلے دنوں آپ کا پیغام پڑھا' آپ کوئی انتخاب شائع کروا رہی ہیں۔ آپ نے شاعر لوگوں سے شرکت کا پوچھا تو ڈیئر! میں شامل ہونا چاہتی ہوں' جواب ضرور دیجیے گا۔ سدا خوش رہیں' اللہ حافظ۔

انا شاہ زاد...... گجرات

دلنشین اور خوب صورت دوست جویریہ کے نام

میری پیاری اور سویٹ جیری سلام محبت قبول ہو۔ حیران ہو رہی ہونا......؟ جی ہاں جناب! یہ بھی میرے پیار کا ایک انداز ہے۔ اصل میں مجھے کچھ کہنا ہے سب سے پہلے تو یہ کہ میں تم سے بہت بہت زیادہ پیار کرتی ہوں اور ہاں! تم مجھ سے ناراض بھی نہ ہوا کرو کیونکہ جب تم ناراض ہو تو مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا اور آخر میں یہ کہ ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہو' خوش رہو۔ میرے ساتھ بھی' میرے بعد بھی۔ کامیابیاں ہمیشہ تمہارے قدم چومیں۔ تمہارا دامن خوشیوں سے بھرا رہے اور بہار ہمیشہ تمہارے سنگ چلے' آمین۔ دعاؤں میں یاد رکھنا۔ جویریہ! اللہ تمہیں لمبی عمر دے' آمین۔

سلمیٰ رانی...... ملتان

زندگی کے نام

اے کاش کہ ایسا ہو جائے' جسے چاہا تم نے ہر لمحہ' جسے سوچا تم نے ہر لمحہ' وہ شخص تمہارا ہو جائے۔ تم جس سے محبت کرتی ہو' جسے دیکھ کر جیتی مرتی ہو' جسے کھو دینے سے ڈرتی ہو' وہ شخص تمہارا ہو جائے۔ وہ جس کی یادوں میں کھو کر' تم وقت گزارا کرتی ہو' وہ جس کی باتوں میں کھو کر' خود سے بھی کنارا کرتی ہو' ان تنہا تنہا راتوں میں' تم جس کو پکارا کرتی ہو' وہ شخص تمہارا ہو جائے' اے کاش! کہ ایسا ہو جائے' آمین۔

سحر...... گوجرانوالہ

قابلِ احترام خالو جی محمد امین کے نام

رسم دنیا ہے کہ جب ہمارا کوئی بہت پیارا اور اچھا انسان ہم سے کسی بھی وجہ سے دور چلا جاتا ہے تو ہم اس کے بارے میں اچھی باتیں لکھتے یا کرتے ہیں مگر جب وہ دشمن اس خوشی اور فخر کو محسوس نہیں کر پاتا۔ اس لیے اپنے پیارے خالو جی جو میرے سسر بھی ہیں ان کی سالگرہ کے موقع پر یہ پیغام میری طرف سے دل کی تمام تر سچائیوں کے ساتھ ان کے لیے...... خالو جی! آپ اپنے نام کی طرح اسم با مسمیٰ ہو' آپ جیسا با اصول' سچا' دین اور

دنیا کو ساتھ لے کر چلنے والا، ہر چھوٹے بڑے سے محبت سے پیش آنے والا شخص کسی کا بھی آئیڈیل ہوسکتا ہے۔ آپ کی محبت اور عزت نے میری زندگی میں ابو کے مرنے کے بعد جو اک خلاء تھا اسے پُر کردیا تھا۔ جب آپ بہت ذمہ داری سے میری تحریریں پوسٹ کرکے آتے ہیں، گاہے بہ گاہے مجھے لکھنے کے لیے کہتے ہیں، پھر جس ماہ میری کہانی آئے رسالے کا انتظار کرتے ہیں۔ ہر بات پر مشورہ کرتے ہیں، پیار سے بیٹا جی کہتے ہیں تو میرے مان اور خوشی کا لیول بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے کیونکہ ہمارے معاشرے میں زیادہ تر یہ سب باتیں، بہوؤں کے لیے نہیں بیٹوں کے لیے مخصوص ہوتی ہیں۔ اس ساری محبت کے لیے میں ہمیشہ آپ کی مقروض رہوں گی، آپ کے لاڈلے پوتے محمد ثمامہ جسے آپ بھائی کہتے ہو، میری اور امبر گل اور عمیر کی طرف سے آپ کو ڈھیروں دعائیں...... ربّ کریم سے دعا ہے کہ وہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ آپ کو ایمان، اعضاء اور صحت کی سلامتی دے اور آپ کے دل کی ہر خواہش پوری ہو، آمین۔ آپ کی بھانجی اور بہو!

ام ثمامہ...... سندھ

سویٹ سی مما اور پیارے سے بابا جانی کے نام

یہ کیسا اسم اعظم ہے
یہ کیسی خواب سی دنیا کا جادو ہے
میرے بابا کے ہونٹوں پر "میری بیٹی" ابھرتا ہے
تو میرا سر فلک کو چھونے لگتا ہے

اور مما جی! Happy Birthday to you! May You have many many more

مما جی، بابا جانی I Love You
آپ کی کیوٹ سی بیٹی!

دعا ہاشمی...... فیصل آباد

پرنسپل کنیز فاطمہ کے نام

السلام علیکم! میں آنچل کے ذریعے اپنی پیاری سی پرنسپل کنیز فاطمہ کو خراج تحسین پیش کرتی ہوں۔ جن کی بدولت ہم عبدالحکیم میں اپنے تعلیمی سلسلے کو جاری رکھے ہوئے ہیں وہ ہمارے کالج کو بہت اچھے طریقے سے چلا رہی ہیں۔ میری دعا ہے کہ آپ زندگی کے گلشن میں ہمیشہ مسکراتی رہیں اور اپنی دعاؤں میں ہمیں یاد رکھیں۔

انیلہ کنول...... عبدالحکیم

اپنے بھائی احمد یار، احمد حسن اور چاچو مظہر عباس کے نام

السلام علیکم! محترم چاچو اور پیارے بھائیوں کے کیا حال ہیں؟ میں آنچل کے توسط سے آپ کو مخاطب کررہی ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور صحت وتندرستی دے، آمین۔ احمد بھائی! آپ ہم سے ناراض ہیں کیا؟ اتنے دن ہوگئے ہیں بات ہی نہیں کی اور حسن کا خیال رکھا کرو چھوٹا ہے نا! اور چاچو کو تنگ نہ کیا کرو اور عبداللہ میرا لاڈلا اور کیوٹ سے بھائی اپنی گیارہویں سالگرہ مبارک ہو۔ میری دعا ہے کہ احمد یار، احمد حسن، عبد اللہ، میرے پیارے چاچو سدا ہنستے مسکراتے رہو، آمین، والسّلام!

الفت زہرہ...... ہراج روّوالا

پیار کے اک ڈار کے نام

السلام علیکم! عزیز از جان دوستو! کیسی ہو یار! کتنی عجیب بات ہے کہ ہم لوگ الگ ہوکر جی رہے ہیں۔ ہمارے جنون گروپ کا شیرازہ بکھر گیا۔ زندگی کی الگ الگ راہوں پر رواں دواں ایک دوسرے سے جدا مگر ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے کی یاد دلوں میں بسائے ہوئے ہیں۔ وہ گزرے چار سال بھولتے ہی کب ہیں یارا؟ وہ کالج کی چھت پردہ ساری موج مستی، وہ ٹرپ، برتھ ڈے پارٹی، فوٹو سیشن...... ایک، ایک بات تو یاد ہے یارا! عروسہ تمہاری خاموشی وحشت میں مبتلا کردیتی ہے جانی! حنا یار! اتنی تلخی اچھی نہیں ہوتی۔ تم لوگ بہت یاد آتی ہو یارا! حنا، عروسہ دونوں کو میری طرف سے ہیپی برتھ ڈے! یاد آتی ہیں وہ گزری تمام سالگراہیں؟ حسینہ جانی! کیسی ہو یار؟ تم بہت یاد آتی ہو۔ یاد ہے وہ انگلش اور اردو کی کلاس میں Truth & Dare کھیلنا......؟ یار آپ تینوں بہت یاد آتی ہو۔ تم لوگوں کے ہونے سے تو بہاروں کو ثبات ہے۔ میری دعا ہے رب رحیم سے وہ تم تینوں کو اپنی اپنی منزل تک پہنچائے، آمین۔

ارم گل مہرو...... باغ AK

آنچل فرینڈز اور مصنفین کے نام

السلام علیکم دوستو! امید اور دعا ہے کہ آپ سب خیریت سے رہیں، دوست کا پیغام آئے میں لکھنے کی وجہ "عائشہ خان" ہیں۔ "گھر ہونے تک" میں آپ نے کمال کردیا۔ اگر مائنڈ نہ کریں تو ایک بات کہوں گی، آپ کے اک اک لفظ سے حساسیت ٹپکتی ہے۔ مجھے آپ بالکل میرے جیسی لگیں (Sorry)۔ آپ بہت اچھی ہیں۔ نازیہ کنول نازی صاحبہ اللہ آپ کی امی کو جلد تندرست کردے، آمین۔ صائمہ قریشی آپ آنچل میں اپنی حاضری دیتی رہا کریں۔ Well Come Back۔ میرے تمام ٹیچرز کو سلام۔ میری فرینڈز صنم ناز، صدف، نائلہ، سحرش، مہوش، بینش، مریم اور باقی تمام فرینڈز کے لیے بہت سارا پیار اور دعائیں۔ صنم شادی کے بعد دوستوں کو بھول جانا کیا ضروری ہے؟ جہاں رہو، ہمیشہ خوش رہو۔ بہت یاد آتی ہو مہوش، مریم سعید، بہت بُری ہو۔ مجال ہے جو ایک بار بھی رابطہ کیا ہو۔ میری تمام کزنز کو سلام۔ ایک ٹیچر جن سے میں ناراض ہوں ان کو بھی سلام اور اللہ کرے سر جی! اب آپ کی شادی ہوجائے۔ ایڈوانس شادی مبارک۔ پہچان گئے یا نہیں، آپ مجھے بالکل اپنے بھائیوں جیسے لگتے ہیں۔ اللہ آپ کو سلامت، خوش اور کامیاب رکھے، آمین ثم آمین۔

پری وش گوندل...... مانگٹ

سویٹ کیوٹ سحر کمال کے نام

سلام محبت و آداب! امید واثق ہے کہ آپ بفضل خدا خیر و عافیت ہوں گی، زندگی کی گاڑی سست چل رہی ہے یا فاسٹ؟ خیر جیسے بھی ہو آپ ہمیشہ خوش رہیں۔ اب آپ بھی انٹری ماریں، پیارے آنچل میں۔ جلدی سے مجھے انتظار رہے گا۔ سال نو ایک بار پھر اپنے دامن میں بہت سی روشن امیدیں لیے ہمارے سامنے ہے، نئے سال کا استقبال دعاؤں سے کرنا مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ زندگی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہونا۔ خدا آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے اور ہماری دوستی یوں ہی ہمیشہ قائم رہے۔ امّو کو ڈھیر سارا سلام! اب جلدی سے ملنے آجانا میں آپ کا انتظار کررہی ہوں بڑی شدت کے ساتھ، دعاگو!

ایس عطاریہ...... بارہ قطعہ

سویٹ سی پریوں کے نام

مائی سویٹ اینڈ لولی فرینڈ عائشہ اینڈ سلمیٰ!

آپ کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ میری دعا ہے کہ یہ سال تمہارے لیے خوشیوں کا پیغام بن کر آئے اور کامیابیاں تمہارا مقدر بنیں۔ چاند بھیا اینڈ عائشہ جانو! I Miss u۔ مشی' صفیہ آپی' انکل اینڈ آنٹی! کیسے ہیں آپ سب؟ آپ کی پیاری پیاری اور میٹھی میٹھی باتیں بہت یاد آتی ہیں۔ کرن وفا' چندا مثال' غزل ملک' ثمینہ' زونیرہ' مائرہ اینڈ بشریٰ' اریبہ' امیمہ' عطروبہ' سائرہ مشتاق' ناہید غفور' نوشین اقبال' ثنا علی' باجی بٹ' سدرہ اسلم' سائرہ کرن پرواء' رابعہ انجم کیسی ہیں آپ سب؟ یار میں آپ سے رابطہ نہیں رکھ سکی۔ رابعہ جی! ہماری پیاری بھانجی کیسی ہیں؟ مہوش ملک جانو! آپ سنائیں کیا ہورہا ہے آج کل؟ سویٹ فرینڈ الفت زہرہ کیسی ہیں؟ سوری ڈیئر کہ آپ کو اتنا انتظار کرنا پڑا۔ نازیہ کنول نازی جی آپ کی مما کی طبیعت کیسی ہے؟ ہم نے بہت دعائیں مانگی ہیں' ان کی صحت یابی کے لیے۔ پلیز ان کے متعلق ضرور انفارم کیجیے گا' اور کے اپنا خیال رکھیے گا۔

طاہرہ ملک......جلالپور پیروالا

نبیلہ خان کے نام

ڈیئر فرینڈ! 2 جنوری کو تمہاری سالگرہ ہے۔ میری دعا ہے کہ تم ہمیشہ خوش رہو' میں تمہیں بہت مس کرتی ہوں' آئی رئیلی مس یو...... ہیپی برتھ ڈے ٹو یو......!

ماہ رخ گیلانی......اسلام آباد

ایک دوست کے نام

آداب! ربّ کریم سے آپ کی سلامتی اور اچھے مستقبل کی ڈھیروں ڈھیر تمناؤں کے ساتھ نئے سال کی مبارک باد۔ آپ کو معلوم ہے نا کہ مقدس رشتے وہی ہوتے ہیں' جن میں لحاظ' خلوص' عزت واحترام اور اعتبار سدا قائم رہے' میں نے اسی اعتبار وخلوص کے بل بوتے پر آپ سے دوستی کا رشتہ قائم کیا اور رکھنا چاہتی ہوں' ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا جو دوست خطا کرکے شرمندہ ہوجائے اور آپ سے معاف مانگ کر غلطی کا ازالہ کرنا چاہے اسے دل سے معافی کرکے سینے سے لگالینا کیونکہ جانے اس نے کتنے مان سے تم سے معافی مانگی ہو۔ میں بھی مانتی ہوں مجھ سے غلطیاں ہوئیں مگر ہر بار سچے دل سے معافی مانگی اور آپ نے ہر بار میری سچائی' میرے خلوص' میری وفا کو میری خطا قرار دیا۔ مانا کہ ہمیں ایک دوسرے سے بہت سے شکوے ہیں' میں نئے سال کے آغاز پر آپ سے اپنی تمام گزشتہ خطاؤں پر معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ ہمیشہ خوش رہنا اور خوشیاں بانٹنا' میں رہوں یا نہ رہوں' فقط آپ کی دوست!

(جیا......مقام نامعلوم)

میرے پیارے والدین کے نام

پیارے بابا جانی اور ماں اپنی بیٹی کا سلام قبول کیجیے۔ بابا جانی اور ماں جی! مجھے آپ دونوں سے محبت نہیں عشق ہے آپ دونوں میرے لیے اللہ تعالیٰ کا ایک انمول تحفہ ہیں۔ میری دعا ہے کہ آپ دونوں کا سایہ ہمارے سروں پر تاقیامت رہے۔ پیارے امی' بابا میں جانتی ہوں' جوان اولاد کی موت کا دکھ انسان کو ماردیتا ہے' الفت خان! جیسے معصوم بھائی کی موت نے ہمیں بھی ایسا درد دیا ہے جو شاید زندگی میں کبھی ختم نہ ہو میرے بھائی نے پتھروں کو بھی رُلا دیا ہے آپ تو پھر بھی والدین ہیں لیکن امی' بابا ہم سب ربّ کی امانت ہیں وہ جب چاہے ہمیں واپس بلالے' اس لیے پلیز آپ الفت خان کو یاد کرکے رویا نہ کریں بلکہ اس کی بخشش کے لیے دعا کیا کریں۔ مجھ سے آپ کے آنسو برداشت نہیں ہوتے اور آپ کے آنسو الفت خان کو بھی تکلیف دیتے ہوں گے۔ میری ربّ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے آپ کو اور ہم سب کو صبر اور سکون قلب عطا کرے اور آپ کو الفت خان کا ایسا نعم البدل عطا کرے کہ آپ الفت خان کو بھول جائیں گو کہ یہ ممکن نہیں مگر وہ مہربان اللہ رحمٰن الرحیم ہے وہ کسی کے صبر کو کسی کی دعا کو رد نہیں کرتا۔ بابا جانی' امی جان آپ کو ہم تینوں بہن بھائیوں کے لیے دوبارہ زندگی کی طرف آنا ہوگا اور پہلے کی طرح مسکرانا بھی ہوگا۔ آپ کی زندگی اور ہنسی سے ہماری خوشیاں ہیں' اب اجازت دیں' آپ کی نادان سی بیٹی!

روبیہ جعفر خان......KTS

خاص دوست کے نام

دعا

تم مجھے بہت عزیز ہو
سوچتی ہوں خدا سے
تمہارے لیے کیا مانگوں
دولت و شہرت' علم واقبال مندی
خوشی و کامرانی
شادکامی محبت یا
سکون جاں یا بے تابی روح
کون سی دعا مانگوں' اچھا سنو!
میں تمہارے لیے
سب سے اچھی دعا مانگتی ہوں
کہ عجب نہیں میرا خدا تمہیں بھی
قلب مطمئن عطا کردے

شیزا ملک......ملتان

کچھ بہت خاص' بہت اپنوں کے نام

پیارے دوستو! کچھ خاص لوگوں اور پیاری فیملی السلام علیکم! میرے پیارے بھائی محمد علی اب تم انجینئر یعنی میکنیکل انجینئر بن چکے ہو۔ Cooling Tower تو بنالیا دلوں میں خلوص بڑھانے کا بھی کچھ بناؤ ناں پھر میں تم کو مانوں۔ تمہیں بہت بہت مبارک ہو' ان شاء اللہ تمہاری نوکری پکی ہے اور وکی (وقار) تم بھی GC فیصل آباد میں پڑھ کر اپنا مستقبل بناؤ۔ حفصہ تمہارا ایم اے انگلش بھی ہو ہی جائے گا (ذہن کے ساتھ)۔ جیری اور وردہ' امی ابو آپ سب کے لیے ڈھیروں دعائیں اور سلام اور جیری کے لیے بیٹے کی دعا اور وردہ کے لیے بھائی کی۔ اب ایک ایسی شخصیت کے لیے ایک ہی پیغام جو کہ سب سے اہم ہے میرے لیے' صرف اتنا کہنا ہے:

ہم تیرے احساس کو بکھرنے کی اجازت نہیں دیں گے
دل میں تیرے سوا کسی کو اترنے کی اجازت نہیں دیں گے

والسلام! آپ کی دوست' بہن اور بیٹی!

فاطمہ عاشی......جھنگ

ہم سے پوچھئے

شمائلہ کاشف

عفیفہ افضل......ڈسکہ

س: آپی اگر بیوی نوٹ سے اور ٹی وی ریموٹ سے چلتا ہے تو شوہر کیسے چلتا ہے؟

ج: بیوی کی مرضی سے۔

س: آپی اگر پاکستان کا ہر گھر ساس بنا سسرال بن جائے تو کیا ہوگا؟

ج: ہر گھر میں دنگل ہوگا۔

طیبہ حنیف اینڈ مرہ حنیف......سمندری

س: ہم نے سنا ہے آپ کو بہترین کارکردگی کی بنا پر ایوارڈ ملا ہے کیا یہ واقعی سچ ہے؟

ج: تم سب کی محبتیں ہمارے لیے کسی ایوارڈ سے کم نہیں ہے۔

س: اپیا! دھنک کے سب رنگ ہی پیارے ہیں لیکن جو دو رنگ آپ کو بہت پیارے ہوں؟

ج: سرخ و سیاہ۔

ریمل اہل......جہلم

س: زندگی میں انسان اپنوں سے ہی کیوں دھوکا کھاتا ہے؟

ج: دھوکا نہ کھائے تو اپنے پرائے کی پہچان کیسے ہو؟

س: زندگی میں کسی کو اپنانا محبت ہے یا پھر کسی کا بن جانا؟

ج: محبت ہر رنگ میں انسان کو اسیر کر لیتی ہے۔

طیبہ نذیر......شادیوال گجرات

س: اگر دماغ آزاد ہو جائے تو سائنس میں ترقی ہوتی ہے۔ اگر دل آزاد ہو جائے تو؟

ج: تو خیالات کی ترقی ہوتی ہے۔

س: آپی جی اکثر آنسو اختیار میں کیوں نہیں رہتے؟

ج: جب دل بے اختیار ہو جاتا ہے تو آنسوؤں کے بند ٹوٹ جاتے ہیں۔

مہر گل، ملائکہ دعا......کراچی

س: آپی! آپ سیاستدانوں کی طرح ڈپلومیٹک جواب کیوں دیتی ہیں؟

ج: کی محبت تو سیاست کا چلن چھوڑ دیا
ہم اگر عشق نہ کرتے تو حکومت کرتے

س: یہ شاعروں کی محبوباؤں میں ہرنی کی طرح کی آنکھیں، ناگن زلفیں، پنکھڑی جیسے ہونٹ، چاند چہرہ سب ہوتا ہے انسانوں والی کوئی چیز کیوں نہیں ہوتی؟

ج: تخیلاتی پیکر تو مکمل ہی ہوتے ہیں نا!

یاسمین کنول......پسرور

س: اگر سورج نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟

ج: خالق کائنات کا نظام مکمل اور بھرپور ہے سورج نہ ہوتا تو کچھ اور ہوتا۔

عروسہ شہوار......گوجراں

س: رشتے اپنائیت کے ہوں یا خلوص کے اتنے نازک کیوں ہوتے ہیں کہ ذرا سی ٹھیس لگی اور ٹوٹ گئے؟

ج: رشتے تو سارے نازک ہوتے ہیں، اسی لیے انہیں سنبھال کر رکھنا چاہیے۔

س: میری انگلیاں تک جھلس گئیں مگر چراغ ہے کہ جل کے نہیں دے رہا کیا کروں؟

ج: سائنس کی ایجاد ٹیوب لائٹ کس لیے ہے۔

س: اپیا جانی اچھی سی بات میرے آنچل سے باندھ دیجیے نا!

ج: خوش رہو اور دوسروں کو بھی خوش رکھو۔

صنم ناز......گوجرانوالہ

س: آپی میری دعا ہے کہ نئے سال کے ہر نئے مہینے کے ہر نئے دن آپ کو بہت سی خوشیاں ملیں آمین۔

ج: بے حد شکریہ یہ دعا ہماری بھی سب کے لیے ہے۔

س: آپی ہمیں اس بار بھی جانے کیوں دسمبر پھر اداس لگا؟

ج: اداس دل ہوتا ہے، موسم یا مہینہ نہیں سمجھیں!

س: آپی مجھ سے انتظار برداشت نہیں ہوتا کیا کروں؟ اور مجھے اس کا انتظار بھی بہت ہے۔

ج: بے فکر رہو آنچل کا سالگرہ نمبر آنے ہی والا ہے۔

فاخرہ ایمان......لاہور

س: السلام علیکم! آپی پہلی بار آپ کی بزم میں شرکت کر رہی ہوں بیٹھنے کی جگہ کہاں ملے گی؟

ج: سر آنکھوں پر۔

س: آپی دنیا کا سب سے پیارا رشتا کون سا ہے؟

ج: خالق و تخلیق کا رشتا۔

س: آپی دنیا میں مخلص دوست کیسے ملتے ہیں؟

ج: بازار میں تو خیر نہیں ملتے۔

حنین خان......کوہاٹ

س:۔ اپیا کیا آج کے زمانے میں بغیر دولت کے محبت کی جا سکتی ہے؟

ج: محبت تو بہت خالص اور شفاف جذبہ ہے۔

س: آپی شعر مکمل کریں۔
ہم بھی چالاک ہوگئے آخر

ج: تم سو گئے تو روٹھ جائیں گے۔

دعا ہاشمی......فیصل آباد

س: باادب باملاحظہ، ہوشیار مس دعا ہاشمی تشریف لا رہی ہے۔

ج: خوش آمدید۔

س: السلام علیکم آپی نیا سال بہت بہت مبارک ہو کیا حال چال ہیں سوہنیو؟

ج: تمہاری دعائیں ہیں اور نیا سال تمہیں بھی مبارک ہو۔

مدیحہ نورین مدوح......برنالی

س: آپو جانی سردیوں سے بچنے کا ٹوٹکا ہی بتا دیں؟

ج: دہکتے تندور میں چھپ جاؤ۔

س: گنجے ہونے کا کوئی فائدہ بتائیں؟

ج: وقت کی بچت۔

س: محبت کی انتہا اور ابتدا کیا ہے؟

ج: محبت کو کوئی سمجھے تو آخر کس طرح سمجھے
یہ ظالم انتہا تک ابتدا معلوم ہوتی ہے

س: عشق مشک کیوں نہیں چھپتے؟

ج: مشک کو ہوائیں پھیلاتی ہیں اور عشق کو دنیا۔

س: انسان کی سب سے بڑی کمزوری کیا ہے؟

ج: اس کی تعریف۔

مسز ندیم خان......لاہور

س۔ السلام علیکم! بہت بہت شکریہ برداشت کرنے کا۔ آپ نے پہلے بھی جگہ اور مزیدار جوابات دیے، سوچتی ہوں کہ کس منہ سے شکریہ ادا کروں؟

ج۔ وعلیکم السلام، شکریے کی ضرورت نہیں یہی منہ کافی ہے۔

س۔ میں تو کہتی ہوں کہ عقل سے زیادہ بھینس بڑی اور موٹی ہوتی ہے مگر نہ جانے لوگ کیوں نہیں سمجھتے؟

ج۔ لوگوں کی حماقت ہے بڑی، موٹی اور دودھ جیسی حیات بخش چیز دینے والی کو عقل مند نہیں سمجھتے، بے وقوف۔

س۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کڑوا سا منہ بناتے ہیں،

بھلا کیوں؟

ج۔صورت ہی ایسی بنائے رکھتی ہوگی کہ منہ کڑوا ہوجائے۔

س۔رات کو سونے سے پہلے اور صبح جاگنے کے بعد آنچل ہاتھ میں ہو تو باقی کام کیسے ہوں؟

ج۔اب تک کیسے ہوئے؟ بس ایسے ہی کرتی رہو۔گزارا ہوتا رہے گا۔

س۔اکثر مجھے کہا جاتا ہے کہ میں سوتے میں مسکراتی ہوں۔وجہ تو مجھے معلوم نہیں؟

ج۔اچھے خواب دیکھتی ہوگی۔ دن میں تو مسکرانے کا موقع ملتا نہ ہوگا۔

شہنی اسلم......قادر پور راں

س۔کیا شاعر بننے کے لیے ٹھوکر کھانا لازمی ہے وہ بھی پیار میں؟

ج۔جی نہیں، ضروری نہیں۔ شاعروں کے انٹرویوز میں ان کے جواب پڑھ لیا کرو۔

س۔یہ ساس بھی سسر کی طرح اچھی اور بھلی مانس کیوں نہیں ہوتی؟

ج۔آپ کا شوہر بھی کبھی سسر بنے گا اس سے پوچھ لینا۔

س۔اکثر بوڑھے ہونے کے بعد عورتوں کا سر اثبات میں اور مردوں کا سر نفی میں کیوں کانپنے لگتا ہے؟

ج۔عورت کی گردن آگے کو ہلتی ہے، مرد کی گردن ادھر اُدھر ہلتی ہے۔دونوں کے بڑھاپے میں یہی فرق ہے۔

خلوص دل سے مجھے دعا دیں۔

ج۔اللہ تعالیٰ آپ کو ایمان کی دولت سے نوازے (آمین)

ناہید خان......کراچی

س۔سردیوں کے موسم میں مونگ پھلی، موسم گرما میں آم مزہ دیتے ہیں تو جدائی کے موسم میں کیا مزہ دیتا ہے۔

ج۔اشک بہانا۔

س۔لڑکیوں کو شاپنگ کا کریز ہوتا ہے اور لڑکوں کو؟

ج۔لڑکیوں کے کریز پر لعنت ملامت کرنے کا۔

س۔دل والے دلہنیا لے جائیں گے اور آنچل والے......

ج۔آنچل دیتے رہیں گے (انشاء اللہ)

سمیرا مشتاق ملک......اسلام آباد

س۔بادل بادل سے ٹکرائے تو گرج پیدا ہوتی ہے اور دل سے دل ٹکرائے تو؟

ج۔کھنک پیدا ہوتی ہے۔

س۔آپی! عورت کے آنسو میں کتنی طاقت ہے؟

ج۔دنیا الٹ سکتی ہے (صرف مردوں کی)

س۔محبت کی ہار اور کرکٹ کی ہار میں کیا فرق ہے؟

ج۔محبت ہارتی نہیں۔لہٰذا فرق ڈھونڈنا بے کار ہے۔

نامعلوم......نامعلوم

س: باجی، ہم ہیں آپ کی نئی دوست آپ کی محفل میں جگہ ملے گی؟

ج: یہ محفل ہماری دوستوں اور بہنوں کے لیے ہی تو ہے۔

س: آپ جب زندگی کے بڑے بڑے فیصلے کرتی ہیں ہو تو کس بات کو اہمیت دیتی ہو؟

ج: اللہ کے حکم اور اس کے بعد قسمت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

کام کی باتیں

حنا احمد

مفید ٹوٹکے

○ شہد اور کسٹر آئل ملا کر پلکوں پر لگانے سے پلکیں گھنی ہوجاتی ہیں۔

○ آپ کا سوٹ کاٹن کا ہو یا ریشمی اگر تیل کا دھبہ لگ جائے تو دھبے پر کوئی بھی ٹیلکم پاؤڈر اچھی طرح چھڑک دیں اور کپڑے پر استری پھیریں۔ پاؤڈر تیل کے داغ کو جذب کرلے گا اور سوٹ دھونے پر تیل کا داغ جاتا رہے گا۔

○ نارنگی یا سنترے کے چھلکے خشک کر کے جلائیں اور دھواں گھر میں پھیلائیں کمرے مہک اٹھیں گے اور مچھر بھاگ جائیں گے۔

○ ریشمی لباس کی چمک کو بحال کرنے کے لیے اگر اس کو اس پانی سے دھویا جائے جس میں آلو ابالے گئے ہوں تو ریشمی کپڑوں کی چمک دوبالا ہوجائے گی۔

○ لپ اسٹک کو گرمیوں کے موسم میں ریفریجریٹر میں رکھیں اس طرح وہ خراب ہونے سے محفوظ رہے گی۔

○ اگر آپ کی لپ اسٹک ٹوٹ گئی ہے تو کوئی بات نہیں۔ ٹیوب میں ٹوتھ پک داخل کریں اور اسے ہلکی آنچ پر گرم کریں یہاں تک کہ لپ اسٹک کا جوڑ آپس میں نہ مل جائے۔ لیجیے آپ کی لپ اسٹک استعمال کے لیے تیار ہے۔

○ اگر دہی فوراً جمانی ہو تو دودھ میں ذرا سی ٹارٹرک ایسڈ ڈال دیجیے دہی بہت جلد جم جائے گا۔روٹی کا باسی ٹکڑا ڈال دینے سے بھی دہی جلد جم جاتا ہے۔

○ مہندی ہاتھوں پر بہت اچھی لگتی ہے۔لیکن یہی مہندی اگر کپڑوں پر لگ جائے تو جان عذاب میں آجاتی ہے۔ایسے دھبوں کو گرم دودھ میں آدھے گھنٹے کے لیے رہنے دیں۔ لیجیے مہندی کے دھبے غائب۔

○ کیا آپ کے بچے دیواروں پر رنگین چاک یا کھریے کی مدد سے نقش ونگار بناتے رہتے ہیں؟ ان نشانات پر تھوڑا ٹوتھ پیسٹ مل لیں اور تقریباً نصف گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں۔ پھر ایک خشک کپڑے کی مدد سے اسے رگڑ کر صاف کرلیں۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ یہ کتنی آسانی سے صاف ہوگیا۔

○ ایک کھلے منہ والی دیگچی لیں۔ اس میں پانی ڈالیں کہ دیگچی بھر جائے پانی کو اچھی طرح سے ابال کر چولہے سے اتار لیں اور اس میں پائے بھگو دیں۔ تقریباً تین سے چار منٹ بھیگے رہنے دیں پھر پائے نکال کر چھرے سے صاف کریں۔ حیران کن حد تک پائے جلد اور آسانی سے صاف ہوجائیں۔

○ سخت گوشت جلدی گلانے کے لیے گوشت کو بھونتے وقت خشک لہسن کے درمیان والی لکڑی گوشت میں ڈال دیں تو گوشت جلدی گل جائے گا۔

○ مٹر ابالتے وقت اگر ان کے ساتھ 2 یا 3 مٹر کے چھلکے ڈال دیں تو مٹر سرسبز رہتے ہیں۔

○ لیموں سے پورا عرق نکالنے کے لیے اسے پہلے گرم پانی میں ڈبولیں۔ پھر کاٹ کر نچوڑیں تو سارا عرق نکل آئے گا۔

○ مچھلی کی بو اور باس دور کرنے کے لیے قتلوں کو لیموں کے عرق سے رگڑ کر دھونا چاہیے۔

○ سبزیوں کے بغیر کھانے کا کیا مزہ لیکن اگر سبزیاں تازہ ہوں تو ذائقہ کچھ اور ہوجاتا ہے۔ بعض سبزیاں جیسے کھیرا وغیرہ ان کو چھیلنے کی ضرورت ہوتی ہے اور ان پر لگے ہوئے بلکہ چمٹے ہوئے کیڑے مکوڑے بعض اوقات تنگ کردیتے ہیں اور سبزی بھی گندی معلوم ہوتی ہے۔ آپ تھوڑے سے پانی میں نمک ملا لیجیے اور اس میں یہ سبزی جیسے کھیرا سیدھی کھڑی کر دیجیے یہ تیز نمکین محلول نہ صرف آپ کی سبزی

سے ان حشرات الارض کو نکال باہر کردے گا بلکہ سبزی کو سیدھا رکھنے کی وجہ سے کیڑے مکوڑے سیدھے برتن کی تہہ میں چلے جائیں گے اب آپ سبزی نکال کر سادہ پانی سے دھولیں اور پکانے یا کچی حالت میں کھانے کے لیے تیار کریں۔

○ اگر انگور کے چھلکے اتارنا ہوں تو انگور کے خوشے کو دو منٹ کے لیے گرم پانی میں ڈبو دیں پھر دو منٹ کے لیے خوب ٹھنڈے پانی میں بھگو دیں پھر آسانی سے چھلکے اتر جائیں گے۔

○ اگر ڈبل روٹی رکھے رکھے باسی ہوگئی ہو تو فوائل میں لپیٹ کر گیس مارک کرکے اوون میں دس منٹ کے لیے رکھ دیں ڈبل روٹی بالکل تازہ ہوجائے گی۔

○ لپ اسٹک کے داغ اگر کپڑوں میں لگ جائیں تو ان داغوں پر ہیئر اسپرے اچھی طرح چھڑک کر دس منٹ بعد کسی بھی واشنگ پاؤڈر سے دھولیں اور پھر فوراً استری کرلیں داغ مٹ جائیں گے۔

○ چاول پکاتے وقت ایک کھانے کا چمچہ سفید سرکہ ڈال دیں چاول ہمیشہ کھلے کھلے پکیں گے۔

○ مٹر کو زیادہ عرصے تک رکھنے کے لیے اس کے دانے نکال کر فریز کرلیجیے اور بارہ مہینے مٹر کے مزے لیں۔

○ کرسٹل کے برتن دھونے کے لیے پانی میں سفید سرکہ اور واشنگ پاؤڈر ملا کر برتن کو ڈبو کر کسی ٹوتھ برش کی مدد سے صاف کریں۔ برتن چمک اٹھیں گے۔

○ چائے کے خالی ٹی بیگ آنکھوں پر رکھنے سے آنکھوں کی تھکن دور ہوجاتی ہے۔

○ سبزیاں پکاتے وقت پکنے کے دوران آدھا چمچ سرکہ ڈالنے سے سبزیوں کا رنگ قائم رہتا ہے۔

○ روٹی پکانے سے پہلے آٹے کو آدھ گھنٹہ کے لیے ڈھانک کر رکھ دیں اس طرح آٹا صحیح رہتا ہے اور اس کے پیڑے خراب نہیں ہوتے۔

○ اگر نالیاں بند ہوجائیں تو تیزاب ڈال کر کچھ دیر کے لیے چھوڑ دیں۔ تمام بند نالیاں کھل جائیں گی۔

○ کپڑے پر لوہے کا زنگ کا داغ لسی سے صاف کیا جاسکتا ہے۔

○ چیونٹیوں سے بچنے کے لیے شکر کے ڈبے میں تین چار لونگ ڈال دیں۔

○ کھیرا چھیلنے کے بعد چھلکے کو کچرے میں نہ پھینکیں انہیں واش بیسن باورچی خانے کی نالی اور کونے کھدروں میں ڈال دیں لال بیگ نہیں آئیں گے۔

○ اسپرین کی گولیاں پانی میں ملا کر پھولوں پر چھڑکیں تو پھولوں کی تازگی اور شگفتگی دیر تک برقرار رہتی ہے۔

○ مچھلی پکائی جائے تو پورے کچن میں اس کی بو پھیل جاتی ہے۔ کسی برتن میں ابلے ہوئے پانی میں تین سے چار ٹی اسپون سرکہ ڈال کر باورچی خانے میں رکھ دیں تو بو ختم ہوجاتی ہے۔

○ بھنڈیوں کو پکاتے یا ابالتے وقت ان پر اگر لیموں کے چند قطرے یا دو ٹی اسپون املی کا پانی ملا دیں تو ان کی نرمی پکنے کے بعد بھی برقرار رہتی ہے۔ پھول گوبھی کی رنگت کو پکانے کے دوران بھی برقرار رکھا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے آپ یہ کریں کہ پکاتے وقت اس میں لیموں کا چھلکا ڈال دیں۔

تندرستی صحت

لبابہ احمد

اجنبی چہرے

ایک بچہ ماں کے ساتھ باورچی خانے میں بیٹھا اپنے کھلونے سے کھیل رہا تھا۔ ایک اجنبی شخص اس کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ بچہ پہلے اس شخص کو غور سے دیکھتا رہا پھر اس کا چہرہ اترنے لگا اور اس نے رونا شروع کردیا' کیونکہ وہ اجنبی شخص کو دیکھ کر ڈر گیا تھا۔

یہ مرحلہ عارضی ہوتا ہے۔ یہ طرزِ عمل اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ صرف اپنے والدین اور گھر والوں سے مانوس ہے باقی لوگ اس کے لیے اجنبی ہیں لیکن آپ کے بچے کا اجنبیوں کو دیکھنے پر یہ ردِعمل عمر کے دوسرے سال میں داخل ہونے تک آہستہ آہستہ کم ہوجاتا ہے۔ دوسرے لوگوں سے بچوں کو ملا کر آپ اس کا یہ خوف دور کرسکتی ہیں۔ یہ خوف اس طرح بھی ختم کرسکتی ہیں کہ آپ اس شخص سے بات کرتے ہوئے بچے کو گود میں اٹھالیں۔ بچے کا چہرہ دوسری طرف کردیں اور اس شخص سے خوش گوار لہجے میں باتیں کریں۔ آہستہ آہستہ بچہ خود اجنبی کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے گا۔

بچے میں وقت کے ساتھ کچھ اور خوف پیدا ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً ماں سے جدا ہونے کا خوف اگر ماں بچے کو ہنستا کھیلتا چھوڑ کر کمرے سے باہر چلی جائے تو جیسے ہی اسے ماں کے جانے کا احساس ہوگا وہ رونے لگے گا۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ ماں کے جدا ہونے کی صورت میں بچے کا رونا اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ اس کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہوگئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی غیر محفوظ صورت حال میں محسوس کرتا ہے لیکن اس میں اتنی سمجھ بوجھ نہیں ہوتی کہ وہ سمجھ سکے کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ جدا ہونے کے خوف کی شدت مختلف بچوں میں مختلف ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض بچے صورت حال کا مقابلہ کرنے کی زیادہ اہلیت رکھتے ہیں۔ کچھ بچوں کو اپنے کھلونوں اور اپنے کھیل سے بھی انسیت ہوجاتی ہے اور ان کے جدا ہونے سے وہ خوف زدہ ہوجاتے ہیں۔ کبھی کبھی بچوں کو حد سے زیادہ تحفظ ملنے سے بھی ان کے اندر خوف پیدا ہوجاتا ہے۔ اگر بچے کو بار بار بتایا جائے کہ یہ کام نہیں کرنا تو اس میں تشویش پیدا ہوجاتی ہے۔ بچے میں خوف اس کی جذباتی پختگی کی نشاندہی کرتے ہیں' والدین کا مقصد یہ نہیں ہونا چاہیے کہ بچے کے تمام خوف دور کردیے جائیں کیونکہ یہ ناممکن ہے۔ خوف مسلسل پیدا ہوتے رہتے ہیں البتہ بچوں کو یہ سکھایا جائے کہ ان کا مقابلہ کس طرح کرنا چاہیے۔

ڈے کیئر سینٹر کا خوف

جو مائیں بچوں کو ڈے کیئر میں چھوڑ کر جاتی ہیں ان کے بچے والدین کی جدائی سے خوف زدہ ہوتے ہیں۔ ایک ملازمت پیشہ خاتون کا بچہ جب ایک سال کا ہوگیا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے کام پر دوبارہ جانا شروع کریں لیکن ایسا کوئی عزیز نہیں تھا' جہاں وہ بچے کو چھوڑ دیتیں' چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ بچے کو ڈے کیئر میں چھوڑ دیں گی۔ یہ فیصلہ کرتے ہوئے ماں کو کافی تشویش تھی کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے بچے کو کبھی اجنبی لوگوں کے پاس نہیں چھوڑا تھا' لہٰذا ماں اور بچہ دونوں کے لیے ایک دوسرے سے جدا رہنا مشکل تھا لیکن مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔ بچہ جب تک ڈے کیئر میں رہتا' روتا رہتا' ماں کو دیکھتے ہی اس سے چمٹ جاتا۔

ڈے کیئر میں بچوں کو چھوڑنا کبھی بھی خوش گوار نہیں ہوتا۔ یہ لمحہ آپ کی دن بھر کی جدائی کی شروعات ہوتا

ہے۔ اس وقت بچے کو اپنے والدین کی جدائی اور اجنبی لوگوں سے سامنا کرنے کے خوف کا سامنا ہوتا ہے۔ اس وقت اسے اپنی زندگی میں ماں کے وجود کا احساس ہوتا ہے۔ ماں اس کی زندگی کا مرکز ہوتی ہے۔ اس لیے ماں سے جدا ہونا اس کی زندگی کا سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔ وہ اپنے گرد کسی اجنبی کو دیکھ کر بھی پریشان ہوجاتا ہے۔ یہ موقع اس کے لیے جذبات کی لڑائی کا میدانِ جنگ ہوتا ہے۔

مختلف بچوں کا ردِعمل بھی مختلف ہوتا ہے لیکن زیادہ تر یہی ہوتا ہے کہ آپ کے (ماں) پیٹھ موڑتے ہی بچہ رونے لگتا ہے اور آپ کے لیے بھی اسے چھوڑ کر جانا مشکل ہوجاتا ہے۔ جب یہ روز کا معمول ہوجائے تو یہ معلوم کرنا چاہیے کہ کیا یہ جدائی اس کی زندگی میں اذیت کا سبب تو نہیں بنتی کیونکہ بچے زبان کے ذریعے اپنی تکلیف کا اظہار نہیں کرسکتے لہٰذا وہ رو کر ہی اپنی تکلیف کا اظہار کرتے ہیں اور ڈے کیئر جانے کو منع کرتے ہیں۔ گھر پر تو بچہ سب کی توجہ کا مرکز بنا رہتا ہے مگر ڈے کیئر میں دوسرے بچے بھی ہوتے ہیں اس لیے وہ خوف زدہ رہتا ہے۔

چار پانچ سال کی عمر میں بچے کا آپ سے جدا رہنے کا خوف عجیب وغریب ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے آپ اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جارہی ہیں۔ اگر بچے کو گھر سے کوئی کھلونا یا اور کوئی چیز دے دی جائے جو بچے کو پسند ہو تو اس سے بچے کو اپنا گھر یاد آتا رہے گا اور ایک طرح یہ اس کو احساس تحفظ دے گا۔

ابتدائی چند دنوں میں تو بچہ نئے ماحول سے مطابقت پیدا کرتا ہے۔ بچے کے روزمرّہ کے معمولات میں تبدیلی اس کے لیے ایک چیلنج ہوتی ہے۔ بچے کے ڈے کیئر میں اچھا وقت گزارنے کے لیے یہ بہتر ہوگا کہ اس کی دن کی مشغولیات ڈے کیئر کے ذکر سے شروع کی جائیں مثلاً اس سے پوچھیں کہ وہ دن بھر وہاں کیا کرے گا۔ دوسرے بچوں کے ساتھ کس طرح کھیلے گا وغیرہ۔ ایسا پانچ چھ سال کے بچوں سے کرسکتی ہیں۔ ابتدائی آدھ ایک گھنٹہ ماں کو بھی اس کے ساتھ ڈے کیئر میں رہنا چاہیے پھر اسے ایسے کام میں مشغول کرکے چھوڑ دیں جو اسے پسند ہو۔ ماں کو چاہیے کہ بچے کو ہر کام میں آگے بڑھنے دیں چاہے بلاکوں سے کھیلنے کا کام ہو یا ناشتہ کھانے کی مشغولیت ہو۔

طوفانی صبح

صبح کے وقت آپ جلدی میں ہوتی ہیں۔ دفتر کی تیاری کرتی ہیں۔ فائل اور دیگر ضروری چیزیں رکھتی ہیں۔ بچے کو تیار کرتی ہیں اور اس کے دوسرے ضروری کام کرتی ہیں۔ روزانہ تیار ہوتے وقت بچے کی ذہنی کیفیت درست ہونا بھی اتنا اہم ہے جتنی آپ کی ذہنی کیفیت۔ اگر آپ کام کے لیے وقت پر پہنچنے کے لیے پریشان ہورہی ہیں اور بچے کو گھبراہٹ میں ڈے کیئر چھوڑتی ہیں تو یہ پریشانی بچے کو منتقل ہوجاتی ہے جو بچے کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ اپنا دن ذہنی دباؤ کے ساتھ شروع کرنے سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ ہر کام کے لیے پہلے سے منصوبہ بندی کرلیں اور صبح کی تیاری کے لیے کافی وقت رکھیں جو کام پہلے کیے جاسکتے ہیں انہیں رات میں کرلیں تو بہتر ہوگا۔ مثلاً بچے کے کپڑوں کا بیگ رات میں تیار کرلیں تو اس میں کھانے پینے کی چیزیں صبح رکھ دیں۔ آپ اچھی معلم ہوسکتی ہیں مگر صبح کا وقت جلدی کا ہوتا ہے اس لیے پہلے تیاری کرلی جائے تو بہتر ہوگا۔ اس طرح بچہ بھی خوف زدہ نہیں رہے گا۔

(جاری ہے)